موجودہ حالات میں سیرت کے فکرانگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنیوالی
مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور مؤثر سیرتِ طیبہ
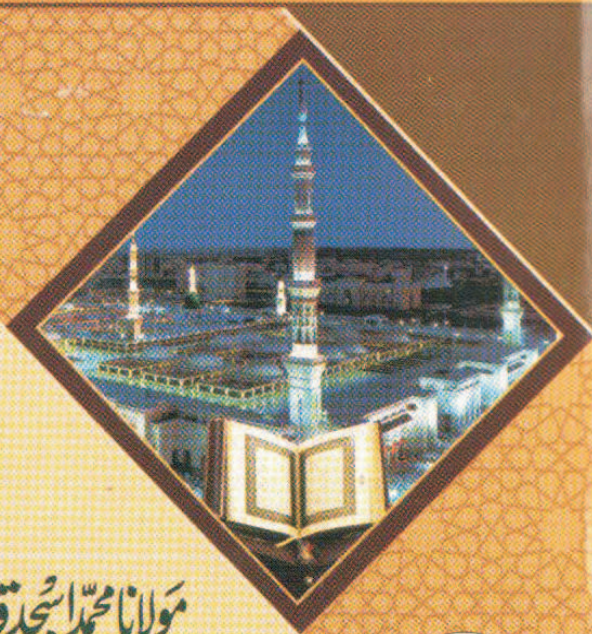
مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

موجودہ حالات میں سیرت کے فکر انگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنے والی،
مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور مؤثر سیرت طیبہ

تالیف:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

مہتمم وشیخ الحدیث
جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
Mobile: **09412866177**

تفصیلات

نام کتاب : بیانات سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف : مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

طبع : محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق نومبر ۲۰۱۵ء

کمپوزنگ : محمد شعیب قاسمی سیتاپوری

صفحات : ۴۳۸

باہتمام : **مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد**

ناشر : فرید بک ڈپو دہلی

قیمت :

ملنے کے پتے:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ الفرقان لکھنؤ

مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

انتساب

ایک ادنیٰ غلام کا حقیر تحفہ کونین کے آقا علیہ السلام

کی بارگاہِ عالی میں

اس تمنا کے ساتھ

بہ بارگاہِ رسالت یہ ارمغانِ فقیر
بڑا کرم ہو جو مقبول و کامراں ٹھہرے
(شورشؒ)

اور

مرا قلم بھی ان کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے ان کا سایہ
حضورِ خواجہ مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے
(نفیس الحسینیؒ)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ عَدَدَ خَلْقِكَ، وَرِضَا نَفْسِكَ، وَزِنَةَ عَرْشِكَ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ.

خاک پائے غلامانِ محمد ﷺ

محمد اسجد قاسمی ندوی

غلام کی التجا آقا کی جناب میں

اے شہ لولاک، اے شاہنشہِ دنیا و دیں
اے شفیع المذنبیں، اے رحمۃ للعالمیں

آج تیرے عتبۂ اقبال پر آیا ہوں میں
دل کے ٹکڑے نذر کرنے کے لئے لایا ہوں میں

وہ تہی دامن ہوں جس کے پاس کچھ سامان نہیں
جانتا ہوں سنگ ریزے نذر کے شایاں نہیں

اپنی رحمت پر نظر کر، میری لاچاری نہ دیکھ
اس فقیر بے سرو ساماں کی ناداری نہ دیکھ

(احمد شجاع ساحر)

کاش ایسا ہو جائے

فرشتوں نے مرِی لوحِ عمل پر روشنی رکھ دی
"ثنا خوانِ محمدؐ" لکھ دیا اول سے آخر تک
(صبیح رحمانی)

جذبات عقیدت ومحبت

وَالـلّٰـــهِ یَـــا خَیْـرَ الْخَـلاَ ئِقِ إِنَّ لِـیْ
قَـــلْبـــاً مَشُـــوْقــاً لاَ یَـرُوْمُ سِـوَاکَ

وَبِـحَـقِّ جَـــاهِکَ إِنَّـنِی بِکَ مُغْـرَمٌ
وَالـــلّٰـــهُ یَـعْـلَـمُ أَنَّـنِـــی اَهْـوَاکَ

(امام ابوحنیفہؒ)

اے بہترینِ خلائق: میرا دل صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں، مجھے آپ کی عزت وعظمت کی قسم: میں آپ سے بے پناہ محبت رکھتا ہوں، اور اللہ میری اس والہانہ محبت کا گواہ ہے۔

اور

فَـــإِنَّ أَبِـــیْ وَوَالِـــدَتِـــیْ وَعِـــرْضِـــیْ
لِـــعِـــرْضِ مُـــحَـــمَّـــدٍ مِـــنْـــکُـــمْ وِقَـــاءُ

(حضرت حسان بن ثابتؓ)

میرا باپ، میری ماں، میری عزت، ہر چیز محمد ﷺ کی ناموس کے تحفظ کے لئے قربان ونثار ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

ایک اعزاز ہے مداحِ پیمبر ہونا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن۔وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن۔

اس زبان سے زیادہ مبارک کون سے زبان ہوسکتی ہے جو آقائے دوجہاں، سرورکونین ﷺ کی مقدس سیرت کے تذکرے سے شاداب ہوتی ہو، اوراس قلم سے بڑھ کر بابرکت اور بافیض قلم کس کا ہوسکتا ہے جو آقائے نامدار ختمی مرتبت علیہ الصلاۃ والسلام کے ذکرجمیل کی سعادت حاصل کرتا ہو، واقعہ یہی ہے کہ ع

ایک اعزاز ہے مداحِ پیمبر ہونا

کوئی دوسال کا عرصہ گزرا، احقر جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں اساتذہ کے ساتھ ایک اہم تعلیمی میٹنگ میں مصروف تھا، اچانک احقر کے قدیم کرم فرما محترمی جناب مولانا حافظ شریف احمد مظہری صاحب زیدمجدہم بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مظاہرالعلوم گلبرگہ (کرناٹک) کا فون آیا، انہوں نے اپنی سیرت کمیٹی کے احباب کی طرف سے پُرزور اصرار کے ساتھ خطبات سیرت سیریز کے پروگرام میں شرکت کی مخلصانہ دعوت پیش فرمائی، اور یہ بھی فرمایا کہ اس سیرت کانفرنس میں چار نشستوں میں بالترتیب مکمل سیرت طیبہ بیان ہونی ہے، یہ سن کر پہلے تو احقر حیران ہوا، اپنی نااہلی اور بے بسی کے سامنے اس عظیم ذمہ داری اورفرض کی انجام دہی کس قدر دشوار معلوم ہوئی، الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا، لیکن پھر جوں جوں وقت گذرتا گیا، ذکرحبیب کی اس سعادت عظمیٰ کا بیش قیمت موقع دست یاب ہونے اوراسے غنیمت سمجھ کر آقا ﷺ کے مداحوں میں برائے نام ہی ہی شمولیت کا

اعزاز حاصل کرنے کا شوق عجیب وغریب انداز میں دل کے اندرون میں افزوں ہوتا گیا، سیرت نبویہ پر موجود اور بآسانی دستیاب عربی اور اردو مستند مصادر ومراجع کھنگالنے کا عمل شروع ہوا، شب وروز یہی لذیذ تر اور شیریں مشغولیت رحمت بن کر ساتھ رہی، ہفتوں اسی کوچۂ سیرت کے طواف میں اور اسی خزانۂ برکت کی سیر میں ناقابل بیان بشاشت کے ساتھ ایسے گذرے کہ پتہ بھی نہ چلا۔

احقر نے خطبات کی ترتیب یہ رکھی تھی کہ:

(۱) پہلا خطبہ حیات نبوی از ولادت تا نبوت، دوسرا خطبہ نبوت تا ہجرت، تیسرا خطبہ ہجرت تا فتح مکہ، چوتھا خطبہ فتح مکہ تا وفات کے تمام حصوں کو محیط ہو۔

(۲) خطبات کی تیاری اور ترتیب مستند مراجع اور مآخذِ سیرت کی روشنی میں ہو، انہیں واقعات وروایات کو سامنے لایا جائے جو علمی استناد واعتبار رکھتی ہوں۔

(۳) احادیث مبارکہ کی کتب میں مذکور واقعات واحوال بطور خاص پیش نظر رکھے جائیں۔

(۴) واقعاتِ سیرت کے فکر انگیز اور ایمان افروز پہلوؤں اور پیغامات بطور خاص معاصر حالات کے تناظر میں ان کی معنویت اور ان کے ذریعہ حاصل ہونے والی رہنمائیوں کو اہمیت کے ساتھ واضح کیا جائے۔

اللہ کا فضل ہے کہ اس نہج پر تیاری کی گئی، اور مقرر وقت پر انتہائی آب وتاب کے ساتھ منعقد ہونے والی سیرت کانفرنس گلبرگہ میں باذوق وباادب سامعین کے جم غفیر کے سامنے اس ناچیز نے چار مجلسوں میں (بارہ گھنٹوں سے بھی زائد وقت میں) بالترتیب مکمل سیرت طیبہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کی اور اپنے بہت سے محترم پیش رو اکابر کی نقل اتارتے ہوئے انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے کی وہ جسارت کی جو موضوع کی برکت سے کسی سعادت اور خداوندی عنایت سے کم نہیں ہے۔

سیرتِ اقدس کا دل سے تذکرہ جب بھی ہوا
وہ مبارک ساعتیں جانِ بہاراں ہوگئیں

اس حقیر و عاجز کے ہر بنِ مو ہی نہیں، جسم کے ہر خلیے کو زبان عطا ہو جائے جو ہر لمحہ اللہ کے شکر و حمد میں زمزمہ سنج رہے، تب بھی کریم آقا کے اس فضل و احسان کے شکر کا ادنیٰ سا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا، جو اس نے اس روسیاہ پر اس طرح فرمایا کہ ذکر حبیب کے لئے اس کے ذہن و زبان کی گرہیں کھول دیں اور بلا مبالغہ سیکڑوں ہمہ تن شوق سامعین و سامعات نے ان بیان کو نہ صرف سنا بلکہ اپنے گہرے تاثر کا اظہار فرما کر اس حقیر کی حوصلہ افزائی فرمائی اور عزت افزائی بھی کی، جس کی وجہ سے اب اس حقیر کو عربی مصرعے ؏

وَأَرْجُـــــوْهُ رَجَـــــاءً لَايَـــــخِيْـــــبُ

کے مطابق اللہ کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل ہونے کی امید واثق بھی ہے اور یہ آرزو بھی دل میں مچل رہی ہے کہ کاش وہ مالک علام الغیوب ان ٹوٹے پھوٹے بیانات سیرت کے طفیل اس حقیر کی لوح عمل پر ''کراما کاتبین'' کے قلم مبارک سے از اول تا آخر ''ثنا خوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھوادے اور بیڑا پار ہو جائے، **آمین یا رب العالمین** ؏

شاہاں چہ عجب گر بہ نوازند گدارا

محترمی مولانا شریف مظہری صاحب اسی وقت سے مصر رہے ہے کہ یہ خطبات تحریری شکل میں مرتب ہونے ضروری ہیں، میں نے اسے بھی اپنی سعادت باور کیا، کیسٹوں سے خطبات قرطاس پر لائے گئے، ان کے نوک و پلک کو سنوارا گیا، حوالہ جات کی تلاش کا پر مشقت مرحلہ سر ہوا، کچھ حذف و اضافہ بھی کیا گیا، تاہم اصل خطیبانہ روح برقرار رکھی گئی، اور قصداً اس آہنگ میں بنیادی تبدیلی سے گریز کیا گیا، پھر کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کا طویل عمل بھی خدا خدا کر کے پورا ہوا، اور اب یہ کاوش طباعت کے مرحلے میں داخل ہونے جا رہی ہے، اور اس مرحلے میں احقر کی طرف سے سب سے بڑھ کر شکریہ کے مستحق محترمی مولانا شریف صاحب ہیں کہ انہیں کا اصرار اس کتاب کی ترتیب کا اصل محرک ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر یہ حقیر بافیض سیرت نگار محترمی شاہ مصباح الدین شکیل صاحب (کثر اللہ

امثالہم) کی منفرداور امتیازی شناخت کی حامل کتاب ’’سیرت احمد مجتبیٰ‘‘ (کامل سہ جلد) کا ذکر خیر نہ کرے، یہ کتاب مجھے محترم تاجر اور صاحب قلم بھائی جناب قمر الدین خان صاحب (مقیم ممبئی) کے توسط سے حاصل ہوئی، اور جوں جوں میں اسے پڑھتا گیا، بے خودی سوا ہوتی گئی، واقعہ یہ ہے کہ بیان سیرت نبویہ کے اس گوہر یکتا نے اس حقیر کو خطبات کی تیاری میں بلکہ ذوق سیرت کی آبیاری میں انتہائی گراں قدر مدد پہنچائی ہے، **فجزاهم الله خيراً**.

اس موقع پر مراد آباد کے مخیّر اور دیندار تاجر جناب الحاج محمد نسیم صدیقی صاحب (متولی مسجد ابراہیمی محلّہ کسرول مراد آباد) کا شکریہ بھی ادا کیا جانا ازبس ضروری ہے، کئی سالوں سے ان کے زیر اہتمام ان کی ذاتی دلچسپی اور ذوق کے نتیجے میں دس روزہ خطبات سیرت کا لائق تقلید اور قابل صد تحسین اجتماع ہوتا ہے، یہ پروگرام انتہائی مرتب، موضوعاتی اور منتخب پروگرام ہوتا ہے، اور اس کے فیوض وبرکات سے پورا شہر مالا مال ہوتا ہے، احقر کے خطبات سیرت کی اس ترتیب میں موصوف مذکور کے اس بابرکت پروگرام کا بھی نمایاں کردار رہا ہے، **فالله يجزيه الجزاء الأوفى**.

احقر مشہور اور بافیض اشاعتی ادارے ’’فرید بک ڈپو‘‘ کے ذمہ دار جناب الحاج محمد ناصر خان صاحب کا بھی بصمیم قلب شکر گزار ہے کہ ان کے ذاتی ذوق اور دلچسپی سے یہ کتاب جاذب اور بہتر شکل میں منظر عام پر آرہی ہے، اللہ انہیں خوب نوازے۔

آخر میں احقر ناظرین سے عرض گذار ہے کہ: یہ کتاب سرور کونین آقا ﷺ کی بارگاہِ عظمت وتقدس میں ان کے ایک ادنیٰ اور آلودۂ عصیاں غلام کا حقیر وبے مایہ تحفہ ہے، جسے عقیدت ومحبت کے خمیر سے تیار کیا گیا ہے، تحفہ پیش کرنے والا تہی دست اور بے بضاعت بھی ہے، اور سرتاپا غرقِ معصیت بھی، آقا کے دربار میں گدائے بے نوا یہ پیش کرتے ہوئے لرز اور ڈر بھی رہا ہے اور کرم وشفاعت کی التجا بھی کر رہا ہے، امید وبیم کے یہ جذبات اس کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہیں، اس لئے وہ اپنے رب کریم کے سامنے دست بدعا ہے کہ یہ کاوش قبول فرمالی جائے، اور پیش کرنے والے حقیر کو اس ذات کی نسبت کی لاج رکھتے ہوئے جس کی سیرت کا ذکر جمیل اس پیش کش کا

عنوان ہے اور جس کی امت میں یہ غلام بے نوا اپنی خوش بختی سے شامل بھی ہے، دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرور کردیا جائے۔ وماذالک علیٰ اللہ بعزیز.

ان سطور کا راقم عاجز ناظرین سے ملتجی ہے کہ جس نبی ہادی کے تذکرۂ باسعادت سے یہ کتاب لبریز ہے، اس کے لئے دل میں جذباتِ عقیدت کی جوت جگاتے ہوئے دستِ محبت سے یہ کتاب لیجئے، دیدۂ شوق سے پڑھئے، نگاہِ الفت سے دیکھئے، جذبۂ اتباع و عمل فروزاں کیجئے، اور اپنے کو وقت و تاریخ کا وہ مسافر تصور کرلیجئے جو مسافتیں پاٹتا ہوا اور ؂

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

کے مصداق زمان و مکان کی سرحدیں عبور کرتا ہوا اس دور میں اور اس دیار میں پہونچ جائے جہاں ذرے بھی ہیروں کی مانند چمکتے ہیں اور جہاں راستے کس کی خوشبو سے معطر ہیں کہ ابھی تو کوئی ان راہوں سے گذرا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ.

محمد اسجد قاسمی ندوی
خادم الحدیث النبوی الشریف
جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
۷/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

مشمولات

باب سوم حیاتِ نبوی ﷺ از ہجرت - تا - فتح مکہ (مدنی زندگی).... ۱۵۳-۳۳۲

باب اول

حیات نبوی ﷺ

از ولادت باسعادت تا بعثت مبارکہ

حیات نبوی ﷺ

از ولادت باسعادت تا بعثتِ مبارکہ

اہم تفصیلات و پیغام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن. وَ عَلٰی آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِیْن. اَمَّابَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ، عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ، حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُ وْفٌ رَحِیْمٌ.(التوبہ /۱۲۸)

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

تذکرۂ سیرت: عظیم سعادت

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہوتو پھر مَے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا اِستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا تذکرہ ہم سب کے لئے انتہائی عظیم سعادت اور خوش بختی ہے، ہماری زندگی کے کچھ لمحات، ہمارے شب وروز کی کچھ ساعات اور حیاتِ مستعار کے کچھ اوقات رسول اللہ ﷺ کی یاد میں گذر جائیں، ہمارے دل ودماغ آپ ﷺ کے تذکرے سے معمور وشاداب ہوجائیں، ایک امتی کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے، واقعہ یہی ہے کہ:

ع: ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

ولادت رسول ﷺ

آج کی مجلس کا عنوان ہے: ولادتِ رسول ﷺ اور بعثت مبارکہ:

اس موضوع کو سمجھنے کے لئے آپ میرے ساتھ آیئے، ہم اپنے تصور کی باگ تقریباً ساڑھے چودہ سوسال پہلے کی طرف موڑیں، مکۃ المکرّمہ کی سرزمین ہے، عبدالمطلب کے گھر میں ان کے دنیا سے رخصت ہوچکے جوان وچہیتے فرزند حضرت عبداللہ کی بیوی حضرت آمنہ کے بطن سے انتہائی حسین وجمیل خوب صورت وخوب سیرت بچہ پیدا ہوتا ہے۔

واقعۂ ابرہہ

اِس پیدائش سے صرف ۵۰/دن قبل ہی سرزمین مکہ کے درودیوار نے ابرہہ اوراس کی فوج کی حرمِ کعبہ کے ساتھ گستاخی اوراس کا انجامِ بد دیکھا تھا، یہ مکہ کی تاریخ کا انتہائی عجیب

واقعہ تھا، ابرہہ نے صنعاء میں بڑا گرجا بنایا تھا، وہ اسے مرکز ومرجع بنانا چاہتا تھا، مگر خلقِ خدا خانۂ کعبہ کی طرف رجوع ہوتی تھی، ابرہہ نے طیش میں آکر خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کی نیت کی، ہاتھیوں کی بڑی تعداد اور فوج لے کر مکہ آ گیا، اللہ نے کمزور چڑیوں کے لشکر سے ابرہہ اور اس کے پورے لشکر کو ہلاک کر دیا، قرآنِ کریم میں سورۃ الفیل میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ، اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ، وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ، تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ. (الفیل)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کیا اس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ اور ان پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیئے تھے، جو ان پر پکی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، چنانچہ انہیں ایسا کر ڈالا جیسے کھایا ہوا بھوسا!

ابرہہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہوا، بہت سے دور اندیشوں نے اس سے یہ سمجھا کہ مستقبل قریب میں کوئی بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے، اسے اس بات کی نشانی بھی سمجھا گیا کہ عنقریب کوئی ایسا بندۂ خدا پیدا ہونے والا ہے جو دنیا میں انقلاب لائے گا، کعبے کو نجاستوں سے پاک کر دے گا۔

صبحِ انقلاب کے آثار اور ہر طرف سے اس کا انتظار

جناب رسول اللہ ﷺ کی ولادتِ مبارکہ سے پہلے ایسے واقعات پیش آرہے تھے جو دنیا کو آگاہ کر رہے تھے کہ تبدیلی آنے والی ہے، ایسی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں جو عقل مندوں کو سمجھا رہی تھیں کہ جہالت وضلالت کی تاریک رات ختم ہونے والی ہے اور علم وہدایت کی سحر طلوع ہونے والی ہے۔

بہار کے آنے سے پہلے ہی اس کی علامتیں نمایاں ہونے لگتی ہیں، صبح ہونے سے پہلے ہی اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، بارش ہونے سے پہلے ہی ٹھنڈی ہوائیں اس کی تمہید بن کر جسم وروح کو باغ و بہار کرتی ہیں، رسول اکرم ﷺ کی شکل میں پوری انسانیت پر وہ فصل بہار آنے والی تھی جسے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہونا تھا، جس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا، اور یہ کہا تھا:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِنۡهُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡهِمۡ آيَاتِکَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَ الۡحِکۡمَةَ وَ يُزَکِّيۡهِمۡ، اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَکِيۡمُ. (البقرہ/۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! ان میں ایسا رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاکیزہ بنائے، بیشک تیری، اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔

اور خود حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

أَنَا دَعۡوَةُ أَبِيۡ إِبۡرَاهِيۡمَ. (کنزالعمال: ۱۱/۱۷۳)

میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کی قبولیت کا مظہر ہوں۔

آپ ﷺ کی شکل میں گمراہی کی سیاہی میں لپٹی دنیا کے لئے ہدایت کی وہ صبح اور یقین کی وہ سحر طلوع ہونے والی تھی جس کے بارے میں خالق کون ومکان کا یہ فیصلہ تھا کہ:

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِؤُاۡ نُورَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡکَافِرُوۡنَ. (الصف /۸)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منھ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔

یہی وہ صبح ہدایت تھی، یہی وہ نور کامل تھا جس کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دی تھی، حضرت یسع علیہ السلام نے دی تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی:

مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَأتِی مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ اَحْمَدُ. (الصف/٦)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔

آپ ﷺ کی شکل میں مردہ انسانیت کے لئے رحمت کی وہ بارش برسنے والی تھی جس کی منتظر اور پیاسی یہ پوری دنیا تھی؛ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا کہ آپ ﷺ کی شکل میں آنے والی اس فصلِ بہار کا، اس جانِ بہاراں کا، اس صبحِ ہدایت کا، اس بارشِ رحمت کا انتظار ہر طبقۂ انسانی کو تھا۔

یتیم منتظر تھے، ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ تھا، آپ ﷺ کو ان کا والی بننا تھا، اور ان کے درد کو اپنا درد سمجھنا تھا، اسی لئے آپ ﷺ کو یتیم بنا کر پیدا کیا گیا اور کہا گیا کہ:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَاٰوٰی. (الضحی/٦)

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا پھر آپ کو ٹھکانہ عطا کیا۔

اسی لئے آپ ﷺ سے کہلوایا گیا:

أَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِيْ الْجَنَّةِ هٰکَذَا. (بخاری: الادب: باب فضل من یعول یتیماً)

آپ ﷺ نے اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ان دونوں انگلیوں کی طرح ہوں گے، اور دونوں کے مرتبہ میں بس وہی

معمولی سا فرق ہوگا جو ان دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔

بیوائیں منتظر تھیں، بیوگی کا داغ ان کے لئے تمام حقوق سے محروم کرنے والا داغ بن گیا تھا، آپ ﷺ کو ان کا حق دلوانا تھا، ان کی عظمت بحال کرنی تھی اور ان کا سہارا بننا تھا، اسی لئے آپ ﷺ سے کہلوایا گیا:

اَلسَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْقَائِمِ لاَ يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لاَ يُفْطِرُ. (متفق عليه، بخاری: الادب: باب الساعی علی المسکین)

بیوہ اور مسکین کا خیال رکھنے والا کبھی نہ تھکنے والے تہجد گزار اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

مظلوم وستم رسیدہ منتظر تھے، جو ظالموں کے شکنجۂ ظلم میں پس رہے تھے، کوئی ان کو بچانے والا نہیں تھا، آپ ﷺ کو ان کا پشتیبان بننا تھا، ان کو ظلم سے بچانا تھا اور ان کو محرومی سے نکالنا تھا، اسی لئے آپ ﷺ سے کہلوایا گیا:

أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أو مَظْلُوماً. (کنزالعمال:۳/۱٦٧)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظالم کے شکنجہ سے بچایا جائے اور ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روکا جائے۔

مزید یہ بھی کہلوایا گیا:

اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَاِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (الترغيب والترهيب للمنذری:۳/۱۸٦)

مظلوم کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔

بحر و بر منتظر تھے، وہ فساد سے پرُ ہو چکے تھے، قرآنی زبان میں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ. (الروم/ ٤١)

لوگوں کی بداعمالیوں اور برے کرتوتوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا اور بگاڑ غالب آ گیا۔

آپ ﷺ کو ہدایت کا انقلاب لانا تھا، اور پوری کائنات میں حق کی، خیر کی، صلاح کی، عدل کی اور پرہیزگاری کی جوت لگانی تھی۔

پوری کائنات منتظر تھی، اور صورتِ حال یہ تھی کہ:

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انسان سے انساں ٹکرائے

پامال کیا، برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے تشریف محمد لے آئے

صبح سعادت کا طلوع اور اس کے فوری اثرات

کتنا مبارک تھا دوشنبہ کا وہ دن، ربیع الاول کا وہ مہینہ، اور اس کی نویں تاریخ، ۲۰؍ یا ۲۲؍ اپریل ۵۷۱ء کا وہ دن جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی۔ (رحمۃ للعالمین: ۱/ ۳۸)

خدا کی رحمتوں کا آج اس قدر وفور ہے
جدھر نظر اٹھائیے سرور ہی سرور ہے
عرب کی سرزمیں کا ذرہ ذرہ کوہ طور ہے
فضائے شرق و غرب پر محیط ابر نور ہے

ہمارے آقا ﷺ کی ولادت ہوتی ہے اور کس شان سے؟ آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا بیان ہے کہ:

”جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا، جس سے ملک شام کے محلات روشن ہوگئے۔“ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۶۳)

کسریٰ کے ایوان کے چودہ کنگورے گر گئے (اس کا مطلب یہ بیان ہوا کہ چودہ پشتوں کے بعد کسریٰ کی بادشاہت ختم ہوجائے گی، اور ایسا ہی ہوا) مجوس کا آتش کدہ (جس میں ہزار ہا سال سے آگ جل رہی تھی، کبھی ایک لمحے کے لئے بھی بجھی نہیں تھی) اچانک ٹھنڈا ہوگیا، دریائے ساوہ (جاری دریا) یکا یک خشک ہوگیا، اس کے اردگرد کے گرجے منہدم ہوگئے۔(مختصر السیرة: شیخ عبد الله: ۱۲ بحواله بیهقی)

وُلِدَ الْهُدَىٰ فَالْكَائِنَاتُ ضِيَاءُ
وَفَمُ الزَّمَانِ تَبَسُّمٌ وَثَنَاءُ
اَلرُّوْحُ وَالْمَلَأُ الْمَلَائِكُ حَوْلَهُ
لِلدِّيْنِ وَالدُّنْيَا بِهِ بُشَرَاءُ

سرچشمہ ہدایت پیدا ہوئے ہیں، کائنات جگمگ ہے، زمانہ کے لبوں پر تبسم اور حمد باری ہے، روح القدس، فرشتے، ملأ اعلیٰ ان کے اردگرد دین و دنیا کی سرفرازی کی نویدیں سنا رہے ہیں۔

کہنے والے نے بالکل سچ کہا۔

وہ آئے جن کے آنے کی زمانے کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کے لئے بے چین فطرت تھی
وہ آئے جن کو ابراہیم کا نور نظر کہیے
وہ آئے جن کو اسماعیل کا لخت جگر کہیے
وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیے
وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیر البشر کہیے

وہ آئے جن کے ہر نقشِ قدم کو رہنما کہیے
وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمانِ خدا کہیے

آقا ﷺ کا نسب عالی

کہنے والے نے بالکل درست کہا ہے:

مبارک ہو شہ ہر دوسرا تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے
مبارک مخبرِ صادق لقب تشریف لے آئے
مبارک سیدِ والا نسب تشریف لے آئے

وہ ہیں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم، (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن ابی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طاج بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیض بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوی بن عیض بن ذیشان بن عیصر بن افناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوضہ بن عرام بن قیدار بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ بن آزر بن ناحور بن ساروع بن راعو بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن آنوشہ بن شیثؑ بن آدمؑ۔

(سیرت ابن هشام: ۱/۱-۴، رحمة للعالمین: ۲/۱۱-۱۸، الرحیق المختوم: ۷۳-۷۴)

نام نامی اور اس کی برکات

پوتے کی پیدائش کی اطلاع جناب عبدالمطلب تک پہنچتی ہے، ان کی مسرت کا کوئی

ٹھکانہ نہیں ہے، حضرت آمنہ نے بیٹے کا نام ''احمد'' رکھا ہے، دادا نے پوتے کا نام ''محمد'' رکھا ہے، یہ نام انوکھا نام تھا، عبدالمطلب نے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ اِس زمین پر بھی اور اُس آسمان پر بھی میرے پوتے کی تعریف کی جائے۔'' (سیرت ابن کثیر: ۱/ ۲۱۰)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعرِ رسول ہیں، انہوں نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی عزت بڑھانے کے لئے ان کا نام اپنے نام سے نکالا، چناں چہ عرش والا محمود ہے تو پیغمبر محمد ہے۔

واقعی اس نام کی برکت اس طرح ظاہر ہوئی کہ اس کائنات میں جتنی تعریف اور جتنا تذکرہ آپ ﷺ کے کمالات کا، آپ کے محاسن کا اور آپ کی عظمتوں کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور ہوگا، وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کرکے فرمایا تھا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ.
الَّذِی اَنْقَضَ ظَهْرَکَ، وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ. (الم نشرح/ ۱-۴)

اے نبی: کیا ہم نے ہم آپ کی خاطر آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ ہم نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جو آپ کی کمر توڑے دے رہا تھا (مراد نبوت کی ذمہ داریوں سے ابتداء میں پیدا ہونے والا اضطراب ہے) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے تذکرے کو اونچا مقام عطا کردیا ہے۔

جب اللہ نے یہ کہا تو اس نے اپنے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ شامل کرلیا، اور اب کسی نمازی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُھَا النَّبِیُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ.

نہ پڑھ لے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَ رَسُوْلُہُ.

تمام قولی و مالی و بدنی عبادتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں، اے نبی آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، برکتیں ہوں، سلامتی ہو، ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ہر مسجد میں، ہر گھر میں، سفر میں، حضر میں، سواریوں میں، جہازوں پر، جہاں جہاں بھی اللہ کے بندے تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کی عبادت اس پر مکمل ہوتی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اور اس دنیا میں کونسا ایسا لمحہ ہے جب اس پوری فضائے بسیط میں "اَشْھَدُ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰہِ" کی صدا بلند نہ ہو رہی ہو، توحید ورسالت کی یہ گواہی عرب میں بھی دی جا رہی ہے، عجم میں بھی، مشرق میں بھی دی جا رہی ہے، مغرب میں بھی، یہ گواہی آبادی میں بھی دی جا رہی ہے، ویرانے میں بھی، دشت وجبل میں، بیابان وصحراء میں، پہاڑوں اور غاروں میں، شہروں اور قصبوں میں، کونسا وہ خطۂ زمین ہے جہاں اللہ کے دین کے متوالے، محمد رسول اللہ ﷺ کے شیدائی اور بلال کے غلام "أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَ رَسُوْلُہُ" نہ کہہ رہے ہوں، یہ تذکرہ، یہ ذکر جمیل، یہ چرچے آپ کے نام کی برکت کا کھلا ظہور ہیں۔

شیر خوارگی

آ گے بڑھیئے! حضرت آ منہ اپنے جگر گوشے کو دودھ پلاتی ہیں، ابولہب کی باندی ثویبہ دودھ پلاتی ہیں، عربوں کا دستور تھا کہ وہ بچوں کو شہری بیماریوں اور کثافتوں سے دور رکھنے کے لئے ابتدائی پرورش کے لئے انہیں دیہات کی دودھ پلانے والی عورتوں کے حوالے کرتے تھے؛ تا کہ بچوں کے جسم و اعصاب بھی مضبوط ہوں، خالص عربی زبان سیکھ لیں، دیہات کی پاک وصاف خالص آب وہوا میں ان کی صحت بہتر ہو جائے، قبیلہ بنوسعد کی عورتیں بچوں کی پرورش اور تربیت کے حوالے سے معروف تھیں۔

حضرت حلیمہ کی داستان

حضور اکرم ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ اپنی داستان بڑے مزے لے کر سناتی ہیں، وہ اپنے قبیلے بنوسعد کی عورتوں کے ساتھ شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہیں، تنگ دستی کا یہ عالم ہے کہ چھاتیاں خشک ہیں، سواری کی گدھی اتنی کمزور و بدحال ہے کہ اس کے لئے چلنا دشوار ہے، ان کا اپنا بچہ شیر خوار ہے، غذا نہ ملنے کی وجہ سے مسلسل رو رہا ہے، بے خوابی کا شکار ہے، گھر کی اونٹنی اتنی لاغر ہے کہ اس کے تھن سے برائے نام ہی دودھ نکلتا ہے، بس بارش اور خوش حالی کی آس، امید وانتظار ہے، قبیلۂ بنوسعد کی جس عورت کے سامنے آپ ﷺ کو پیش کیا جاتا ہے وہ منع کر دیتی ہے، آپ ﷺ کی یتیمی سے عورتوں کو معقول معاوضہ نہ مل پانے کا اندیشہ ہے، کوئی دایہ آپ ﷺ کو لینے کے لئے تیار نہیں ہے، ہر عورت کو کوئی نہ کوئی بچہ مل جاتا ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ بھی اس درِّ یتیم کو یتیم جان کر چھوڑنا چاہتی تھیں، مگر ان کے بخت کی سعادت تھی کہ انہیں کوئی بچہ نہیں مل سکا، خالی ہاتھ واپس ہونا گوارا نہ تھا، اپنے شوہر سے مشورہ کرتی ہیں، شوہر سے مشورے کے بعد آپ ﷺ کے گھر آتی ہیں، بس ان کے ہاتھوں میں دولتِ کونین آ جاتی ہے، حضور ﷺ کو گود میں لیتے ہی حضرت حلیمہ کے خشک

پستانوں میں اتنا دودھ آجاتا ہے کہ ان کا اپنا بیٹا بھی سیر ہوجاتا ہے اور آپ ﷺ بھی سیر ہوجاتے ہیں، گھر کی اونٹنی کا یہ عالم ہے کہ کہاں اس کے تھن دودھ سے محروم تھے، اور کہاں اس قدر دودھ اتر آتا ہے کہ پورا گھرانہ سیراب ہوجاتا ہے، حضرت حلیمہ کے شوہر کہتے ہیں:

تَعَلَّمِي وَاللّٰهِ يَا حَلِيمَةُ: لَقَدْ أَخَذْتِ نَسَمَةً مُبَارَكَةً.

حلیمہ قسم بخدا جان لو! تم نے بابرکت ہستی کو پایا ہے۔

قافلہ مکہ سے واپس ہوتا ہے، حلیمہ کی وہ مریل گدھی جس نے آتے ہوئے اپنی لاغری اور سست رفتاری سے پورے قافلے کو تنگ کر رکھا تھا، یکا یک اتنی تیز رفتار ہوجاتی ہے کہ سب سے آگے نکل جاتی ہے، حلیمہ کی سہیلیاں کہتی ہیں:

يَا ابْنَةَ أَبِي ذُوَيْبٍ: اِرْبَعِي عَلَيْنَا، أَلَيْسَتْ هٰذِهِ أَتَانَكِ الَّتِي كُنْتِ خَرَجْتِ عَلَيْهَا.

اے حلیمہ بنت ابی ذویب: ہم پر رحم کرو، کیا یہ وہی گدھی نہیں ہے جس پر سوار ہوکر تم آئی تھیں۔

حلیمہ نے جواب دیا: یہ وہی گدھی ہے۔

اس پر سہیلیوں نے کہا:

وَاللّٰهِ إِنَّ لَهَا لَشَأْنًا.

اس کی تو شان ہی عجیب ہے۔

انہیں معلوم نہیں تھا کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار بدل گیا ہے، اور سوار بدلتے ہیں تو سواری کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ قحط سالی کا عالم تھا:

وَمَا أَعْلَمُ أَرْضاً مِنْ أَرْضِ اللّٰهِ أَجْدَبَ مِنْهَا.

میرے علم میں نہیں ہے کہ اللہ کی کسی اور زمین میں اتنی خشک سالی رہی ہو جتنی ہمارے علاقہ میں تھی۔

لیکن آپ ﷺ کے وجود کی برکت دیکھئے، حضرت حلیمہ کی بکریاں عین اسی خشک سالی کے عالم میں جنگل سے پیٹ بھر کر آتی تھی اور خوب دودھ دیتی تھیں، انہیں برکتوں کے سائے میں آپ ﷺ کے دو سال گذر جاتے ہیں، حضرت حلیمہ آپ ﷺ کا دودھ چھڑا دیتی ہیں، مکہ لاتی ہیں، حضرت آمنہ سے ملواتی ہیں، اصرار کرتی ہیں کہ بچے کو ابھی کچھ عرصہ اور انہیں کے پاس رہنے دیا جائے، حضرت آمنہ تیار ہو جاتی ہیں۔

شق صدر اور واپسی

آپ ﷺ کی عمر ابھی چار سال ہوئی ہے، آپ حضرت حلیمہ کے ہاں مقیم ہیں، بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے ہیں، آپ ﷺ کو لٹاتے ہیں، سینہ چاک کرتے ہیں، آپ کا دل نکالتے ہیں، دل سے ایک لوتھڑا نکالتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ شیطان کا حصہ ہے، اسے پھینک دیتے ہیں، دل کو ایک طشت میں زمزم کے پانی سے دھوتے ہیں، اسے پھر اس کی جگہ پر رکھ کر جوڑ دیتے ہیں، بچوں نے یہ واقعہ حلیمہ کو بتایا، وہ ڈر جاتی ہیں، خدشات محسوس کرنے لگتی ہیں، فوراً آپ ﷺ کو مکہ لاتی ہیں، حضرت آمنہ کے حوالے کر دیتی ہیں، حضرت آمنہ اچانک واپس لانے کی وجہ پوچھتی ہیں، حلیمہ ٹالتی ہیں، آمنہ کا اصرار بڑھتا ہے، مجبوراً پورا واقعہ بتاتی ہیں، حضرت آمنہ کہتی ہیں:

أَتَخَوَّفْتِ عَلَيهِ الشَّيْطَانَ، كَلَّا وَاللّٰهِ مَا لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ مِنْ سَبِيْلٍ، وَإِنَّ لِبُنَيَّ لَشَأْناً، رَأَيْتُ حِيْنَ حُمِلْتُ بِهِ أَنَّهُ خَرَجَ مِنِّي نُوْرٌ أَضَاءَ لِي قُصُوْرَ بُصْرَىٰ مِنْ أَرْضِ الشَّامِ، فَوَ اللّٰهِ مَا رَأَيْتُ مِنْ حَمْلٍ قَطُّ كَانَ أَخَفَّ عَلَيَّ وَلَا أَيْسَرَ مِنْهُ.

حلیمہ: کیا تمہیں اس پر شیطان کا خوف ہے، ہرگز نہیں، خدا کی قسم:
شیطان اس کو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا، میرے بیٹے کی شان عجیب
وغریب ہے، جب یہ میرے پیٹ میں تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے جسم
سے ایک نور نکلا جس نے میرے سامنے ملک شام کے شہر بصری کے محلات
روشن کردیئے، خدا کی قسم میں نے اس حمل سے زیادہ آسان اور ہلکا حمل نہیں
دیکھا۔(پوری داستان کے لئے ملاحظہ ہو: سیرت ابن ھشام: ۱/۱۶۳ الخ،
المواھب للقسطلانی: ۱/۱۴۷)

والدہ کی وفات کا صدمہ

چھ سال کی عمر تک آپ ﷺ اپنی والدہ کی آغوشِ تربیت میں رہتے ہیں، اللہ کے بعض فیصلے انسانی عقل سے ماوراء ہوتے ہیں، حضرت آمنہ اپنے شوہر کی یاد سے بے چین ہوکر آپ ﷺ کے ساتھ ان کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب گئیں، وہاں ایک ماہ قیام کیا، پھر مکہ واپس ہوئیں، راستہ میں ان کی طبیعت بگڑی، اور مقام ''ابواء'' میں اپنے یتیم بچے اور اپنی خادمہ ام ایمن کو چھوڑ کر اِس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔(المواھب: ۱/۱۶۸)

آپ تصور کیجئے کہ کیا عالم ہوا ہوگا؟ ۶ رسال کی عمر، شعور کے آغاز کی عمر، سفر کی تنہائی، صحراء کی وحشت ناکی، مادرِ مہربان کی جدائی، کتنے صدمے آپ ﷺ کی ننھی جان پر آئے، ام ایمن آپ ﷺ کو کس طرح مکہ لائیں، کیا کیفیات رہی ہوں گی، جسم وروح پر صدمات کے کیسے چر کے لگے ہوں گے، آہ! ان کا تصور ہی کیا جاسکتا ہے، ان کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ہجرت کے ساتویں سال آپ ﷺ مقام ابواء سے گذرے تو فرمایا:

قَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ.

اللہ کی طرف سے محمد کو اس کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے۔

آپ ﷺ قبر پر تشریف لے گئے، قبر درست کی، اور بے اختیار رونے لگے، سبھی لوگ رونے لگے۔(الترغیب و الترهیب للمنذری:٤/٣٥٨، صحیح مسلم :الجنائز: باب زیارة القبور)

فرمایا:

أَدْرَكَتْنِي رَحْمَتُهَا فَبَكَيْتُ.

مجھے ان کی مامتا یاد آ گئی تھی، اس لئے میں رو دیا۔

دادا کی آغوش محبت

والدہ کی وفات کے بعد دادا جناب عبدالمطلب آپ ﷺ کو اپنی آغوشِ محبت میں لے لیتے ہیں، اپنی تمام اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کو چاہتے ہیں، کسی لمحہ اپنے سے جدا کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اپنی قالین پر اپنے بغل میں بٹھاتے ہیں، کسی کو اشکال ہوتا ہے تو اسے ڈانٹ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ:

"میرے بیٹے کو چھوڑ و، خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے، مجھے امید ہے کہ یہ ایسے بلند مرتبے پر پہنچے گا، جس تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔" (سیرت ابن هشام: ١/١٦٨)

روایات میں آتا ہے کہ قیافہ شناسی میں معروف قبیلہ بنو مدلج کے کچھ لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ:

"اس بچے کی خاص حفاظت کرنا؛ اس لئے کہ ہم نے کوئی نشانِ قدم ایسا نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم پر حضرت ابراہیم کے نقش قدم سے اس قدر مشابہت رکھتا ہو جیسی اس بچے کا نشانِ قدم رکھتا ہے۔" (الوفاء لابن الجوزی/١٥٤)

دنیا کے سہاروں کے بجائے اللہ کا سہارا

لیکن دادا کی یہ شفقت بھی زیادہ دن نہ رہ سکی، ۸/ سال کی عمر تھی، آپ ﷺ کے دادا کا

انتقال ہوجاتا ہے، آپ غور فرمایئے، ابھی آپ ﷺ شکم مادر میں تھے، والد رخصت ہوگئے، ۶/سال کے ہوئے تو والدہ وفات پاگئیں، ۸/سال کے ہوئے تو دادا کا انتقال ہوگیا، اللہ نے آپ ﷺ کو تمام ظاہری سہاروں سے محروم کر کے براہِ راست اپنا سہارا عطا کردیا تھا، اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے علمی و عملی کمالات، اخلاق اور مراتب کو دیکھ کر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے، دادا کی تربیت کا فیض ہے، استاذ کی تربیت کا ثمرہ ہے، نہیں: انبیاء میں اور ہم میں فرق یہی ہے، انبیاء کا معلم، مربی، استاذ، رہنما براہِ راست اللہ ہوتا ہے، وہ دنیا میں کسی کے شاگرد نہیں ہوتے، دنیا میں کوئی ان کا استاذ نہیں ہوتا، ان کو تمام کمالات بلاواسطہ بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوتے ہیں، تمام معلومات اور رہنمائیاں بلاواسطہ براہِ راست اللہ سے ملتی ہیں، اسی لئے ان کو نمونہ قرار دیا جاتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَادِيْبِي، وَعَلَّمَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمِي. (کنزالعمال:الفضائل:۳۱۸۹۲)

میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب ادب سکھایا، میرے رب نے مجھے علم سکھایا اور خوب علم سکھایا۔

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَ کَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ. (مشکوۃ المصابیح:باب فضائل سید المرسلین)

بلاشبہ اللہ نے مجھے اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ اور محاسن افعال کی تکمیل کے لئے مبعوث اور منتخب فرمایا ہے۔

مہربان چچا کی تربیت میں

دادا کی وصیت کے مطابق آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے آپ ﷺ کی کفالت کا حق بڑی خوبی سے ادا کیا، چالیس سال سے زائد عرصے تک وہ آپ ﷺ کے لئے ڈھال بنے رہے، یہ وہ دور تھا جب ابوطالب معاشی بحران کا شکار تھے۔

بکریوں کی گلہ بانی اور اس کا پیغام

آپ ﷺ نے اس دوران مکۃ المکرّمہ میں بکریاں بھی چرائیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَى الْغَنَمَ.

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰه.

اے اللہ کے رسول: کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

وَلَا أَنَا، فَقَدْ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَىٰ قَرَارِيْطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ.

ہاں میں چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔

(بخاری : الاجارات: باب رعی الغنم)

حاضرین! آپ ﷺ سے بکریاں چروائی گئیں، علماء نے لکھا ہے کہ بکری چرانا بہت مشکل کام ہے، اونٹ، بیل، گدھے کو ڈنڈے سے مارا جا سکتا ہے، بکریوں کو ڈنڈے سے نہیں مارا جا سکتا، یہ بڑا صبر آزما عمل ہے، گلہ بان کو بکریوں کی مکمل نگہبانی کرنی پڑتی ہے، بکریاں اِدھر اُدھر بھاگتی ہیں، ان کو نظم وضبط میں لانا اور قابو میں رکھنا دشوار ہوتا ہے، ان کو بھیڑیوں اور درندوں سے بچانے کی بھی فکر کرنی ہوتی ہے۔

حضور ﷺ سے بکریاں چروائی گئیں؛ اس لئے کہ آپ ﷺ کی تربیت ہونی تھی، آپ ﷺ کو پوری انسانیت کا گلہ بان بننا تھا، آپ ﷺ کو ہر زمان وہر مکان کے لئے نبی بننا تھا، آپ ﷺ کو مشرق ومغرب کا رہنما بننا تھا، آپ ﷺ کو جن وانس کا رہبر بننا تھا، آپ ﷺ کو پوری امت کی فکر کرنی تھی، حکمت ورحمت سے امت کی رہبری کرنی تھی، پوری انسانیت کو وحدت

کی ایک لڑی میں پرونا تھا، پوری امت کا نظم وضبط برقرار کرنا تھا، نفس وشیطان کے بھیڑیوں اور درندوں سے انسانیت کے گلے کو بچانا تھا، اسی لئے آقا ﷺ نے فرمایا تھا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الإِنْسَانِ، كَذِئْبِ الْغَنَمِ، يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ، وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ. (مشكوة المصابيح: باب الاعتصام بالكتاب و السنة، بحواله مسند احمد)

لوگو! بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ آور ہوتا ہے، تو جھنڈ اور ریوڑ کے درمیان کی بکریوں کو نہیں اٹھاتا، ریوڑ سے الگ، ریوڑ سے کنارے، ریوڑ سے پیچھے، ریوڑ سے دور بکریوں کو نشانہ بناتا ہے، اس امت کو بھی شیطانی بھیڑیوں کا خطرہ ہوگا، اوران کا نشانہ وہی فرد یا گروہ ہوگا جو امت کے اجتماعی وجود سے الگ ہوجائے گا۔

اپنی وحدت کے تحفظ کا انقلابی پیغام

غور فرمایا جائے کہ: سیرت کا یہ پہلو کیا پیغام دے رہا ہے، بکریوں کی گلہ بانی کا واقعہ کیا سبق دے رہا ہے، اس کا پیغام ہے کہ بھائیو! اجتماعیت کو کبھی ٹوٹنے مت دینا، وحدت کو کبھی پارہ پارہ نہیں ہونے دینا، اپنے اتحاد کا کبھی سودا مت کرنا، دنیا کے سکوں کے لئے، اقتدار کے لئے، اپنی وجاہتوں کے لئے، اپنی پیشوائی کے لئے اور اپنی عظمتوں کے لئے کبھی امت کی صف وحدت میں شگاف مت ڈالنا، ورنہ امت ہلاک ہوجائے گی، بے قیمت ہوجائے گی اور دنیا کی قومیں اس پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں گی، جیسے گدھ شکار پر اور بھوکے کھانے کی پلیٹوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

نمایاں برکت

پیغمبر علیہ السلام کے بچپن ذکر چل رہا ہے، مکہ میں قحط سالی ہے، لوگ پریشان ہیں،

پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، پریشان حال لوگ ابوطالب کے پاس آتے ہیں، کہتے ہیں کہ بارش کی دعا کیجیے، ابوطالب آپ ﷺ کو لے کر نکلتے ہیں، ابوطالب آپ ﷺ کی پشت دیوارِ کعبہ سے ٹیک دیتے ہیں، اوراس بچہ کو سامنے رکھ کر اللہ سے دعا کرتے ہیں، آسمان پر بادل کا نام ونشان نہیں تھا؛ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے بادل برستا ہے، پورا مکہ جل تھل ہوجاتا ہے، شہر وبیاباں سب شاداب ہوجاتے ہیں، بعد میں ابوطالب نے آپ ﷺ کی شان میں جو اشعار کہے ہیں ان میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَىٰ الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ

ثِمَالُ الْيَتَامَىٰ عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ

وہ خوب صورت ہیں، ان کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کے ملجا ہیں، بیواؤں کی حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو: مختصر السیرۃ: شیخ عبد اللہ /١٥، مدارج النبوۃ:شیخ عبد الحق دھلوی/٣٣)

حالی نے کہا ہے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ

یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

بے مثال حیا

بچپن میں کعبہ کی تعمیر کے موقع پر آپ ﷺ پتھر اٹھا رہے تھے، آپ ﷺ کے مونڈھے چھلے جارہے تھے، آپ ﷺ کے چچا عباس نے چاہا کہ آپ ﷺ کی لنگی کھول کر مونڈھے پر رکھ دیں؛ تا کہ مونڈھے نہ چھلیں؛ لیکن:

كَانَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا.

آپ ﷺ کنواری پردہ نشین خاتون سے زیادہ حیادار تھے۔

ابھی لنگی کھلنے بھی نہ پائی کہ آپ ﷺ کی حالت غیر ہونے لگی، اضطراب طاری ہو گیا، حضرت عباس گھبرا گئے، اور فوراً لنگی باندھ دی۔ (بخاری :الحج:باب فضل مکة،الادب: الحیاء)

پہلا سفر شام

بارہ سال کی عمر میں آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ تجارتی سفر پر ملک شام گئے، بصریٰ پہنچے، قافلے نے بحیرا راہب کے گرجے سے باہر پڑاؤ ڈالا، خلافِ توقع راہب اس دن قافلے والوں سے ملا، اور ان کی میزبانی کی، اس نے آپ ﷺ کے اوصاف کی بنا پر آپ ﷺ کو پہچان لیا، اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ:

هٰـذَا سَيِّـدُ الْعَالَمِيْنَ، هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ.

یہ سید العالمین ہیں، اللہ انہیں رحمۃ للعالمین بنائے گا۔

ابو طالب نے کہا: ''تمہیں کیسے معلوم؟'' بحیرا بولا:

اِنَّـكُمْ حِيْنَ اَشْرَفْتُمْ مِنَ الْعَقَبَةِ، لَمْ يَبْقَ حَجَرٌ وَلَاشَجَرٌ اِلَّا خَـرَّ سَـاجِـداً، وَلَايَسْجُدَانِ اِلَّا لِنَبِيٍّ، وَاِنِّى اَعْرِفُهُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ.

جب تم لوگ گھاٹی کے اس طرف آئے تو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدے کے لئے جھک نہ گیا ہو، یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتیں، پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں، انہیں واپس کر دو، آگے نہ لے جاؤ، کیوں کہ یہودیوں سے خطرہ ہے۔

چناں چہ ابوطالب نے بعض غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کو وہیں سے مکہ بھیج دیا۔ (ترمذی: المناقب: باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی، سیرت ابن ھشام: ۱/ ۱۸۰ الخ)

جنگ فجار

اور آگے بڑھئے! آپ ﷺ کی عمر پندرہ سال ہوئی، جنگ فجار پیش آئی، قریش وبنو کنانہ کی قیس کے ساتھ لڑائی ہوئی، اور قریش کو فتح نصیب ہوئی، آپ ﷺ نے وہ جنگ دیکھی، اور بعض روایات میں ہے کہ اپنے چچاؤں کو تیر بھی تھمایا، اس سے زائد شرکت نہیں کی، اس جنگ میں حرم کی اور محترم مہینے کی حرمت چاک کی گئی تھی، اسی لئے اسے ''حربِ فجار'' کا نام دیا گیا۔ (ایضاً)

حلف الفضول

بیس سال کی عمر میں حلف الفضول کا قیام آپ ﷺ نے فرمایا، یہ آپ ﷺ کی قبل از نبوت زندگی کا بہت روشن باب ہے، اور عام طور پر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے، قبیلہ بنوز بید کا ایک فرد مکہ آتا ہے، عاص بن وائل سے کچھ کاروباری معاملہ کیا، عاص نے وعدہ خلافی کی، اس کا واجب پیسہ نہیں دیا، زبیدی پریشان مکے کے ہر در پر دستک دیتا کہ کوئی ہے جو میرا حق مجھے دلا دے، جبل ابوقبیس پر چڑھ کر اس نے اپنی داستانِ مظلومیت بیان کی، آپ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب حضور اکرم ﷺ سمیت چند نوجوانوں کے ساتھ اس مظلوم کی دادرسی کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں، اور یہ معاہدہ طے ہوتا ہے کہ:

لَنَكُوْنَنَّ يَدًا وَاحِدَةً عَلَى كُلِّ ظَالِمٍ حَتّٰى يُؤَدِّيَ حَقَّهُ.

ہم سب مل کر ایک ہاتھ اور ایک قوت بن کر رہیں گے، ہر اس ظالم کے خلاف رہیں گے جو کسی کا حق مار لے، جب تک وہ حق ادا نہیں کر دے گا اس وقت تک ہم اس کے خلاف ایک متحدہ قوت بن کر رہیں گے۔

چناں چہ زبیدی کو اس کا حق مل کر رہا، اس معاہدے کو حلف الفضول (خوبیوں کا معاہدہ) کہا جاتا ہے، آپ ﷺ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"آج بھی اگر کوئی یہ معاہدہ کرنا چاہے تو میں سب سے آگے آ کر اس کو قبول کروں گا۔" (مختصر السیرۃ/ ۳۰، ابن ھشام: ۱/ ۱۳٤ الخ، سیرت ابن کثیر: ۱/ ۲۵۸)

آپ غور کیجئے! یہ معاہدہ مکہ کے سماج کے چند ایسے نوجوانوں کا تھا، جو بہت زیادہ با اثر نہیں تھے، جو شخص ظلم کر رہا تھا، دوسروں کا حق چھین رہا تھا وہ اپنے دور کا اور مکہ کا بہت با اثر اور مضبوط شخص تھا؛ لیکن حق اور انصاف وہ چیز ہے جو کسی طاقت والے کی طاقت، کسی اقتدار والے کے اقتدار، کسی قوت والے کی قوت کے سامنے نہیں جھکتی، ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے، مظلوم کو انصاف دلوانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ معاہدہ کیا، ابھی آپ ﷺ کو نبوت نہیں ملی ہے، ابھی بیس سال باقی ہیں، لیکن بنیاد قائم ہوگئی تھی کہ آپ ﷺ کی نبوت ظالم کے ظلم کو ختم کرے گی، مظلوموں کو حق دلائے گی، پوری دنیا میں انصاف کی لہر آپ ﷺ کے ذریعہ دوڑے گی۔

ظلم کو گوارا نہ کرنے کا فکر انگیز پیغام

یہ واقعہ سیرت کا ہم کو پیغام دے رہا ہے کہ ہمارا یہ مزاج بننا چاہئے کہ ہم ظلم کو، ناانصافی کو، حق تلفی کو، ستم رانی کو گوارا نہ کرسکیں، ہم مذہب کی، مسلک کی، نظریے کی، ملت کی، عقیدے کی تفریق کے بغیر محض انسانی بنیادوں پر ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت کا علم بلند کرنے والے بن جائیں، ہم ایک ایسا سماج تشکیل دیں جس میں تمام لوگ ظالم کے خلاف متحد ہو جائیں اور مظلوم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں، جس میں کوئی بندوق کے بل پر، ہتھیار کے زور پر، غنڈہ گردی کے بل پر، سیاسی اثر ورسوخ کے بل پر، سماج میں حق وانصاف کو مٹا نہ سکے، اور ظلم کو فروغ نہ دے سکے،

سیرت کا یہ گوشہ ہمارے لئے یہ پیغام رکھتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں ظالم کا مقابلہ کرنا ہے اور مظلوم کی حمایت وموافقت کرنی ہے۔

دوسرا سفر شام

ابھی آپ ﷺ کی عمر مکمل ۲۵ ؍سال نہیں ہوئی تھی، اپنے چچا کے معاشی تنگ حالات کو دیکھتے ہوئے چچا کی رائے سے مکے کی معزز وصاحب ثروت خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مالِ تجارت لے کران کے غلام ''میسرہ'' کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی امانت، دیانت، صداقت اور مکارم اخلاق سے متاثر ہوکر یہ پیش کش کی تھی کہ آپ ﷺ ان کا مال لے کر تجارت کے لئے سفر کریں، دوسرے تاجروں سے زیادہ اجرت آپ ﷺ کو دیں گی، آپ ﷺ نے یہ پیش کش قبول کر لی، اور روانہ ہوگئے۔(ابن هشام : ۱/ ۱۸۷ الخ)

یہ سفر تجارتی لحاظ سے انتہائی کامیاب اور نفع بخش ثابت ہوا، آپ ﷺ کی برکت اور دیانت کا پورا ظہور ہوا، اسی سفر میں بصریٰ میں ''نسطورا'' راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی، میسرہ سے راہب نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ میسرہ نے کہا: یہ قریش کا ایک نوجوان ہے، راہب نے کہا: اس کے تم نے کیا اوصاف دیکھے ہیں؟ میسرہ نے جواب دیا: ایمان داری، پاکیزگی، صداقت، خوش اخلاقی، ہمیشہ تفکر وتدبر، راہب نے کہا: جس درخت کے نیچے یہ نوجوان ٹھہرا ہے اس کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہیں ٹھہرا۔

بعض روایات میں ہے کہ پھر نسطورا آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کا سر وقدم چوم کر کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، وہ نبی امی ہیں، جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور کہا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے نبی امی ہاشمی عربی مکی صاحب الحوض والشفاعة وصاحب لواء الحمد (شافع محشر،

ساقیٔ حوض کوثر اور قیامت میں اللہ کی حمد کے پرچم کو اٹھانے والے نبی) کے سوا کوئی نہیں ٹھہرے گا، میسرہ نے تعجب سے سنا، اور سب باتیں یاد کرلیں، اسی سفر میں تجارت میں کسی شخص سے قیمت کے معاملہ پر آپ ﷺ کا اختلاف ہوا، اس نے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم کھائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تو کبھی اس کی قسم نہیں کھائی، واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کوئی مشرکانہ بات اور حرکت نہیں کی، اس تاجر نے آپ ﷺ کی بات مان لی اور میسرہ سے کہا: اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ہے۔

اسی سفر میں میسرہ نے دیکھا کہ چاہے کیسی ہی دھوپ ہو، آپ ﷺ پر سایہ چھایا رہتا ہے، یہ سارے واقعات واپسی پر میسرہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بتائے، اور وہ آپ ﷺ سے بے حد متاثر اور گرویدہ ہوگئیں۔(طبقات ابن سعد: ۱/۱۸۳)

حضرت خدیجہ سے نکاح اور اولاد

مکہ کے بڑے بڑے سرداران سے نکاح کے آرزومند تھے، مگر وہ راضی نہ تھیں، ان کے دل میں آپ ﷺ سے نکاح کا خیال آیا، گفتگو آگے بڑھی، سفر سے واپسی کے دو ماہ بعد ابوطالب نے آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ سے بیس اونٹ مہر پر کردیا، آپ ﷺ کی عمر ۲۵/سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰/سال تھی، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال گذاردئے، ان کی حیات میں کسی اور سے شادی نہیں کی، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد انہیں سے ہوئی، سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے، انہیں کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' پڑی، پھر حضرت زینب، پھر حضرت رقیہ، پھر حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ، پھر حضرت عبداللہ (جن کا لقب طیب یا طاہر تھا) دونوں لڑکے بچپن میں انتقال کرگئے تھے، طعنہ دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ ابتر (بے نام

ونشان) ہیں، اس کے جواب میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔

چاروں بچیاں بڑی ہوئیں، شادی شدہ ہوئیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب کا انتقال آپ ﷺ کے سامنے ہوا، حضرت فاطمہ کی وفات آپ ﷺ کی وفات کے ٦/ماہ بعد ہوئی۔ (ملاحظه هو: ابن هشام: ۱/ ۱۹۰، فتح الباری: ۷/ ۱۰۵)

قابل رشک محبت

حضور اکرم ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر میں ۱۵/سال کا فرق تھا؛ لیکن دونوں کے درمیان محبت کا بہت گہرا تعلق تھا، ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا، اور انہیں تا عمر یاد کرتے رہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءِ هَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ. (بخاری: المناقب: باب تزویج النبی الخ)

اس امت کی سب سے بہترین خاتون خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

مَا غِرْتُ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَىٰ خَدِيْجَةَ. وَمَا رَأَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ: كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيْجَةُ ، فَيَقُوْلُ: إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ، وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ. (متفق علیه، ایضاً)

مجھے حضور اکرم ﷺ کی ازواج میں سے کسی پر بھی اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی غیرت حضرت خدیجہ پر آتی تھی، میں نے انھیں دیکھا تو نہیں

لیکن آپ ﷺ بکثرت ان کا تذکرہ کرتے تھے، بسا اوقات آپ ﷺ بکری ذبح کرتے تھے پھر اس کے ٹکڑے کرتے تھے اور انھیں حضرت خدیجہ کی سہیلیوں تک پہونچاتے تھے، کبھی کبھی میں آپ ﷺ سے کہتی تھی: ایسا لگتا ہے کہ جیسے دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی اور خاتون ہی نہ ہو، اس پر آپ ﷺ فرماتے تھے: ہاں خدیجہ بہت بلند مرتبہ تھیں اور انہیں کے بطن سے میری اولاد ہوئی۔

عفت وپاکیزگی

پچاس برس کی عمر تک ایک ایسی بیوی پر قانع رہنا جن کی عمر ۶۵ رسال کی ہو چکی تھی، ان تمام گستاخوں کے لئے عملاً ایک منہ توڑ جواب ہے جو عمر شریف کے آخری دس سالوں میں آپ ﷺ کی کثرتِ ازدواج کو معاذ اللہ خاکم بدہن نفس پرستی پر محمول کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ نبی سے زیادہ عفت کی زندگی کوئی اور گذار ہی نہیں سکتا۔

الصادق الامین

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد ان کے کاروبار میں برکت ہوتی چلی گئی، خوش حالی بڑھی تو آپ ﷺ کا جذبۂ سخاوت بڑھتا گیا، آپ ﷺ کی امانت وصداقت ضرب المثل بن گئی، معاملات کی صفائی میں آپ ﷺ کی امتیازی شان کا چرچا عام ہونے لگا، اہل مکہ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھوانے لگے، اور یہ سلسلہ آپ ﷺ کی نبوت کی سخت مخالفت کے حالات میں بھی چلتا رہا، آپ ﷺ کو "الصادق الأمین" کا لقب دے دیا گیا، ایک دو نہیں، ان گنت لوگوں کا بیان ہے، ان کا بھی جنھوں نے آپ ﷺ سے معاملہ کیا، ان کا بھی جو صرف مشاہدہ کرتے رہے کہ آپ ﷺ نے نہ کسی کو دھوکا دیا، نہ کسی کا حق غصب کیا، نہ جھگڑا

کیا، نہ وعدہ خلافی کی، یہ بھی روایت ہے کہ کسی کے وعدے پر تین دن تک اسی جگہ انتظار کرتے رہے، مگر وعدہ خلافی گوارا نہیں کی۔ (ابو داؤد شریف)

حضرت زید اور اخلاق نبوی

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قبیلہ کلب سے تعلق رکھتے تھے، ان کی ماں سعدیٰ قبیلہ بنی معن کی تھیں، یہ اپنے نانہال میں ماں کے ساتھ تھے، ۸؍سال کی عمر تھی، ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا، ان کو پکڑ لے گئے، اور عکاظ میں بیچ دیا، حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خریدا، اور مکہ لا کر پھوپھی کو نذر کر دیا، شادی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے انہیں مانگ لیا، اس وقت زید کی عمر ۱۵؍سال تھی، کچھ مدت کے بعد زید کے والد پتہ لگاتے لگاتے آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے، آپ ﷺ نے معاملہ زید کی مرضی پر چھوڑ دیا، حضور ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی برکت سے زید اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوئے، اور آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے آزادی پر غلامی کو ترجیح دی، آپ ﷺ نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور اپنا متبنیٰ بنانے کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی عظمتوں کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

چچا کا تعاون

اسی دوران آپ ﷺ نے اپنے مشفق و محسن چچا ابو طالب کا ہاتھ بٹانے اور بوجھ ہلکا کرنے کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا، اور پھر حضرت عباس نے حضرت عقیل کو اور آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی تربیت میں لے لیا، حضرت علی اس وقت پانچ سال کے بھی نہ تھے، حضرت زید اور حضرت علی دونوں کی تربیت آپ ﷺ نے اپنی آغوش میں فرمائی۔

حجر اسود کی تنصیب

نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے، آپ ﷺ ۳۵ ر سال کے ہو چکے ہیں، شدید بارش سے سیلاب آیا، خانۂ کعبہ کی دیواریں متأثر ہوئیں، کعبہ کی از سر نو تعمیر کی بات طے ہوئی، صرف حلال رقم خرچ کرنا طے ہوا، کام شروع ہوا، درمیان میں حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کے مسئلہ پر اختلاف ہوا، بنو ہاشم تلوار لے کر آ گئے کہ یہ اعزاز ہم کو ملے گا، ہم ہی اسے رکھیں گے، پھر یہ طے ہوا کہ کل صبح سب سے پہلے جو مسجد حرام میں آئے گا وہ فیصل ہوگا، سب اس کا فیصلہ مانیں گے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلے دن سب سے پہلے آپ ﷺ آئے، سب نے خوش ہو کر کہا:

هٰذَا الأَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ.

محمد آ گئے، یہ امانت دار ہیں، ہم ان کو حکم بنانے پر راضی ہیں۔

آپ ﷺ نے فیصلہ کیا، کیسی حکمت تھی؟ کیسی فراست تھی؟ کیسی اصابت رائے تھی؟ کیسی بصیرت تھی؟ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی، چادر بچھائی، اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود اٹھا کر چادر کے درمیان رکھ دیا، فرمایا: ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک کونا پکڑ کر اٹھائے، سب اٹھا کر لائے، آپ ﷺ نے کہا کہ آپ سب لوگ اسے اس کی جگہ نصب کرنے کے لئے مجھے وکیل بنا دیں، سب نے بخوشی بنا دیا، آپ ﷺ نے نصب کر دیا، اس طرح ایک الجھی گتھی آپ ﷺ کی حکمت سے ایک لمحہ میں سلجھ گئی، اور وہ مسئلہ جس پر قریب تھا کہ لاشوں کا ڈھیر لگ جاتا، آپ ﷺ نے اس طرح حل کر دیا کہ سب خوش بھی ہو گئے اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔ (ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام: ۱/۱۹۲-۱۹۷)

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اب وہ وقت قریب آ رہا تھا کہ آپ ﷺ کے سر پر آخری نبوت کا تاج رکھ دیا جائے،

آپ ﷺ کے کاندھوں پر اصلاح وانقلابِ عالم کی عظیم ذمہ داریاں رکھ دی جائیں، اس کی علامتیں سامنے آرہی تھیں، آپ ﷺ کو خواب میں فرشتے نظر آتے تھے، راستوں کے پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے، جو خواب آپ ﷺ دیکھتے تھے اس کی بالکل سچی تعبیر سامنے آرہی تھی، دنیا سے بے رغبتی بڑھ رہی تھی، جلوتوں سے وحشت ہوتی جارہی تھی، اضطراب طاری ہورہا تھا، ایک مبہم بے چینی چھائی جارہی تھی، خلوت پسند ہوتی جارہی تھی، یہ علامتیں تھی جو سامنے آرہی تھی، مستقل کئی کئی دن تک آپ ﷺ جبل النور کے غارحراء میں مقیم رہتے تھے، سوچتے رہتے تھے، تفکر وتدبر میں مشغول رہتے تھے، آپ ﷺ کے دل ودماغ کا تزکیہ ہورہا تھا، وہ دل جو تجلی گاہِ وحی بننے والا تھا، صاف وتیار کیا جارہا تھا، نبوت کی ذمہ داریاں نبھانے کی استعداد پختہ کی جارہی تھی۔

منصب نبوت سے سرفرازی کا مرحلہ

آپ ﷺ کی پیدائش کا اکتالیسواں سال تھا، سترہ رمضان کی تاریخ تھی، ٦راگست ٦١٠ء، پیغام الٰہی آگیا، تاج نبوت عطا کردیا گیا، انسانیت کے انقلاب کا فیصلہ کردیا گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، فرمایا پڑھئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ.

میں پڑھ نہیں سکتا۔

اس پر حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کو اتنی زور سے دبایا کہ آپ ﷺ کی طاقت جواب دینے لگی، پھر انھوں نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور دوبارہ کہا کہ پڑھئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ.

میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو دوبارہ زور سے بھینچا، یہاں تک کہ

آپ ﷺ کے قوی جواب دینے لگے، پھر انہوں نے چھوڑا اور کہا کہ پڑھیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ؟

میں کیا پڑھوں؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو پوری طاقت سے دبایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مشقت انتہا کو پہنچ گئی، پھر انہوں نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور فرمایا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (العلق/١-٥)

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (ملاحظہ ہو: بخاری: باب الوحی)

پہلی وحی کے انقلابی بول

یہ پہلی وحی کے بول تھے، جو واضح کر رہے تھے کہ اب علم و معرفت کا انقلاب آنے والا ہے، جس میں دل بھی بدلیں گے، دماغ بھی، شعور بھی، سراپا بھی، اندازِ فکر بھی، سیرت و کردار واطوار بھی، اور یہی ہوا، ۲۳/ برسوں میں جو انقلاب آیا اس سے زیادہ ہمہ گیر، ہمہ جہت، جامع، زندہ انقلاب چشم فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

درفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

آپ ﷺ کا اضطراب اور شریک حیات کا انداز تسلی

پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ حیران و پریشان واپس آ رہے ہیں، اور اپنے گھر والوں سے فرمارہے ہیں کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، چنانچہ آپ ﷺ کو کمبل اوڑھایا گیا، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ کو قرار آیا اور آپ ﷺ نے پوری داستان حضرت خدیجہ کو سنائی، اس کے جواب میں حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کے حسن کردار کی پاکیزہ تصویر کشی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ، وَ تَقْرِى الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

ہرگز آپ کو اللہ رسوا، بے یارومددگار اور غمزدہ نہیں کرے گا، آپ تو رشتوں کو جوڑتے ہیں، نادار کو کمائی سے لگاتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ (بخاری: الوحی)

کردار نبوی ﷺ کی اچھوتی تصویر

نبی ﷺ کے کردار کی اس سے پاکیزہ کیا تصویر ہوسکتی ہے، یہ قبل از نبوت زندگی کے کردار کی تصویر ہے۔

تَصِلُ الرَّحِمَ: صلہ رحمی، آپ ﷺ ان کو بھی جوڑتے تھے جو آپ ﷺ سے جڑتے تھے اور ان کو بھی جوڑتے تھے جو آپ ﷺ سے کٹتے تھے، تمام اخلاقی معلموں میں آپ ﷺ کا یہ امتیاز تسلیم شدہ ہے۔

تُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ: معاشی اعتبار سے مفلس لوگوں کو سہارا دے دینا، غربت کا استحصال کرنے کے بجائے، سود کے نام پر غریبوں کا خون چوسنے کے بجائے قوم کے بے سہاروں کو معاشی سہارا دینا، یہ پیغمبر ﷺ کے کردار کا نمایاں پہلو ہے، یہ ایک قومی نہیں؛ بلکہ انسانی مسئلہ ہے۔

تَحمِلُ الْكَلَّ: دوسروں کا بوجھ اٹھانا، سماج میں جو بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں، اس کا بوجھ اٹھانا، جو اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتا، اس کی مدد کردینا، مسلک ومذہب کے امتیاز کے بغیر دوسرے کی مدد کردینا، یہ پیغمبر علیہ السلام کے کردار کی روشن تصویر ہے۔

تَقْرِیْ الضَّیْفَ: خوش دلی کے ساتھ، مہمانوں کو رحمت سمجھتے ہوئے انکی ضیافت، ان کا اکرام، ان کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کردینا پیغمبر ﷺ کے کردار کا نمایاں حصہ ہے۔

تُعِیْنُ عَلَی نَوَائِبِ الْحَقِّ: قدرتی آفات ومصاب میں دوسرے کا سہارا بن جانا، بے گھر کو گھر دے دینا، بے لباس کو لباس دینا، بھوکے کو کھلا دینا، آپ ﷺ کے کردار کی واضح تصویر ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ:

إِنَّکَ لَتَصْدُقُ الْحَدِیْثَ وَتُؤَدِّیْ الأَمَانَةَ.

آپ ہمیشہ سے سچ بولتے اور امانتوں کا حق ادا کرتے آئے ہیں۔

(فتح الباری: ۱/ ۳٤)

یہ ہے نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے کردار کا نقشہ جو پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ کی رازدار بیوی نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیا۔

قبل از نبوت زندگی کا پیغام: امت کے نام

آیئے! اس کردار کیآ ئینہ میں اپنا جائزہ لیں، حضور ﷺ کی ولادت سے لے کر نبوت تک کی چالیس سالہ زندگی کی ایک جھلک میں نے دکھائی، ہمیں غور کرنا ہے کہ یہ چالیس سالہ زندگی ہم کو کیا پیغام دے رہی ہے؟

یاد رکھئے! اس زندگی کا پیغام یہ ہے کہ:

(۱) اجتماعیت کو ہر صورت میں باقی رکھنا ہے، وحدت کو پارہ پارہ نہیں ہونے دینا ہے۔

(۲) ہمیشہ ظالم کی مخالفت کرنی ہے اور مظلوم کی حمایت کرنی ہے۔

(۳) دوسروں کے حقوق پوری رعایت کے ساتھ ادا کرنے ہیں۔

(۴) اپنی عقل وبساط کے مطابق الجھی گتھیوں کو سلجھانا ہے، ہمارا کام مسائل پیدا کرنا، مسائل الجھانا نہیں، انہیں حل کرنا ہے۔

(۵) دوسروں کی مدد کرنی ہے، بے سہاروں کو سہارا دینا ہے، انسانی بنیادوں پر خدمت خلق کا فرض انجام دینا ہے، اپنے حسن کردار کی خوشبو اور مہک سے پوری دنیا کو معطر کرنا ہے، حسن اخلاق کے نور سے پوری کائنات کو منور کرنا ہے۔

سیرت کا یہ پاکیزہ پیغام ہر گھر تک، ہر در تک، ہر دل تک پہنچایئے، حضور ﷺ کی شان اقدس میں درود وسلام کا بطور خاص اس ماہِ مبارک (ربیع الاول) میں اہتمام کریئے، اپنے نونہالوں کو، اہل وعیال کو، پیغمبر علیہ السلام کی سیرت سے روشناس کرایئے، سنتوں کو سینے سے لگایئے، اپنے باطن میں بھی اور اپنے ظاہر میں بھی سنتوں کو زندہ کیجئے، لباس لباسِ نبوی ﷺ کے مطابق ہو، حلیہ آپ ﷺ کے مطابق ہو، چہرہ آپ ﷺ کے مطابق ہو، داڑھیاں آپ ﷺ کی طرح چہرے کی زینت بنیں، سیرت رسول ﷺ کو داستانِ ماضی کی جگہ مت دیجئے گا، اسے اپنے حال کی اصلاح اور اپنے مستقبل کا انقلاب بنایئے اور یاد رکھئے:

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

یقین کیجئے: ہم کو جو عظمتیں بھی ملیں گی وہ دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو کر ہی ملیں گی۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِی الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

❑❑❑

حیاتِ نبوی ﷺ

از نبوت - تا - ہجرت (مکی زندگی)

حیاتِ نبوی ﷺ

از نبوت۔تا۔ہجرت (مکی زندگی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن، وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بَاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ،خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (العلق/۱-۵)

وقال تعالیٰ:

وَإِذْ یَمْکُرُبِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لِیُثْبِتُوکَ أَوْیَقْتُلُوْکَ أَوْ یُخْرِجُوْکَ، وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُاللّٰہُ، وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ. (الانفال/۳۰) صدق اللّٰہ العظیم

آقا ﷺ کا ذکر جمیل

حضراتِ گرامی! یہ کائنات کے محسن اعظم کے ذکر جمیل کی مجلس ہے، یہ اس ہستی کے تذکرے کی محفل ہے، جس کے زیر احسان یہ پوری دنیا ہے۔

درود اس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اس پر تبسم جس کا گُل کے مسکرانے میں
درود اس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں
درود اس پر بہارِ گلشنِ عالَم جسے کہئے
رسولِ مجتبیٰ کہئے، محمد مصطفیٰ کہئے
درود اس پر کہ جو ماہر کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

غارِ حراء میں خلوت

حضرات! آج کی مجلس کا عنوان ہے ''سیرتِ نبویہ: نبوت سے ہجرت تک''

یہ موضوع تیرہ سالہ مکی زندگی کو محیط ہے، اس گفتگو کو شروع کرنے کے لئے آپ اپنے تصورات آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے کی رہ گذر پر لے جایئے، یہ مکۃ المکرّمہ کے دامن میں آباد ''جبل النور'' ہے، اس پہاڑ پر آپ نگاہ ڈالئے، اوپر ایک غار نظر آرہا ہے، یہ غارِ حرا ہے، یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں کائنات کا وہ انسان خلوت نشین ہے جس کو دنیا کی امامت کے لئے منتخب کیا جانے والا ہے، جس کے سر پر آخری نبوت کا تاج رکھا جانا ہے، جس کو اللہ کی آخری کتاب اور آخری شریعت کا حامل وامین بنایا جانا ہے، وہ وقت آچکا ہے کہ

صدیوں کی ظلمتیں ختم کردی جائیں، انسانیت کے اس چمن میں جو صدیوں سے خزاں رسیدہ تھا، نئی اور تازہ بہار آجائے۔

پہلی وحی کی آمد

۱۷/رمضان المبارک کی تاریخ ہے، ۱۰/اگست ۶۱۰ء کا دن ہے، محمد ﷺ اپنی عمر کے ۴۱ویں سال میں ہیں، بارگاہ رب العزت کے قاصد، ناموسِ اکبر، سید الملائکہ، روح الامین، سیدنا حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے ہیں، کہتے ہیں:

اِقْرَأْ

پڑھیے

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ

میں پڑھ نہیں سکتا۔

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اتنی زور سے دبایا کہ آپ ﷺ کی طاقت جواب دینے لگی، پھر انہوں نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور دوبارہ کہا:

اِقْرَأْ

پڑھیے

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ

میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو دوبارہ زور سے بھینچا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قوی جواب دینے لگے، پھر انہوں نے چھوڑا اور کہا:

اِقْرَأْ

پڑھئے

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ؟

میں کیا پڑھوں؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو پوری طاقت سے دبایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی مشقت انتہا کو پہنچ گئی، پھرانہوں نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور فرمایا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (العلق/۱-۵)

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ نبوت کا پہلا دن تھا، یہ وحی الٰہی کے پہلے بول تھے۔

پہلی وحی کا انقلابی پیغام

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا وحی کے ان ابتدائی بولوں پر بھی اور ان میں موجود پیغام کی طرف بھی توجہ فرمائیے، آپ غور فرمائیے کہ صدیوں کے بعد آسمان سے زمین کی ملاقات ہورہی ہے، وحی الٰہی کا نزول ایک لمبی مدت کے بعد ہو رہا ہے، فرشتہ آخری نبی سے پہلی ملاقات میں جو بات کہہ رہا ہے، اس کا تعلق عبادت یا عقیدے سے نہیں ہے، اس کا تعلق علم ومعرفت سے ہے، یہ اشارہ کیا جارہا ہے کہ اللہ کا آخری نبی جس عہد میں مبعوث کیا جارہا ہے،

وہ علم وتحقیق کا عہد ہے، اسے علم ومعرفت کا نبی بنا کر مبعوث کیا جارہا ہے، اس کا لایا ہوا انقلاب وہ جامع انقلاب ہوگا جو علمی بھی ہوگا اور عملی بھی، اصلاحی بھی ہوگا اور تربیتی بھی، تہذیبی بھی ہوگا اور فکری بھی، جو دل ودماغ کو، فکر ونظر کو، شعور وسراپا کو، قلب وقالب کو، ظاہر وباطن سب کو بدل کر رکھ دے گا، واضح کیا جارہا ہے کہ یہ نبی اس پوری کائنات کو علم ومعرفت کے ایک نئے دور میں لے جائے گا، حکم دیا جارہا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (العلق/۱)

مقام غور ہے، پڑھنے کا حکم ہے، مگر یہ متعین نہیں کیا جارہا ہے کہ کیا پڑھئے؟ گویا سمجھایا جارہا ہے کہ وہ سب کچھ پڑھئے، جو آپ کے لئے، انسانیت کے لئے، کائنات کے لئے نفع بخش ہو، اسی لئے آپ ﷺ کی دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ عِلْماً نَافِعاً. (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب جامع الدعاء)

خدایا: میں آپ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا بھی منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ. (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب الاستعاذۃ)

اے اللہ: میں ایسے علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔

پہلی وحی کے ذریعہ یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ آخری پیغمبر علیہ السلام کا لایا ہوا دین اور نظام علوم وفنون کے باب میں بے حد وسیع النظر اور فراخ دل ہے، ہر وہ علم وفن جو انسانیت کے مفاد میں ہو، جس سے کائنات کا نفع وابستہ ہو، اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کا سرا اللہ کے نام اور نظام سے جڑا ہوا ہو، یہ متعین نہیں کہ کیا پڑھنا ہے، ہر نفع بخش چیز پڑھی جاسکتی ہے، ہاں یہ متعین ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے، وہ اللہ کی وحدانیت، اس کی ذات وصفات واسماء وقدرت پر کامل یقین اور صحیح عقیدہ کے ساتھ پڑھا جائے۔

ارشادنبوی ہے:

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْـمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا. (مشكوة المصابيح: كتاب العلم)

علم وحکمت کی بات صاحب ایمان کی متاع گمشدہ ہے،لہذا جہاں سے بھی علم ملے، صاحب ایمان اس کوحاصل کرنے کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا، جوعلم اورنبوت کے رشتے کوآ شکارا کررہا ہے،حضور اکرم ﷺ نے اپنا طریقۂ زندگی بتاتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا تھا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي. (الشفاء: قاضی عیاض :۱/۱۲۸)

معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے۔

نبوت کے ابتدائی تین سال

احساس ذمہ داری اور اضطراب

آپ ﷺ پہلی وحی کے بعد واپس لوٹ رہے ہیں، کیفیت یہ ہے کہ ذمہ داریوں کا احساس مضطرب کئے ہوئے ہے، بخاری کی روایت میں آیا ہے:

یَرْجُفُ فُؤَادُهُ، وَتَرْجُفُ بَوَادِرُهُ. (بخاری: کتاب الوحی)

آپ کا دل کانپ رہا ہے، اور شانے کے گوشت بھی کانپ رہے ہیں۔

آپ ﷺ گھر آتے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، چنانچہ آپ ﷺ کو کمبل اوڑھایا جاتا ہے، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ کو قرار آتا ہے، آپ ﷺ پوری داستان حضرت خدیجہ کو سناتے ہیں۔

مزاج شناس بیوی کی تسلی اور کردار نبوی کی خوبصورت عکاسی

حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

کَلَّا وَاللّٰهِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰهُ أَبَدًا، اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتُکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ، وَ تَقْرِی الضَّیْفَ، وَتُعِیْنُ عَلَی نَوَائِبِ الْحَقِّ. (بخاری شریف: کتاب الوحی)

ہرگز آپ کو اللہ رسوا، بے یارومددگار اور غمزدہ نہیں کرے گا، آپ تو رشتوں کو جوڑتے ہیں، نادار کو کمائی سے لگاتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے

ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حضرات! حضرت خدیجہؓ کے یہ تسلی آمیز جملے کردار نبوی کی انتہائی حسین اور موثر منظر کشی کرتے ہیں، غور فرمایئے: پیغمبر علیہ السلام کے اس کردار کا خلاصہ خدمت خلق ہے، اللہ نے دعوت دین کے مرحلے میں آپ ﷺ کو لگانے سے پہلے خدمت خلق کی راہ پر لگایا، اس طرح یہ ترتیب طے کردی کہ دعوتِ حق کی منزل خدمت خلق کے راستے سے ہموار ہوتی ہے، آج دعوتی میدانوں میں کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک سبق ہے، یہ ترتیب بدلے گی تو ہدف نہیں مل سکتا، غیروں نے افسوس خدمت خلق کا میدان ہتھیا لیا، اور ہم اس سے غافل ہوگئے۔

یہ پیغمبر علیہ السلام کے اخلاق وکردار کا واضح نقشہ تھا، گویا یہ ایک پیغام تھا جو آئندہ اس دین کی حامل امت کو دیا جارہا تھا، اور ساتھ یہ ضمانت بھی دی جارہی تھی کہ جو قوم، جو افراد، جو معاشرے اس کردار کے سانچے میں ڈھل جائیں گے، کبھی بے عزت، رسوا اور بے یار ومددگار نہیں ہوں گے؛ بلکہ کامیابی قدم چومے گی اور اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔

حضرت ورقہ کی تصدیق

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے عم زاد ورقہ بن نوفل کے پاس آپ ﷺ کو لے جاتی ہیں، ورقہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے، عربی، عبرانی، سریانی زبانیں جانتے تھے، انجیل کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے، شرک کے ماحول میں وہ توحید کے راستے پر گامزن تھے، آپ ﷺ نے پوری داستان سنائی، ورقہ اچھل پڑے، بولے:

هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلَى مُوسىٰ، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، يَالَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ.

اے محمد: آپ کے پاس آنے والا یہ فرشتہ وہی راز دار فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا تھا، اے کاش: میں آپ کی دعوت کے ایام میں طاقتور ہوتا، اے کاش: میں اس وقت زندہ رہتا اور آپ کی مدد کرتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔

اس پر آپ نے تعجب سے پوچھا تھا:

أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟

کیا مکہ والے مجھے نکال دیں گے؟

اس پر ورقہ نے کہا تھا:

نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُوْدِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْراً مُؤَزَّراً. (بخاری: کتاب الوحی)

ہاں: تمہیں ہجرت پر مجبور ہونا پڑے گا، حق کا جو پیغام تم لائے ہو، تم سے پہلے جو بھی یہ پیغام لایا ہے، اس کی مخالفت ضرور کی گئی ہے، اگر مجھے تمہارا زمانہ ملے گا تو میں قوت کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا۔

سابقین اولین

ورقہ نے نبوتِ محمدی ﷺ کی تصدیق سب سے پہلے کی، امت میں قبولِ اسلام کا اعزاز سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو حاصل ہوا، یہ بھی آپ ﷺ کی عظمت وکمال کا ایک روشن ثبوت ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ کی حقانیت ورسالت کا اقرار آپ ﷺ کی شریک حیات نے کیا، آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں سب سے سبقت کا شرف حاصل ہوا۔

تین سال تک خفیہ دعوت کا عمل جاری رہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے

بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، حضرت طلحہ، زبیر، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، خباب بن ارت، بلال حبشی، صہیب رومی، مصعب بن عمیر، سعید بن زید، خالد بن سعید، ارقم بن ابی الارقم، عبداللہ بن مسعود، جعفر بن ابی طالب، ابوعبیدہ بن الجراح، ابوسلمہ بن عبدالاسد، عثمان بن مظعون اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہ سابقین اولین تھے، قافلہ بڑھتا رہا، کلمۂ اسلام پڑھتے ہی ہر صاحب ایمان اپنے کو دعوت کے عمل میں لگا رہا تھا۔

پہلا دعوتی مرکز

اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابی حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے محفوظ مکان ''دار الارقم'' کو اپنی دعوت اور تحریک کا مرکز بنایا، یہ صفا پہاڑی پر واقع تھا، تمام دعوتی کام یہیں سے انجام پا رہے تھے، اسلام کی تاریخ میں دار الارقم اسلام کا پہلا مرکز تھا، حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا، اسے تاریخ اسلام کے پہلے ''وقف'' کا مقام بھی حاصل ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی طلب اور گوہر مراد کی دستیابی

اسی ابتدائی مرحلہ میں صحابی جلیل حضرت ابوذر غفاریؓ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر اپنے بھائی کو تلاشِ حق میں مکہ بھیجا تھا، مگر بھائی کی رپورٹ سے زیادہ اطمینان نہیں ہوا، خود مکہ تشریف لائے، بچتے بچاتے کئی دنوں کے انتظار کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، دارالارقم میں پہنچے، زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیغام حق سنا، فوراً حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے، دل ایمان سے معمور ہوا، تو جذب کی کیفیت طاری ہوگئی؛ کعبۃ اللہ کے سائے میں بہانگ دہل عقیدۂ توحید کا اعلان کر دیا، دشمنوں کا پورا مجمع پل پڑا، وہ پٹتے رہے، اور توحید کی صدا بلند کرتے رہے، حضرت

عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچایا، دوسرے دن پھر یہی منظر سامنے آیا، تیسرا دن آیا تو پھر یہی رنگ سامنے آیا، پھر حضور اکرم ﷺ کے حکم پر وطن واپس ہو گئے۔

ابوجہل کا برا ارادہ اور اللہ کی تنبیہ

اسی دور میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ آپ ﷺ کو حرم میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر ابوجہل آپ ﷺ کی طرف بڑھا: تا کہ آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھ دے، مگر اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اس پر خوف طاری ہے، پوچھا گیا: کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہول ناک چیز اور کچھ پر تھے، آپ ﷺ فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا کام تمام کر دیتے، قرآن میں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

أَرَأَيتَ الَّذِی يَنْهَىٰ، عَبْداً اِذَا صَلَّىٰ، أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ، اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوىٰ، أَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ، أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرىٰ، كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ، فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ. (العلق/۹-۱۸)

بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے، جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ بھلا بتاؤ کہ اگر وہ نماز پڑھنے والا ہدایت پر ہو، یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو، تو کیا اسے روکنا گمراہی نہیں؟ بھلا بتاؤ کہ اگر وہ روکنے والا حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا ہو، کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ خبردار: اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بال پکڑ کے گھسیٹیں گے، اس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے، اب وہ بلا لے اپنی مجلس والوں کو: ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

ایک مدت تک فترت وانقطاع وحی

پہلی وحی کے بعد ایک مدت تک دوسری کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، یہ انقطاع ایک تو اگلی وحی کا شوق پیدا کرنے کے لئے تھا، دوسرے پہلی وحی میں غور وفکر کے لئے تھا، تیسرے قوت برداشت پیدا کرنے کے لئے تھا، راجح قول کے مطابق یہ انقطاع ڈھائی سے تین سال کے درمیان تک رہا، اس انقطاع کی وجہ سے آپ ﷺ کو بڑی فکر اور غم تھا، کبھی تو آپ ﷺ شدتِ غم سے ارادہ کرتے کہ پہاڑ کی چوٹی سے اپنے کو گرادیں، ایسے موقعوں پر ایک دم حضرت جبرئیل ظاہر ہوتے اور کہتے:

یَا مُحَمَّدُ! إِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا. (بخاری: التعبیر: باب اول ما بدئ الخ)

اے محمد: بلا شبہ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

پھر اس کے بعد دوسری وحی آئی، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

بَیْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتاً مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي، فَإِذَا الْمَلَکُ الَّذِيْ جَاءَ نِي بِحِرَاءَ جَالِسٌ عَلَی کُرْسِيٍّ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَرُعِبْتُ مِنْهُ، فَرَجَعْتُ، فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُوْنِي، فَأَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ، وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، وَلَاتَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ، وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ.﴾ (بخاری: کتاب الوحی)

اسی درمیان کہ میں (مقام بطن وادی میں) چل رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی، میں نے نگاہ اٹھائی، دیکھا کی وہی فرشتہ، جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گیا، میں گھر واپس آیا، میں نے کہا: مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ، اس کے بعد اللہ نے یہ وحی بھیجی: اے کمبل

میں لپٹنے والے: اٹھئے، اللہ کے دشمنوں کو انجام بد سے ڈرائیے،اپنے پروردگار کی تعظیم کیجئے،اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے، اور (کفر وگناہ کی) گندگی سے کنارہ کرلیجئے،کوئی احسان زیادہ وصول کرنے کی نیت سے نہ کیجئے،اپنے پروردگار کی خاطر صبر سے کام لیجئے۔(المدثر/۱-۷)

دوسری وحی کا سبق

یہ دوسری وحی تھی، پہلی وحی نے علم نافع کو بیان کیا ہے، دوسری وحی کی سات آیتوں نے مقاصد رسالت بیان کردئے:

(۱) نافرمانوں کوانجام بد سے ڈرانا۔

(۲) اللہ کی کبریائی کا اعلان۔

(۳) معاشرہ کے ہر ہر فرد کو اعتقاد وعمل واخلاق کی ظاہری وباطنی گندگیوں سے پاک کرنا۔

(۴) بے لوث و بے غرض دعوت وخدمت۔

(۵) راہِ حق کی مصیبتوں پر صبر۔

یہ نصب العین تھا، جس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ نے پورے ۲۳/سال صرف کئے۔

نبوت کا چوتھا سال

اعزہ واقارب کو براہ راست دعوت دین

اب نبوت کا چوتھا سال شروع ہورہا ہے، دعوتِ اسلامی دوسرے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے، سورۃ الشعراء کی آیات نازل ہوتی ہیں:

وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الأَقْرَبِيْنَ، وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الشعراء/۲۱۴-۲۱۵)

اے پیغمبر: اپنے قریب ترین خاندان کو خبر دار کیجئے، اور جو اہل ایمان آپ کے پیچھے چلیں، ان کے لئے انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دیجئے۔

آپ ﷺ نے اپنے گھر پر دعوت کا اہتمام کیا، بنو ہاشم کو مدعو کیا، اس مجلس میں حمزہ بھی ہیں، عباس بھی ہیں، ابوطالب بھی ہیں، ابولہب بھی ہے، علی مرتضیٰ بھی ہیں، کھانے کے بعد آپ ﷺ نے تقریر کی، توحید کا پیغام سنایا، پھر فرمایا:

تم میں کون ہے جو میرا ساتھ دے، اے اولادِ عبدالمطلب، اے عباس عم رسول، اے صفیہ عمۃ (پھوپھی) الرسول، اے فاطمہ بنت محمد! تم اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ؛ کیوں کہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مَنَ النَّارِ فَإِنِّي لاَ أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئاً.

سب خاموش تھے، حضرت علی عمر میں کم سن تھے، وہی اٹھے اور بولے! اگر چہ میں کم سن ہوں، مگر میں آپ کی بہرصورت مدد کروں گا، ابولہب مذاقاً قہقہہ لگانے لگا، اس کی ہنسی میں طنز تھا، یہ اشارہ تھا کہ اس دعوت کو ختم ہو جانا ہے، مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ دین غالب آنے کے لئے ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ.

مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو : بخاری: الوصایا: باب هل یدخل النساء و الولد فی الاقارب، صحیح مسلم : الایمان : باب بیان ان من مات علی الکفر الخ)

کوہ صفا سے اعلان حق: مکہ کی تاریخ میں ایک نیا موڑ

دعوتِ اسلامی کے اگلے مرحلہ میں اللہ کا حکم آیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ، إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ، الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ، فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ. (الحجر/ ٩٤-٩٦)

جس بات کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دیجئے، اور جو لوگ پھر بھی شرک کریں، ان کی پرواہ مت کیجئے، یقین رکھئے کہ ہم آپ کی طرف سے ان لوگوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، جنہوں نے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود گھڑ رکھا ہے، چنانچہ عنقریب انھیں سب پتہ چل جائے گا۔

اس حکم کے بعد اب علانیہ دعوتِ حق کا اور حق کے برملا اعلان کا وقت آ چکا تھا، آپ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے، اور آواز دی ''یا صباحاہ'' یہ دشمن کے خطرے کا اعلان تھا، یہ

ایمرجنسی الارم تھا، سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ اکٹھے ہوگئے، آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر ہیں، مجمع پہاڑ کے دامن میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمنوں کا ایک زبردست لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، تو کیا تم میری بات مانو گے؟

پورا مجمع بیک زبان بولا: کیوں نہیں! ہم نے آپ پر جھوٹ کا تجربہ کبھی نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، يَاأَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا.

بلاشبہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، میں سخت عذاب سے پہلے اس کی آگاہی دینے والا ہوں، اے لوگو: اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہوجاؤ گے۔

آپ ﷺ نے پیغام دیدیا کہ یہ تراشیدہ بت اس قابل نہیں کہ ان کے آگے جبین جھکے، انہیں پھینک دو، یہ سن کر پورا دشمن گروہ مشتعل ہوگیا، ابولہب نے اپنی شقاوت کی انتہا کردی، اس نے آپ ﷺ کے جواب میں کہا:

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا.

اے محمد: آج پورا دن تمہارے لئے بربادی رہے، کیا تم نے اسی لئے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟ (دیکھئے: ابن کثیر: ۱/۴۵۵، مشکوۃ المصابیح: الفضائل، باب المبعث و بدء الوحی)

یہ ابولہبی پروپیگنڈہ تھا، نہ جانے کتنے لوگ اس سے متاثر ہوگئے تھے، مگر پھر دنیا نے وہ دن دیکھے کہ یہ باطل پروپیگنڈہ دم توڑ گیا اور حق غالب آکر رہا، آج بھی باطل حق کے خلاف پروپیگنڈہ مہم میں پرجوش ہے؛ لیکن غلبہ حق کا مقدر ہے، نہ کہ باطل کا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور:

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

سورۃ اللہب کا نزول

اللہ نے ابولہب کے اس جملے کا نوٹس لیا، اور اس کی شقاوت پر مہر لگادی، فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِيْ لَهَبٍ وَ تَبَّ ،مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَ مَا كَسَبَ، سَيَصْلَى نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ،وَ امْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، فِي جِيْدِهَا حَبْلٌ مِنْ مَسَدٍ. (اللہب)

ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے، اس کی دولت اور اس نے جو کمائی کی تھی، وہ اس کے کچھ کام نہیں آئی، وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا، اور اس کی بیوی بھی، لکڑیاں ڈھوتی ہوئی، اپنے گردن میں مونجھ کی رسی لئے ہوئے۔

یہ لگائی بجھائی کرنے والی جہنمی عورت ام جمیل تھی، یہ آیات سن کر غصہ کے عالم میں آپ ﷺ کو تلاش کرتی ہوئی نکلی، آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے، ام جمیل سامنے سے آرہی تھی، حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے خلاف اس کے تیور بگڑے ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ مجھے چھپائے ہوئے ہے، وہ سامنے سے بھی مجھے دیکھ نہ پائے گی، بالآخر ایسا ہی ہوا، ام جمیل نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ تمہارا دوست کہاں ہے، وہ ''مذمم'' (انتہائی قابل مذمت) ہے، ہم اس کے منکر ہیں، ہم اس سے نفرت کرتے ہیں:

مُذَمَّماً عَصَيْنَا. وَاَمْرَهُ اَبَيْنَا. وَدِيْنَهُ قَلَيْنَا.

وہ قابل مذمت ہے، ہم اس کی بات نہیں مانتے، ہم اس کے حکم کی تعمیل سے انکار کرتے ہیں، ہم اس کے دین سے بیزار اور متنفر ہیں۔

بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

كَيْفَ صَرَفَ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَهُمْ، يَلْعَنُوْنَ مُذَمَّماً، وَأَنَا مَحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

دیکھو: اللہ نے مشرکین کی گالی سے مجھے کس طرح بچایا ہے، وہ ''مذمم'' کو لعن طعن کر رہے ہیں، جب کہ میں ''محمد'' (انتہائی قابل تعریف) ہوں۔ (سیرة ابن هشام: ۱/۳۳٤-۳۳۵)

صدائے حق اور باطل کی فتنہ سامانیاں

اب عقیدۂ توحید کی دعوت عام فضا میں گونج رہی ہے، ہر گھر تک، ہر در تک، ہر دل اور ہر جگہ تک، یہ صدا پہنچائی جا رہی ہے، دشت و جبل، بازار و گھر، آبادی اور ویرانہ، نشیب و فراز ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

صنادید قریش کی نیندیں حرام ہیں، شرک کے علم برداروں کی بے چینیاں عروج پر ہیں، غلامانِ محمد اجالوں کے سفیر بنے ہوئے ہیں، ظلمتوں سے بغاوت کر رہے ہیں، حق کا چراغ جلا رہے ہیں، گویا کہہ رہے ہیں:

ہم غلامانِ محمد ہیں اجالوں کے سفیر
ہم نے ہر دور میں ظلمت سے بغاوت کی ہے

مگر اس کے جواب میں ظلم وستم کا وہ طوفان آیا ہے جس نے تمام حدیں پار کردی

ہیں، وہ نبی جو سب کے دلوں کا پیارا تھا، سب کو محبوب تھا، جسے صادق وامین کہا جاتا تھا، جسے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا، اب کانٹے کی طرح چبھنے لگا ہے، اب لوگوں کی مخالفت کا مرکز بن گیا ہے، اس پر پھبتیاں کسی جارہی ہیں، اسے جھوٹا بتایا جارہا ہے، اسے جھوٹا، فریبی، جادوگر، کاہن، شاعر، پاگل، دیوانہ اور نہ جانے کیا کیا کہا جارہا ہے، اس کی راہوں میں کانٹے بچھائے جارہے ہیں، وہ قرآن پڑھتا ہے تو شور مچایا جارہا ہے، کہا جارہا ہے:

لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ.

(حٰم السجدہ/۲۶)

اس قرآن کو سنو ہی نہیں، اور اس کے بیچ میں غل مچادیا کرو تاکہ تمہیں غالب رہو۔

عین حالت نماز وسجدہ میں اس کے جسم پر اوجھ ڈالی جارہی ہے، چادر لپیٹ کر گلا گھونٹنے کی کوشش کی جارہی ہے، راستے میں غلاظت ڈالی جارہی ہے۔

عزیزو! غور کیجئے گا، کانٹے بچھائے جارہے ہیں؛ تاکہ توحید اور حق کا راستہ رک جائے، غلاظت ڈالی جارہی ہے؛ تاکہ حسن کردار کی پاکیزگی اور شفافیت نہ رہے، بوجھ کے نیچے دبایا جارہا ہے؛ تاکہ سچائی سر نہ اٹھاسکے، گلا گھونٹ کر وحی کی آواز بند کی جانے کی کوشش ہورہی ہے۔

یہ تھے ستم کے انداز، سچ کہا تھا صادق ومصدوق پیغمبر ﷺ نے:

لَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ مَا لَمْ يُؤْذَ أَحَدٌ. (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: باب فضل الفقراء)

مجھے اللہ کے راستے میں اتنی تکلیفیں پہونچائی گئی ہیں جتنی کسی اور کو نہیں پہونچائی گئیں۔

قربان جایئے ان پر! کانٹوں سے تواضع ہوئی، مگر وہ پھول برساتے رہے، گندگی ڈالی گئی مگر وہ سماج کو پاکیزہ بنانے میں لگے رہے، ان کو بوجھ تلے دبایا گیا مگر وہ انسانیت سے

باطل کا بوجھ اتارتے رہے، کوئی بھی ظلم وتشدد ان کی راہ نہ روک سکا۔

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

باطل کے نمائندوں کے ذریعہ راہِ حق کے مسافروں کی تواضع

حضرات گرامی: دیکھئے، یہ کون ہے جسے مکے کے گرم پتھروں پر باندھ کر گھسیٹا جارہا ہے، یہ کون ہے جس کے سینے پر بھاری پتھر رکھا ہوا ہے، یہ کون ہے جس کی زبان سے ہر ظلم کے جواب میں صرف ایک ہی نعرہ جاری ہے، احد احد کا نعرہ...... کیا یہ بلال نہیں ہے، کیا یہ وہی بلال نہیں جس کو اس کے مالک نے یہ عزت دی کہ پیغمبر ﷺ نے جنت میں اپنے آگے اس کے قدموں کی چاپ اوراس کے جوتے کی آواز سنی۔

عزیزو! یہ کون ہے جسے آگ کی سلاخوں سے داغا جارہا ہے، یہ کون ہے جسے آگ کے دہکتے شعلوں پر چت لٹایا گیا ہے، یہ کون ہے جس کے سینے پر ایک پہلوان کھڑا ہے؟ یہ کون ہے جس کی پشت کی چربی سے آگ بجھ رہی ہے؟ یہ کون ہے جو ہر طرح کے ظلم سہنے کے بعد بھی کافروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا ہے کہ: کافرو تم مرو پھر زندہ ہوجاؤ، تب بھی میں یہ دین نہیں چھوڑ سکتا، کیا یہ خباب نہیں ہے، کیا یہ وہی خباب نہیں جو ظلم وستم حد سے تجاوز ہونے کے بعد دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے، عرض کیا تھا:

أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلاَ تَدْعُوْلَنَا ؟

کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے مدد نہیں مانگیں گے، کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعاء نہیں کریں گے؟

یہ سن کرآپ ﷺ کے رخِ انور کا رنگ متغیر ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

قَدْ كَانَ مَن قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ، فَيُحْفَرُلَهُ فِي الأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهَا، ثُمَّ يُؤْتَى بِالْمِنْشَارِ، فَيُوْضَعُ عَلَى رَأْسِهِ، فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ، مَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهِ، وَاللّٰهِ لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هَذَا الأَمْرَ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ. (بخاری: المناقب: باب علامات النبوۃ)

تم سے پہلے اہل ایمان پر اس سے زیادہ ظلم ہو چکے ہیں، ان کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے نکالا جاتا تھا، ان کے سروں پر آرے چلائے جاتے تھے، سروں سے نیچے تک ان کے جسموں کے دو ٹکڑے کئے جاتے تھے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے، خدا کی قسم: اللہ اس دین کو مکمل کر کے رہے گا، مگر تم جلد بازی کرتے ہو۔

غور فرمایئے: یہ آپ ﷺ کی طرف سے استقامت کی تلقین تھی، یہ جمائے رکھنے کا انداز تھا، یہ حوصلہ بڑھانے کی ادا تھی۔

عزیزو! دیکھو، یہ کون ہے جسے مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا ہے؟ یہ کون ہے جسے پانی میں غوطے دئے جا رہے ہیں؟ یہ کون ہے جسے انگاروں پر تڑپایا جا رہا ہے؟ کیا یہ یاسر کے بیٹے عمار نہیں ہیں؟ کیا یہ وہی عمار نہیں ہیں جن کے بارے میں آقا ﷺ نے فرمایا تھا:

عَمَّارٌ مُلِئَى إِيْمَانًا إِلَى مُشَاشِهِ. (کنزالعمال: ۱۱/۳۳۱)

عمار سر سے لیکر پیر تک ایمان سے لبریز ہیں۔

عَمَّارٌ خَلَطَ اللّٰهُ الْإِيْمَانَ مَا بَيْنَ قَرْنِهِ إِلٰى قَدَمِهِ، وَ خُلِطَ الْإِيْمَانُ بِلَحْمِهِ وَ دَمِهِ، يَزُوْلُ مَعَ الْحَقِّ حَيْثُ زَالَ، وَ

لَيۡسَ يَنۡبَغِي لِلنَّارِ أَنۡ تَأۡكُلَ مِنۡهُ شَيۡئاً. (ایضاً)

اللہ نے عمار کو سر سے پیر تک ایمان سے لبریز کر دیا ہے، ایمان ان کی ہر رگ و پے میں پیوست کر دیا گیا، وہ ہمیشہ حق کے ساتھ رہتے ہیں، جہنم کی آ گ ان کو نہیں کھا سکے گی۔

یہ کون ہے جو قید تنہائی میں ہے؟ یہ کون ہے جن کا آب و دانہ بند ہے؟ کیا یہ مصعب نہیں ہیں؟ کیا یہ وہی مصعب نہیں ہیں جن کا حسن، خوش پوشا کی، جامہ زیبی ضرب المثل رہ چکی ہے؟ جن کے گذرنے کے بعد راستہ بول اٹھتا تھا کہ قافلۂ گل گذرا ہے، مگر اب اسلام نے ان کا رخ ہی بدل دیا ہے۔

یہ کون ہے جسے نماز کی حالت میں مارا جارہا ہے؟ یہ کون ہے جس کے سر سے سجدہ کی حالت میں خون کے فوارے بہہ رہے ہیں، کیا یہ سعد نہیں ہیں؟ کیا یہ وہی سعد بن ابی وقاص نہیں ہیں جن کو جیتے جی جنت کا پروانہ سنا دیا گیا ہے۔

یہ کون صاحب عزیمت خاتون ہے جو باطل سے ٹکر لئے ہوئے ہے، یہ کون ہے جسے ابوجہل تاک کر نشانہ بنا رہا ہے، یہ کون ہے جسے اسلام کی تاریخ میں پہلی شہادت کا شرف مل رہا ہے؟ یہ کون ہے جس نے اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے اپنی جان کا نذرانہ اپنے رب کے حضور پیش کیا ہے؟ کیا یہ سمیہ نہیں ہیں؟ پہلی شہید خاتون، یہ وہی سمیہ ہیں، جن کی قربانیوں، جن کے شوہر یاسر کی قربانیوں سے متاثر ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

صَبۡراً يَا آلَ يَاسِرٍ: فَإِنَّ مَوۡعِدَكُمُ الۡجَنَّةُ. (کنز العمال: ۱۱/۳۳۳)

اے یاسر کے گھر والو: صبر کرو، جنت میں ملاقات ہوگی۔

عزیزو! یہ عثمان ہیں، یہ ابوبکر ہیں، یہ ابن مسعود ہیں، یہ ابوفکیہہ ہیں، یہ فاطمہ بنت خطاب ہیں، یہ سعید بن زید ہیں، ان میں کون ہے جسے راہ حق میں مظالم سہنے نہیں پڑے، ان کا جرم صرف یہ تھا کہ یہ حق کے پرستار تھے، یہ سچائی کے حمایتی تھے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنهُمُ اِلَّا اَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيْدِ. (البروج/۸)

دشمنان اسلام ان ایمان والوں کوکسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے، جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے۔

حق پرستوں کے ان حالات کا واضح پیغام

برادرانِ اسلام! سیرتِ رسول ﷺ کا یہ گوشہ یہ پیغام دے رہا ہے کہ دعوت وعمل کی راہ ہر دور میں خطروں سے گھری راہ رہی ہے، احقاقِ حق اورابطالِ باطل کا مشن، عقیدۂ برحق کے اعلان کا مشن، کفروشرک کے خلاف صدا بلند کرنے کا مشن کسی بھی دور میں پھولوں کی سیج نہیں رہا، یہ کانٹوں بھری رہ گذر ہے، آپ جب بھی اس میدان میں آئیں، آپ کو اپنی محبوبیت اور ہر دل عزیزی قربان کرنی پڑے گی، حق کی راہ کا مسافر ہر دل عزیز نہیں رہ سکتا، اسے متنازع فیہ بننا ہی پڑتا ہے، اس کی مخالفتیں ہوکر رہتی ہیں، اس کے قدم ڈگمگانے کی کوششیں کی جاتی ہیں، اس کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں، یہ راستہ وہ ہے جس میں دیوانگی کی حد تجاوز کرنی پڑتی ہے، تب منزل ملتی ہے۔

ترک مال و ترکِ جاہ و ترکِ سر
در طریق عشق اول منزل است

عشق کے راستے میں مال، جاہ، منصب، وجاہت، سر اور جان سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔

عزیزو! پیغمبر ﷺ کی یہ سیرت سبق ہے، پیغام ہے، فکر ہے، ہر دل عزیز بننے کی حرص مت کرو، تمہیں خیر امت بنایا گیا ہے، تم کو احقاقِ حق کا فرض سونپا گیا ہے، تم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری دی گئی ہے، تمہیں استقامت اور ثبات کے ساتھ اپنے مشن کو آگے بڑھانا ہے اور ہر طرح کی صعوبتوں کو انگیز کرنا ہے۔

ابولہب اور اس کے بیٹوں کی گستاخی

ہم نبوت کے چوتھے سال میں ہیں، بدترین دشمن اسلام ابولہب نے آپ ﷺ کو پریشان کرنے کے لئے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے آپ ﷺ کی صاحب زادیوں ''حضرت رقیہ وام کلثوم'' کی نسبت توڑ دی، ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے آپ ﷺ کی قمیص مبارک پھاڑ دی اور آپ ﷺ کے رخ انور پر تھوکا اور گستاخی کی، آپ ﷺ نے بددعا دی تھی کہ:

اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْباً مِنْ کِلَابِکَ.

اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دیجئے۔

پیغمبر علیہ السلام کی بددعا قبول ہوئی، سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ عتیبہ تجارتی قافلہ کے ساتھ شام گیا، اردن کے دار الحکومت عمان کے قریب زرقا نامی مقام پر قافلہ مقیم ہوا، وہاں جنگل تھا، عتیبہ کو آپ ﷺ کی بددعا یاد آئی، وہ گھبرا گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہہ کر اپنے لئے اونچی جگہ کا انتخاب کیا، مگر رات کو ایک خونخوار شیر آیا، قافلہ کا چکر لگایا، سب کو سونگھتا ہوا بالآخر عتیبہ کے پاس پہونچا اور دبوچ کر چند لمحوں میں جہنم رسید کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ٤، سورۃ النجم، دلائل النبوۃ للبیھقی: ٢/٣٣٩)

آپ ﷺ کی عظمت آقا کی زبانی

اسی دوران آپ ﷺ بیمار ہوئے، چند دنوں وحی موقوف رہی، دشمنوں بطور خاص ام جمیل نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد کو اس کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے، اس پر سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی، اور آپ ﷺ کی عظمت شان رب کی زبانی بیان ہوئی۔ (معارف القرآن: ٨/٧٦٥ الخ)

وَالضُّحٰی، وَاللَّیْلِ إِذَا سَجٰی، مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی، وَلَلْآخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْأُولٰی، وَلَسَوْفَ یُعْطِیکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی، أَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَآوٰی، وَوَجَدَکَ ضَالًّا

فَهَدَى، وَوَجَدَكَ عَائِلاً فَأَغْنَى، فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلا تَقْهَرْ، وَأَمَّا السَّائِلَ فَلا تَنْهَرْ، وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (الضحی)

اے پیغمبر: قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے، کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا ہے، اور یقیناً آگے آنے والے حالات تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں، اور یقین جانو کہ عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے، کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا، پھر تمہیں ٹھکانہ دیا؟ اور تمہیں راستے سے ناواقف پایا تو راستہ دکھایا، اور تمہیں نادار پایا تو غنی کر دیا، اب جو یتیم ہے، تم اس پر سختی مت کرنا، اور جو سوال کرنے والا ہو، اسے جھڑکنا نہیں، اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے، اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔

پھر اس کے بعد اگلی سورت اتری:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ، الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ، وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً، اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً، فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ، وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ. (الم نشرح)

اے پیغمبر: کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی، اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے، چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، لہذا جب تم فارغ ہو جاؤ تو عبادت میں اپنے آپ کو تھکاؤ، اور اپنے پروردگار ہی سے دل لگاؤ۔

نبوت کا پانچواں سال

الکوثر کی بشارت

نبوت کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہے، حضور اکرم ﷺ کے پہلے صاحب زادے حضرت قاسم کی وفات کے بعد اب دوسرے صاحب زادے حضرت عبد اللہ بھی اپنے رب سے جا ملتے ہیں، مشرکین نے آپ کو ''ابتر'' (بے نام ونشان) ہونے کا طعنہ دے کر خوشیاں منائی ہیں، یہ حالات بڑے دل شکن تھے، اللہ نے سورۂ کوثر نازل کی:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ. (الکوثر)

اے پیغمبر: یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر (بہت زیادہ بھلائی) عطا کردی ہے، لہذا تم اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھو، اور قربانی کرو، یقین جانو کہ تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔

(ملاحظہ ہو: معارف القرآن و دیگر تفاسیر)

کوثر کا اعزاز پیغمبر ﷺ کو عطا ہوا، پیشین گوئی کردی گئی کہ دشمن رسالت بے نام ونشان ہو جائے گا، بالآخر دنیا نے اس کی صداقت کھلی آنکھوں دیکھ لی، اللہ نے آپ ﷺ کا نام اس شان سے باقی رکھا کہ آج ساڑھے چودہ سو برس کے بعد ہزاروں میل دور پر آپ یہاں اسی ذکر جمیل سے اپنی روحوں کو معطر اور دلوں کو منور کر رہے ہیں۔

قریش کا وفد ابو طالب کی خدمت میں اور آپ ﷺ کا مستحکم موقف

آگے بڑھیئے! مکہ کی ناک سمجھے جانے والے سردار ابو طالب کے پاس آتے

ہیں، اور کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجیۓ، آپ نہیں سمجھا سکتے، درمیان سے ہٹ جایئے، ہم اس سے نمٹ لیں گے، ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا:

بھتیجے! اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں سہار نہ سکوں۔

آپ ﷺ نے رقت آمیز مگر پر عزم لہجے میں بہتے آنسوؤں کے ساتھ فرمایا:

وَاللّٰہِ :لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِی یَمِیْنِی،وَالْقَمَرَ فِیْ یَسَارِیْ،عَلَی اَنْ اَتْرُکَ ھٰذَا الْاَمْرَ، مَا تَرَکْتُہٗ حَتّٰی اَمُوْتَ.

خدا کی قسم: اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس دین کو چھوڑ دوں، میں مرنا تو گوارہ کر سکتا ہوں مگر اس دین اور دعوت سے دستبردار ہونا گوارہ نہیں کر سکتا۔

ابو طالب پر رقت طاری ہوئی اور انہوں نے کہا:

بھتیجے! جو چاہو کرو، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا، خدا کی قسم: جب تک میں زندہ ہوں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: ۱/۲۶۶، سیرت ابن اسحاق: ۱/ ۱۹۶)

ابو طالب کا جذبۂ تعاون

اسی موقع پر ابو طالب نے یہ اشعار بھی کہے تھے

وَاللّٰہِ لَنْ یَصِلُوا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ
حَتّٰی أُوَسَّدَ فِيْ التُّرَابِ دَفِیْنَا
فَاصْدَعْ بَأَمْرِکَ مَا عَلَیْکَ غَضَاضَۃٌ
وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاکَ مِنْکَ عُیُوْنَا

وَ دَعَوْتَنِي وَ زَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِيْ
وَ لَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ أَمِيْنَا
وَ عَرَضْتَ دِيْنًا لَا مَحَالَةَ أَنَّهُ
مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا
لَوْ لَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ
لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنَا

بخدا یہ دشمن تمہارے پاس اپنی جمعیت سمیت بھی ہرگز نہیں پہونچ سکتے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کردیا جاؤں، تم اپنی بات کھلم کھلا کہو، تم پر کوئی قدغن نہیں، تم خوش ہوجاؤ اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہوجائیں، تم نے مجھے دعوت دی، اور تمہارا خیال ہے کہ تم میرے خیر خواہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ تم نے سچ کہا، اور پھر تم تو شروع سے امانت دار رہے ہو، تم نے وہ دین پیش کیا ہے جو یقینی طور پر دنیا کے تمام دینوں میں سب سے بہتر ہے، اگر اندیشۂ ملامت نہ ہوتا یا سبکی کا ڈر نہ ہوتا تو تم اس دین کو قبول کرنے میں مجھے برملا طور پر فراخ دل پاتے۔(مختصر السیرۃ:شیخ محمدبن عبد الوھاب: ۶۸، عکس سیرت :مترجم خلیل الرحمن/۱۳)

ایک زندہ پیغام: عقیدۂ حق پر کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں

پیغمبر علیہ السلام کے اس جواب نے قیامت تک کے لئے یہ فکر واضح کردی کہ عقیدۂ برحق وہ چیز ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، جس کے لئے کوئی بھی پیش کش قبول نہیں کی جاسکتی، آج امت جن حالات سے دوچار ہے، ان میں سب سے زیادہ یلغار ہمارے عقیدے پر ہورہی ہے، سیرت کا یہ باب ہمارے سامنے یہ پیغام دے رہا ہے کہ کبھی بھی اپنے عقیدے کے تعلق سے کوئی لچک اور نرمی پیدا مت ہونے دو۔

حالت نماز میں اوجھ ڈالے جانے کا ظلم

پھر اسی پانچویں سال میں حرم مکی کے صحن میں یہ بد بختانہ واقعہ بھی تاریخ نے ریکارڈ کیا کہ صنادید قریش اکٹھا ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نماز میں ہیں، ابوجہل کے کہنے پر اونٹ کی اوجھ لائی جارہی ہے، مشرکین میں سب سے بدبخت انسان عقبہ بن ابی معیط حالت سجدہ میں آپ ﷺ پر اوجھ لا درہا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس واقعہ کے چشم دید شاہد ہیں، حضور ﷺ اٹھ نہیں پارہے ہیں، حضرت فاطمہؓ آتی ہیں، اوجھ ہٹاتی ہیں، آپ ﷺ اٹھتے ہیں، مظلومیت کے عالم میں ہاتھ رب کے دربار میں اٹھتے ہیں، اے اللہ یہ مجرم، نماز بھی نہیں پڑھنے دے رہے ہیں، انہیں تیرے سامنے سجدہ بھی گوارا نہیں، اے اللہ قریش کو کیفر کردار تک پہونچایئے، اے اللہ: ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ کو ہلاک کردیجئے، آپ ﷺ نے سات بدنصیبوں کو بددعا دی، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان ساتوں کو مقتول پایا۔ (بخاری: الجهاد: باب الدعاء علی المشرکین)

ہجرت حبشہ

یہ سال اہل حق کے لئے بہت مشکل گذرا ہے، ظلم وستم نے عرصۂ حیات تنگ کردیا ہے، بالآخر ہجرتِ حبشہ کی اجازت ملی ہے، حبشہ (ایتھوپیا) کے بارے میں شہرت تھی کہ وہاں حکومت نے عدل وانصاف کے اصول مضبوطی سے اپنا رکھے ہیں، وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، چنانچہ رجب ۵/نبوی میں حضرت عثمان سمیت کل ۱۲/مرد اور حضرت عثمان کی بیوی بنت الرسول حضرت رقیہؓ سمیت ۴/عورتیں حبش کی ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ نے فرمایا:

> لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔ (دلائل النبوۃ: بیہقی: ۲۹۷/۲، فتح الباری: ۲۳۷/۷)

اِدھر مکہ میں قرآن کی کھلی تاثیر کا یہ منظر سامنے آیا کہ آپ ﷺ نے صحن کعبہ میں سورۂ نجم کی تلاوت قریش کے سامنے فرمائی، سورت کا صوتی آہنگ، آپ ﷺ کا پرتاثیر و پرسوز لہجہ، حاضرین پر وجد طاری ہوگیا، آخری آیت سجدہ آئی، تو مسلم وغیر مسلم، مؤمن و کافر سب حاضرین بے اختیار سجدہ ریز ہوگئے، صرف عتبہ، ولید اور امیہ نے سجدہ نہیں کیا، تکبر کی وجہ سے زمین کی خاک ہاتھ میں لے کر ماتھے پر مل لی، اللہ کا کرنا، ان تینوں کے علاوہ باقی سب حاضرین کو بعد میں اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا۔ (بخاری: سجود القرآن: باب سجدة النجم)

بے اختیار سجدے کا یہ واقعہ مہاجرین حبش کو اس انداز میں پہنچا کہ مکہ میں سب مسلمان ہوگئے ہیں، یہ سن کر ان مہاجرین میں سے اچھے خاصے لوگ مکہ واپس آ گئے؛ لیکن آ کر دیکھا تو صورتِ حال پہلے سے زیادہ دشوار تھی، اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم اپنے شباب پر آ چکا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۱/۲۰۶، سیرت ابن ہشام: ۱/۳٦٤)

اس لئے نبوت کے چھٹے سال کے شروع میں دوبارہ مسلمانوں کا دوسرا بڑا وفد ۸۲ر مردوں اور ۱۸ر عورتوں پر مشتمل حبشہ ہجرت کر گیا، اس وفد میں حضرت جعفر بن ابی طالب بھی تھے، جن کے ساتھ نجاشی شاہِ حبش کے نام مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کے مضمون پر مشتمل آپ ﷺ کا گرامی نامہ بھی تھا، ان مہاجرین کو اسی بنا پر اعزاز کے ساتھ رہنے کی اجازت مل گئی، مکہ کے دشمنوں کو مسلمان مہاجرین کا چین سے رہنا گوارا نہیں ہوا، قریش نے اپنے دو نمائندوں عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ پر مشتمل ایک وفد حبشہ بھیجا، یہ وفد حبشہ پہنچتا ہے، نجاشی کے تمام درباریوں کو رشوت دینے کے بعد راہ ہموار کرتا ہے، پھر نجاشی کی خدمت میں بیش قیمت نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ ہمارے شہر مکہ کے کچھ نادان لڑکے اور غلام بھاگ آئے ہیں، یہ ہمارے دین سے بھی نکل گئے ہیں، اور آپ کے دین عیسائیت میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، ہمارے سربراہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے، سارے درباریوں نے ان کی تائید کی، اور

بیک زبان ان مہاجرین کی واپسی پر اصرار کیا، لیکن نجاشی نے کہا کہ میں اس طرح انہیں تمہارے حوالے نہیں کرسکتا، انہیں بلاکر تحقیق کرتا ہوں، مہاجرین کو طلب کیا گیا، انہوں نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنایا، مہاجرین حاضر ہوئے، معاملہ سامنے آیا، تو حضرت جعفر نے نجاشی سے کہا کہ آپ ان سے معلوم کیجئے:

(۱) کیا ہم مکہ والوں کے غلام ہیں، جو ان کی اجازت کے بغیر بھاگ آئے ہیں؟

(۲) کیا ہم کسی کا قتل کرکے آئے ہیں کہ یہ ہمیں قصاص کے لئے لے جانا چاہتے ہیں؟

(۳) کیا ہم کسی کا مال چرا کر اور لوٹ کر لائے ہیں؟

نجاشی نے عمرو بن عاص سے تحقیق کی، تو انہوں نے تینوں باتوں کی نفی کی، پھر نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا کہ تمہارا نیا دین کیا ہے؟ حضرت جعفر نے انتہائی بصیرت افروز برجستہ تقریر میں دورِ جاہلیت کے بگاڑ کا، نبی آخرالزماں ﷺ کی بعثت، اسلام اور اس کے نظامِ رحمت، عقیدۂ توحید ورسالت وآخرت کا بے انتہا جامع تعارف کرایا، پھر قریش کے لرزہ خیز مظالم کی داستان سنائی، حضرت جعفر نے فرمایا:

اَيُّهَا الْمَلِكُ: كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ، وَنَاْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَ نَأْتِيُ الْفَوَاحِشَ، وَ نَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيْئُ الْجِوَارَ، يَاْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيْفَ، فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُوْلاً مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَ صِدْقَهُ وَاَمَانَتَهُ وَ عَفَافَهُ، فَدَعَانَا اِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَ نَعْبُدَهُ وَ نَخْلَعَ مَاكُنَّا نَحْنُ نَعْبُدُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَ الْاَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَ اَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَ صِلَةِ الرَّحِمِ وَ حُسْنِ الْجِوَارِ وَ الْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَ الدِّمَاءِ، وَ نَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَ قَوْلِ الزُّوْرِ وَ اَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ وَ قَذْفِ

الْـمُـحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهٖ شَيْئاً، فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّابِهٖ وَ اتَّبَعْنَاهُ عَلٰى مَاجَاءَ بِهٖ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ فَلَمْ نُشْرِكْ بِهٖ شَيْئاً، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُوْنَا وَ فَتَنُوْنَا عَنْ دِيْنِنَا لِيَرُدُّوْنَا إِلٰى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ ، وَ أَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا ظَلَمُوْنَا خَرَجْنَا إِلٰى بَلَدِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ وَ رَغِبْنَا فِيْ جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَنْ لَا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ....

اے بادشاہ: ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بت پرست تھے، مردار بھی کھا جاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے رہتے تھے، آپس کے تعلقات خراب رکھتے تھے، پڑوس کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو دباتا اور کھاتا جارہا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنے کرم سے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس کی عالی نسبی، صداقت شعاری، امانت داری اور پاکدامانی سے ہم بخوبی واقف تھے، اس پیغمبر نے ہمیں ایک اللہ کو ماننے ، اس کی عبادت کرنے اوران بتوں اور پتھروں سے دستبردار ہونے کا حکم دیا جنہیں ہم اور ہمارے آباءواجداد ایک مدت سے پوجتے چلے آرہے تھے، اوراس نے ہمیں راست بازی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوس کے ساتھ اچھے سلوک اور تمام حرام کاموں اورخوں ریزی سے بچنے کا حکم دیا، نیز ہم کو بے حیائیوں، دروغ گوئی، یتیم کے مال کو ناحق استعمال کرنے اور پاکدامن عورت پرتہمت لگانے کے جرم سے منع فرمادیا، اور ہمیں تاکید کردی کہ ہم صرف خدائے واحد کی پرستش کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں، چنانچہ ہم نے اس رسول کی تصدیق کی،

اس پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی باتوں پر عمل کیا، ہم ایک خدا کے عبادت گار بن گئے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہم نے چھوڑ دیا، اس کے نتیجہ میں ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی، قوم کے لوگوں نے ہمیں طرح طرح کی سزائیں دیں، ہمیں ہمارے دین سے ہٹا کر بت پرستی کی طرف لوٹانا اور اللہ کی عبادت سے برگشتہ کرنا چاہا اور ہمیں مجبور کیا کہ ہم سابق زمانے کی طرح گندے کاموں کو حلال سمجھیں، جب ظلم کی حد ہوگئی تو ہم آپ کے علاقے میں آ گئے، ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، ہم نے آپ کے پڑوس میں رہنا پسند کیا، ہمیں پوری امید ہے کہ آپ کے دربار میں ہم پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

یہ داستان سننے کے بعد نجاشی نے کہا:

هَلْ مَعَکَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ عَنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْئٍ؟

کیا تم کو قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے؟ یاد ہو تو سناؤ۔

اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات سنائیں، نجاشی سنتا رہا، اور روتا رہا، اس کے پادری بھی آب دیدہ ہوگئے، روایات میں ہے:

فَبَکٰی وَبَکَتْ أَسَاقِفَتُهُ حَتّٰی اخْضَلَّتْ لُحَاهُمْ.

نجاشی بھی رویا اور اس کے پادری بھی رو پڑے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔

پھر غایت تاثر سے نجاشی نے کہا:

وَاللّٰهِ إِنَّ هٰذَا وَمَا جَاءَ بِهٖ عِيْسٰى لَيَخْرُجُ مِنْ مِشْكَاةٍ وَاحِدَةٍ، اِنْطَلِقُوْا، فَوَاللّٰهِ لَا أُسْلِمُهُمْ إِلَيْكُمْ.

خدا کی قسم: یہ کلام اور حضرت عیسیٰ کا لایا ہوا کلام، دونوں کا سرچشمہ ایک معلوم ہوتا ہے، اے قریش کے نمائندو: تم واپس جاؤ، خدا کی قسم میں ان

مظلوموں کو تمہارے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مسند احمد: ۱/ ۲۵۰-۲۵۱ حدیث جعفر، دلائل النبوۃ: ابو نعیم: ۱/ ۲۴٦-۲۵۰، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۳٤-۳۳۸)

کلید کعبہ

یہ وہ دور تھا جس میں آپ ﷺ اور صنادید قریش کے تعلقات بے حد کشیدہ ہو گئے تھے، انہیں بیت اللہ میں آپ ﷺ کا داخلہ بھی گوارا نہ تھا، ہر پیر و جمعرات کو لوگوں کے لئے بیت اللہ کھولا جاتا تھا، عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ اور دربان تھے، ایک دن انہوں نے آپ ﷺ کے دروازہ کھولنے کی فرمائش سختی سے رد کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

''عثمان! تم دیکھو گے کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا''۔

عثمان نے گستاخی سے کہا تھا کہ:

''وہ دن سارے قریش کے لئے بڑی ذلت وتباہی کا دن ہوگا''۔

آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

نہیں؛ بلکہ وہ قریش کی عزت کا حقیقی دن ہوگا۔

عثمان کہتے ہیں: یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی، اور مجھے یقین سا ہو گیا کہ ایسا ہو کر رہے گا، بالآخر رمضان ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا، کلید کعبہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں آئی، آپ ﷺ نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا، کلید کے طالبین بہت تھے، مگر آپ ﷺ نے عثمان کو بلایا، فرمایا:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَّوَفَاءٍ.

آج نیکی، خیر خواہی، حسن سلوک اور وفاداری کا دن ہے۔

یہ کلید لو، اسے ظالم کے سوا تم سے کوئی چھین نہ سکے گا، تمہیں وہ دن یاد ہے کہ جب میرے کہنے پر تم نے مجھے یہ کلید دینے سے منع کر دیا تھا، اور میں نے یہ کہا تھا کہ ایک دن یہ کلید

میرے ہاتھ اس طرح آئے گی کہ جس کو میں چاہوں گا، دوں گا، اس پر حضرت عثمان بن طلحہ نے عرض کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (ملاحظہ ہو: زاد المعاد لابن القیم: ۲/ ۲۹۱، اسد الغابۃ: ۶/ ۲۱۳)

نبوت کا چھٹا سال

قریش کی میٹنگ اور پروپیگنڈہ مہم

نبوت کا چھٹا سال ہے، حبشہ سے مشرکوں کا وفد بے نیلِ مرام آیا ہے، غیظ وغضب بڑھا ہوا ہے، ''دارالندوہ'' میں مشرکین کی اہم میٹنگ ولید بن مغیرہ کی سربراہی میں منعقد ہورہی ہے، حج کا موسم قریب ہے، سب کو یہ فکر ہے کہ حج کے لئے بیرون سے آنے والے قافلے محمد ﷺ سے متاثر نہ ہونے پائیں، طے ہورہا ہے کہ ون پوائنٹ (یک نکاتی) پروپیگنڈہ مہم چھیڑ دی جائے، ہم سب ایک رائے اور ایک زبان رہیں، رائے آئی: کاہن کہہ دیا جائے، طے ہوا: نہیں، دوسری رائے آئی: شاعر کہہ دیا جائے، طے ہوا: نہیں، تیسری رائے آئی: دیوانہ کہہ دیا جائے، طے ہوا: نہیں چوتھی اور اکثر حضرات کی رائے آئی: جادوگر کہہ دیا جائے، غور وفکر کے بعد طے ہوا کہ ہاں جادوگر کہہ دیا جائے، قرآن میں اس کی منظر کشی کی گئی ہے:

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ، فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ، فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ، إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ، سَأُصْلِيهِ سَقَرَ، وَمَا أَدْرَاكَ مَاسَقَرُ، لَاتُبْقِي وَلَا تَذَرُ، لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ، عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ. (المدثر/۱۸-۳۰)

اس (ولید بن مغیرہ) کا حال تو یہ ہے کہ اس نے سوچ کر ایک بات

بنائی، خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی بات بنائی، دوبارہ خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی بات بنائی، پھر اس نے نظر دوڑائی، پھر تیوری چڑھائی، اور منھ بنایا، پھر پیچھے کو مڑا، اور غرور دکھایا، پھر کہنے لگا کہ: کچھ نہیں، یہ تو ایک روایتی جادو ہے، کچھ نہیں، یہ تو ایک انسان کا کلام ہے، عنقریب میں اس شخص (ولید) کو دوزخ میں جھونک دوں گا، اور تمہیں کیا پتہ کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ وہ نہ کسی کو باقی رکھے گی، اور نہ چھوڑے گی، وہ کھالوں کو جھلس دینے والی چیز ہے، اس پر انیس کارندے مقرر رہوں گے۔

(ملاحظہ ہو: اصح السیر: عبد الرؤف دانا پوری /۷۸، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۲۷۱، فی ظلال القرآن: سید قطب: سورۃ المدثر)

حضرت ضماد ازدی کا قبول اسلام

حج کا موسم آ گیا ہے، قافلوں پر قافلے آ رہے ہیں، ازدشنوءہ کے ضماد بھی آئے ہیں، یہ آسیب کے معالج اور جھاڑ پھونک میں مشہور ہیں، کسی کے کہنے پر آپ ﷺ کے پاس آئے، بولے: میں آسیب جھاڑتا ہوں، بہت سوں نے شفا پائی ہے، آپ بتایئے کہ آپ کو کیا مرض ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے یہ خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَ نُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَ نَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، ہم اس سے مدد کے طالب ہیں، ہم اس سے مغفرت مانگتے ہیں، ہمارا ایمان اسی پر

ہے، ہم اسی کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار و آقا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

خطبہ سن کر ضماد کے فکر ونظر کی دنیا بدل گئی، دوبارہ سنا، سہ بارہ سنا، بے اختیار بول پڑے:

لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشُّعَرَاءِ، فَمَا سَمِعْتُ مِثْلَ كَلِمَاتِكَ هٰؤُلاءِ، وَلَقَدْ بَلَغْنَ قَامُوْسَ الْبَحْرِ. (مسلم شریف: کتاب الجمعة: ۱/ ۲۸۵)

میں نے کاہنوں کی بات بھی سنی ہے، جادوگروں کے الفاظ بھی سنے ہیں اور شعراء کا کلام بھی سنا ہے، لیکن آپ کے اس کلام کے مانند کوئی کلام میں نے آج تک نہیں سنا، آپ کے کلمات تو دریائے فصاحت میں ڈوبے ہوئے ہیں، آپ یہاں فرما رہے تھے، مگر اس کی تاثیر سمندر کی تہہ تک محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے بعد ضماد نے اسلام قبول کرتے ہوئے عرض کیا:

میں آپ کے ہاتھ پر اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ (ملاحظہ ہو: مشکوۃ المصابیح: کتاب الفضائل: باب علامات النبوۃ)

حضرت حمزہؓ: دامن اسلام میں

آگے بڑھئے! حضور ﷺ صفا پہاڑی پر سے گذر رہے ہیں، ابوجہل سامنے آ گیا، گالیاں دے رہا ہے، آپ ﷺ دعا دے رہے ہیں، پتھر سے زخمی کر رہا ہے، آپ ﷺ صبر کر رہے ہیں، دور سے ایک لونڈی یہ منظر دیکھ رہی ہے، آپ ﷺ کے چچا حمزہ ابھی حلقہ بگوشِ

اسلام نہیں ہوئے ہیں، شکار سے لوٹ رہے ہیں، لونڈی پورا قصہ سناتی ہے، خاندانی غیرت جوش میں آتی ہے، ابوجہل کے پاس پہنچتے ہیں، زور سے اس کے سر پر کمان مارتے ہیں، کہتے ہیں:

> ''میرے بھتیجے پر ظلم کرتے ہو، میں بھی انہیں کے دین کو اختیار کرتا ہوں، ہمت ہو تو میدان میں آؤ، جو کر سکتے ہو کرلو''۔

یہ کہہ کر آپ ﷺ کے پاس واپس آتے ہیں، کہتے ہیں:

> میں نے تمہارا بدلہ لے لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

> چچا مجھے بدلے کی نہیں، آپ کے کلمہ کی ضرورت ہے، میں اس سے خوش نہیں ہوا کہ آپ نے بدلہ لے لیا، میں تو جب خوش ہوں گا جب آپ اسلام کا ستون بن جائیں گے۔(طبقات ابن سعد:۳/۹، سیرت ابن ھشام:۱/ ۲۹۲)

غور فرمایئے! اس ایک جملے میں کیا فکر مضمر ہے، ہمارے پیغمبر ﷺ کو اور اس دین کو بدلہ نہیں، حق کا اعتراف عزیز ہے، یہ دین اس کا محتاج نہیں کہ اس کے لئے بدلہ لیا جائے، اس کی نگاہ میں سب سے قیمتی چیز یہ ہے کہ حق کے دامن رحمت میں لوگ پناہ لے لیں، یہ مزاج بنایا گیا کہ اسلام میں خاندانی عصبیت وحمیت مطلوب نہیں؛ بلکہ حق کا اقرار واعتراف مطلوب ہے۔

آپ ﷺ کے اس جملے نے حضرت حمزہ کی کایا پلٹ دی، ان کی خاندانی حمیت نے ایمانی حمیت کا قالب و پیکر اختیار کرلیا، اور بلا تاخیر انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، اللہ نے اسلام کو ان سے قوت بخشی، پھر دنیا نے دیکھا کہ کس جگر سے انہوں نے معرکے لڑے، احد میں شہید ہوئے اور ''سید الشہداء'' کا لقب پایا۔

حضرت حمزہ کے قبولِ اسلام نے اہل کفر کے کلیجے شق کردیئے، یہ کیا ہورہا تھا:

> بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيْباً.
>
> اسلام کا آغاز تو کسمپرسی کے عالم میں ہوا تھا۔

مگر پھر یہ قافلہ بڑھتا چلا گیا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

قریش کی طرف سے مفاہمت کا فارمولہ
اور آپ ﷺ کا بے مثال کردار

قریش کے سردار صحن کعبہ میں فکروغم میں الجھے ہیں، بیت اللہ کے سائے میں دوسری طرف آپ ﷺ تنہا تشریف فرما ہیں، مشرکین سب وشتم، زجر وتنبیہ، لعن وطعن، ایذا وتکلیف رسانی کے تمام حربے آزما چکے ہیں، کوئی وار کارگر نہیں ہوا ہے، ان کے ترکش میں اب صرف ایک ہی تیر بچا ہے: تحریص، ترغیب، لالچ، سودے بازی اور پیش کش کا تیر، ابوالولید عتبہ اپنے ساتھیوں سے کہہ کر آپ ﷺ کے پاس آیا ہے، بڑی محبت اور لگاوٹ سے کہتا ہے: محمد! تم بھائی ہو، بھتیجے ہو، یہ کیسا دین ہے؟ تمہارا مقصد کیا ہے؟

(۱) اگر تم دولت کے خواہش مند ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، دولت کے خزانے تمہارے قدموں میں نچھاور کر دیئے جائیں گے۔

(۲) اگر تم عورت کے خواہش مند ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، عرب کی سب سے حسین خاتون تمہیں پیش کر دی جائے گی۔

(۳) اگر تمہیں حکومت کی آرزو ہے، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، ہم تمہیں متفقہ طور پر اپنا حاکم تسلیم کر لیں گے۔

(۴) اگر تم بیمار یا آسیب زدہ ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، ہم بہر صورت اور بہر قیمت تمہارا علاج کرائیں گے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ابوالولید کہہ چکے؟ بولا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب میری بات بھی سن لو، پھر آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت شروع کی:

حم. تَنۡزِيۡلٌ مِنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ. كِتَابٌ فُصِّلَتۡ آيَاتُهُ قُرۡآناً عَرَبِيًّا لِقَوۡمٍ يَعۡلَمُوۡنَ. بَشِيۡراً وَنَذِيۡراً، فَأَعۡرَضَ أَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ......

آپ ﷺ نے ۳۸/آیات سنائیں، عتبہ ہمہ تن گوش دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے حیران سنتا رہا، جب آپ ﷺ اس آیت قرآنی پر پہنچے :

فَإِنۡ أَعۡرَضُوا فَقُلۡ أَنۡذَرۡتُكُم صَاعِقَةً مِثۡلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ. (حم السجدہ/۱۳)

پھر بھی اگر یہ لوگ منھ موڑیں تو کہہ دو کہ میں نے تمھیں اس کڑک سے خبردار کردیا ہے جیسا کڑکا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔

تو یہ آیت سن کر عتبہ بے اختیار کہہ پڑا: محمد! اپنی قوم پر رحم کرو، عتبہ وہاں سے واپس ہوا ہے، تو چہرہ فق ہے، رنگ بدلا ہوا ہے، قدم لڑکھڑا رہے ہیں، مشرکین بولے: عتبہ کیا بات ہے؟ بولا:

إِنِّي سَمِعۡتُ قَوۡلاً وَاللّٰهِ مَا سَمِعۡتُ مِثۡلَهُ قَطُّ، وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالسِّحۡرِ وَلاَ بِالشِّعۡرِ وَلاَ بِالۡكَهَانَةِ،يَا مَعۡشَرَ قُرَيۡشٍ! أَطِيۡعُوۡنِي، فَوَ اللّٰهِ لَيَكُوۡنَنَّ لِقَوۡلِهِ الَّذِيۡ سَمِعۡتُ نَبأٌ،وَإِنۡ يَظۡهَرۡ عَلَى الۡعَرَبِ فَمُلۡكُهُ مُلۡكُكُمۡ وَعِزُّهُ عِزُّكُمۡ وَكُنۡتُمۡ أَسۡعَدَ النَّاسِ بِهٖ.

بخدا میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا، خدا کی قسم، نہ یہ شعر ہے، نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے، اے سردارانِ قریش: میری بات مانو، اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، میں سمجھتا ہوں کہ بخدا یہ کلام کچھ رنگ لاکر رہے گا، اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے، اور اگر وہ

عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی، اور تم اس کی وجہ سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

سردارانِ قریش بول اٹھے کہ آخر اس کا جادو تم پر چل ہی گیا۔ عتبہ بولا:

هَذَا رَأْيِي فَاصْنَعُوا مَا بَدَا لَكُمْ.

میں نے اپنی رائے بتادی، اب تم جو چاہو کرو۔

(ملاحظہ ہو: سيرت ابن هشام: ١/ ٢٩٤، سيرت ابن كثير: ١٣٣-١٣٥، تفسير القرطبى: ١٥/ ٢٩٦، مجمع الزوائد: ٦/ ٢٠)

حضرت صدیق اکبرؓ کی والہیت کا انداز

انہیں حالات میں ایک موقع پر آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دعوتِ حق کا فرض انجام دے رہے تھے، مشرکین ٹوٹ پڑے، حضرت ابوبکر آپ ﷺ کے لئے سینہ سپر ہو گئے اور فرمایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ، وَقَدْ جَاءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ.

کیا تم ان کو صرف اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتے ہیں: میرا پروردگار اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں لیکر آئے ہیں۔

یہ سن کر مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے، ناک چپٹی ہوگئی، منہ سرخ ہو گیا، بے ہوش ہو گئے، گھر والے اٹھا کر لے گئے، ہوش آیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ کا نام زبان پر آیا، فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کیسے ہیں؟ جب تک سہارے سے جا کر آپ ﷺ کو دیکھ نہیں لیا قرار نہیں آیا، دو سہاروں سے خدمت میں حاضر ہوئے، رخِ انور دیکھا، جبین مبارک کا بوسہ لیا، یہ شرف صرف انہیں کو ملا ہے، بعد وفات بھی بوسہ لیا ہے، ان کی استقامت دیکھ کر

ان کی والدہ ام الخیر بھی اسلام لے آتی ہیں۔

(دیکھئے: بخاری : التفسیر:۴۸۱۵، مسند احمد:۲۰۴/۲، صدیق اکبر: از مولانا سعید احمد اکبرآبادی:۳۳، سیرت خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیقؓ : طالب ہاشمی: ۵۱)

حضرت عمر فاروقؓ: ابدی ہدایت کی چھاؤں میں

اسلام کا قافلہ ۳۹ نفری پر مشتمل ہے، دوشنبہ کا دن ہے، آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہیں:

اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الإِسْلاَمَ بِأَ حَبِّ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ: بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ. (ترمذی: المناقب: مناقب ابی حفص عمر)

اے اللہ: عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام ابوجہل دونوں میں سے جو آپ کے نزدیک زیادہ محبوب ہو، اس کے قبول اسلام کے ذریعہ اسلام کو باعزت فرمادیجئے۔

منگل آیا، تو پھر یہی دعا فرمائی، بدھ کو پھر یہی دعا، حضرت عمرؓ کے حق میں دعا کی قبولیت کی بشارت مل گئی۔

حضرت عمرؓ بدترین دشمن اسلام ہیں، ننگی تلوار لے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے ہیں، راستے میں انہیں اپنی بہن اور بہنوئی کے قبول اسلام کی اطلاع ملتی ہے، بہن کے گھر آتے ہیں، باہر سے کان لگاتے ہیں تو اندر سے قرآن کی آواز آتی ہے، طیش کے عالم میں دروازہ کھلواتے ہیں، اس وقت حضرت خبابؓ قرآن سکھارہے تھے، وہ چھپ جاتے ہیں، حضرت عمرؓ اپنے بہنوئی اور بہن کو بے تحاشہ مارنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ بہن کا جسم خون آلود ہوجاتا ہے، بہن بولتی ہیں: عمر! تم چاہے جتنا ستاؤ، ہم کسی قیمت پر اس دین حق سے منحرف نہیں ہوسکتے، شاعر نے اس جواب کو یوں نظم کیا ہے ؎

بہن بولی عمر تو آج مجھ کو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوالے

مگر ہم اپنے دینِ حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے
بلندی معرفت کی مل گئی ہے، گر نہیں سکتے

بہن کی استقامت اور ثابت قدمی کا یہ منظر دیکھ کر حضرت عمرؓ بے انتہا متاثر ہوئے، اور وہی لمحہ تھا جب اللہ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت عمرؓ کا سینہ حق کے لئے کھول دیا، انہوں نے قرآن پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، بہن کے کہنے پر غسل کیا، سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں انہیں سنائی گئیں:

طٰهٰ، مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى، إِلَّا تَذْكِرَةً لِمَنْ يَخْشٰى، تَنْزِيْلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى، الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَافِي الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰى. (طٰہٰ/۱-٦)

طٰہٰ! ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم تکلیف اٹھاؤ، البتہ یہ اس شخص کے لئے ایک نصیحت ہے، جو ڈرتا ہو، اسے اس ذات کی طرف سے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا جا رہا ہے جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان پیدا کئے ہیں، وہ بڑی رحمت والا عرش پر جلوہ افروز ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اور ان کے درمیان جو کچھ ہے، وہ سب بھی اسی کی ملکیت ہے، اور زمین کی تہوں کے نیچے جو کچھ ہے وہ بھی۔

یہ آیات سن کر حضرت عمرؓ کا سینہ حق کے لئے کھل گیا ع

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

حضرت خبابؓ نکلے، بشارت سنائی، حضرت عمرؓ نے کلمہ پڑھا، دار الارقم حاضر ہوئے، یہ حاضری غلامانہ، عاجزانہ، عاشقانہ اور فداکارانہ حاضری تھی، قرآن بول پڑا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (الانفال/٦٤)

اے نبی: آپ کے لئے تو بس اللہ اور وہ مومن لوگ کافی ہیں جنہوں نے آپ کی پیروی کی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سیرت ابن هشام: ۱/ ۳۴۳-۳۴۶، فتح الباری: ۷/ ۶۱، کنز العمال: الفضائل: ۱۲/ ۲۴۸)

حضرت حسنؓ فرماتے تھے:

لَقَدْ فَرِحَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ. (کنزالعمال: ۱۲/ ۲۶۸)

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے تمام مسلمان بہت خوش ہوئے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ. (بخاری: المناقب: مناقب عمر)

جب سے عمرؓ اسلام لائے، ہم باعزت ہو گئے۔

یہ بھی کہا گیا:

كَانَ إِسْلَامُ عُمَرَ فَتْحاً وَهِجْرَتُهُ نَصْراً وَخِلَافَتُهُ رَحْمَةً. (کنزالعمال: ۱۲/ ۲۶۸)

حضرت عمرؓ کا اسلام فتح تھا، ان کی ہجرت اللہ کی نصرت تھی، ان کی خلافت اللہ کی رحمت تھی۔

حضرت عمرؓ مرادِ نبی تھے، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، حضرت عمر نے کہا: پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم ضرور باہر نکلیں گے، چنانچہ صحابہ مسجد حرام میں آئے، قریش نے عمرؓ و حمزہؓ کو دیکھا تو دلوں کو گہرا زخم لگا، صحابہ برملا نماز ادا کرنے لگے، آپ ﷺ نے عمرؓ کو فاروق کا لقب دیا۔ (دلائل النبوۃ: ابو نعیم: ۱/ ۲۴۲-۲۴۳، الاصابۃ: ۲/ ۵۱۹)

نبوت کا ساتواں سال

شعب ابی طالب: مظلومیت کا دردناک باب

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام نے کفر و باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا ہے، مکہ کا مشرک ٹولہ اب اپنی برداشت کھوتا جا رہا ہے۔

نبوت کا ساتواں سال ہے، طے کیا گیا کہ ''محمد'' کا پورے خاندان سمیت بائیکاٹ کر دیا جائے، یہ سوشل بائیکاٹ تھا، جس میں طے کر لیا گیا تھا کہ نہ ان سے قرابت رکھی جائے گی، نہ شادی بیاہ کا تعلق رہے گا، نہ لین دین ہوگا، نہ ان سے گفتگو کی جائے گی، نہ میل جول رکھا جائے گا اور نہ انہیں گلیوں بازاروں میں گھومنے دیا جائے گا، ان کے پاس باہر کے حمایتیوں کی طرف سے خوراک نہیں پہنچنے دی جائے گی اور نہ انہیں کھانے پینے کا سامان دیا جائے گا، اور یہ بائیکاٹ اس وقت تک رہے گا جب تک بنو ہاشم محمد کو قتل کرنے کے لئے ہمارے سپرد نہ کر دیں، یہ بائیکاٹ بنو ہاشم، بنو مطلب اور بنو عبد مناف تینوں کے ساتھ تھا، یہ دفعات لکھ کر بیت اللہ کی چھت سے لٹکا دی گئی تھیں، یہ محرم ۷ نبوی کا واقعہ ہے، جناب ابوطالب تمام بنو ہاشم و بنو مطلب کے ساتھ ''شعب ابی طالب'' نامی گھاٹی میں مقیم ہو گئے، ابولہب بنو ہاشم کا فرد تھا مگر وہ مخالف کیمپ میں رہا۔

یہ سوشل بائیکاٹ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو الگ تھلگ، محدود اور کمزور کرنے کے لئے تھا، مقصد یہ تھا کہ اس طرح پیغمبر ﷺ کا آزادانہ میل جول رک جائے گا، ان کا اثر و نفوذ سمٹ جائے گا، دوسرے مسلمانوں پر سختی اور دباؤ آسان ہو جائے گا، تحریک کے کارکن سپاہی

اپنے قائد سے الگ ہوکر حوصلہ کھودیں گے، ہمت ہار جائیں گے، ممکن ہے کہ محمد ﷺ ان سختیوں سے گھبرا کر سپر ڈال دیں، اور گھٹنے ٹیک دیں۔

غور فرمایئے، یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں، مسلسل تین سال تک جاری رہا ہے، روایات میں آتا ہے کہ مسلمان بچوں کے بھوک سے رونے اور بلکنے کی آواز مکہ میں گونجا کرتی تھی، ایک ایک قطرہ دودھ اور پانی کے لئے لوگ ترس رہے تھے، مگر ان سخت دلوں کو رحم نہیں آتا تھا، تین سال تک سختی، اذیت اور پریشانی کا جو عالم گذرا ہے، اس کا تصور بھی کرلیا جائے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، سچ کہا صادق ومصدوق ﷺ نے:

أَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ.

تمام لوگوں میں انبیاء کی پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ لوگوں کی آزمائش سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ (کنزالعمال: ۱۳۳/۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص کے سامنے ایک دن اچھا کھانا آیا، تو زار و قطار رونے لگے اور کہا کہ:

میں سات میں ساتواں تھا، ہم شعب ابی طالب میں تھے۔ ''حَتّٰی تَخَرَّقَتْ أَشْدَاقُنَا'' باچھیں پھٹ گئی تھیں، ایک دن تو سوکھے چمڑے کا ٹکڑا تک کھانا پڑا تھا، درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔

معاملہ حد سے تجاوز کر گیا تو نبوت کے نویں سال کے اختتام پر ہشام بن عمرو بن حارث، زبیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، حکیم بن حزام، زمعہ بن اسود وغیرہ کی مداخلت سے اس ظالمانہ مقاطعے کو ختم کرنے اور اس معاہدے کو پھاڑ ڈالنے کی تحریک زور پر آئی، اُدھر آپ ﷺ نے شعب ابی طالب میں اپنے چچا کو خبر دے دی تھی کہ یہ ظالمانہ معاہدہ نامہ دیمک زدہ ہو چکا ہے، اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے، ابوطالب نے یہ بات مکہ کے دشمن سرداروں تک پہنچائی، اور یہ پیغام بھیجا کہ میرے بھتیجے نے خبر دی ہے کہ تمہاری ظالمانہ

دستاویز ختم ہو چکی ہے، محمد ﷺ جھوٹ نہیں بولتا، تم اسی کو معیار بنالو، معاہدہ نامہ نکال کر دیکھو، اگر وہ صحیح سالم ہے تو میں محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کردوں گا، ورنہ یہ بائیکاٹ کالعدم ہو جائے گا، معاہدہ نامہ نکالا گیا تو اللہ کے مبارک نام کے سوا پورا معاہدہ نامہ دیمک خوردہ نکلا، اس طرح یہ مقاطعہ ختم ہوا، اور محمد ﷺ کی صداقت کا ایک اور نقش دلوں پر قائم ہو گیا۔

(دیکھئے: سیرت ابن ھشام: ۱/۳۷۴-۳۷۷، سیرت ابن اسحاق: ۱/ ۱۵۷- ۱۵۹، زاد المعاد: ۲/۴۶، سیرت المصطفیٰ: کاندھلوی: ۱/ ۲۰۰)

محصوریت کا پیغام امت کے نام

پیغمبر علیہ السلام کی سیرت کا یہ بہت ہی کرب ناک اور روح فرسا باب ہے، غور فرمایئے کہ کیا یہ تین سالہ مظالم کا طوفان محمد ﷺ اور پیروانِ محمد ﷺ کو ان کے مشن سے ایک بالشت کے برابر بھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی ہٹا سکا؟ کیا تحریک محمدی کے سپاہی اپنے قائد اعلیٰ سے تین سال الگ رہ کر پست حوصلہ ہوئے؟ کیا ان کے عزائم میں کمزوری آئی؟ نہیں! تاریخ بتاتی ہے کہ ہر آزمائش کے بعد ان کا ایمان اور پختہ ہوتا جا رہا تھا، ظلم وستم کا ہر طوفان ان کے یقین کو مزید محکم کرتا جا رہا تھا، سیرتِ محمدی ﷺ کا یہ باب ہم سب کے لئے درس و پیغام ہے، دوستو! حق کا راستہ قربانیوں کا راستہ ہوتا ہے، سچائی کا علم اٹھانے والے تنقیدوں، تبصروں، طعنوں، پھبتیوں، مظالم، مصائب اور رکاوٹوں کی زد میں رہتے ہیں، تم حق کے راستے پر چلو گے تو فقر آئے گا، ارشاد نبوی ہے:

اِنْ کُنْتَ صَادِقاً فَاعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافاً.

اگر تم سچے ہو تو فقر وفاقہ کی دشواریوں کے لئے تیار رہو۔ (ترمذی: الزھد: باب ما جاء فی فضل الفقر)

اقتصادی دشواریاں آئیں گی، غربت کی مار سہنی پڑے گی، گالیاں سننی پڑیں گی، مذاق کا نشانہ بنو گے، راہ حق کے مجاہدوں کو یہ سب جھیلنا پڑتا ہے، لیکن یہ سب حالات ان کی رفتار

اور تیز کر دیتے ہیں، ان رکاوٹوں سے ان کی حرارت اور بڑھ جاتی ہے، خطرات ان کی استقامت میں اضافہ کر دیتے ہیں، گویا وہ کہتے ہیں ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

یہی سبق شعب ابی طالب میں پیغمبر علیہ السلام کے اسوہ سے امت کو ملتا ہے، شعب ابی طالب کے اس مظلوم قافلے کی مظلومیت دیکھئے اور ان بدبختوں سے جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل اسلام کو انتہا پسند اور تشدد پسند کہتے ہیں، پوچھئے کہ پوری سیرتِ محمدی تو چھوڑو، پوری مکی زندگی چھوڑو، کیا تم کو شعب ابی طالب کے یہ تین سال، ان سالوں میں بہنے والے آنسو، دلوں سے نکلنے والی آہیں اور کراہیں اور غم والم نظر نہیں آتے۔

آج حقوقِ انسانی (ہیومن رائٹس) کا بڑا چرچا ہے، کمیشن بنے ہوئے ہیں، انسانی جان و مال وآبرو کی بات کہی جاتی ہے، ضمیر کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی، انسان کی شخصی آزادی کا شور بلند کیا جاتا ہے، ان نعرے لگانے والوں کے سامنے کیا یہ سچائی نہیں ہے کہ شعب ابی طالب میں محصور مظلوم کاروان کا قصور کیا تھا؟ ایک اللہ کی پرستاری، شر کو شر کہہ دینا، حق کی صدا لگا دینا، یہ حق کے پرستار کسی کو ستا نہیں رہے تھے، لیکن مکہ کا ظالم طبقہ ان کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، آج بھی انہیں ظالموں کے جانشین مختلف شکلوں، لبادوں اور ٹائٹلوں میں اہل حق کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں، آج پھر وہی رول پلے کیا جا رہا ہے، انداز مختلف ہے، شکل جدا ہے، مگر وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، سیرتِ محمدی ﷺ کا یہ باب ہم کو استقامت اور حوصلے کا پیغام دیتا ہے۔

نبوت کا آٹھواں سال

حضرت صدیق اکبرؓ: ہجرت حبشہ کے لئے آغاز سفر اور درمیان سے واپسی

نبوت کے آٹھویں سال میں حضرت صدیق اکبرؓ پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، انہوں نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کرلیا، نکل پڑے، قبیلہ قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے آپ سے کہا:

فَإِنَّ مِثْلَکَ یَا أَبَابَکْرٍ لَا یَخْرُجُ وَ لَا یُخْرَجُ، فَإِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ، وَ تَقْرِی الضَّیْفَ، وَ تُکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تُعِیْنُ عَلَی نَوَائِبِ الْحَقِّ.

اے ابوبکر: آپ جیسے آدمی کو مکہ سے نہ نکلنا چاہئے اور نہ نکالا جانا چاہئے، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، نادار کو کمائی سے لگاتے ہیں، راہ حق کی مصیبتوں پر مدد کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر ابن الدغنہ نے آپ کو پناہ دے دی، اور اس کا اعلان کردیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی، اہتمام کے ساتھ عبادت اور تلاوت شروع کی، اس کا اثر یہ ہوا:

یَتَقَذَّفُ عَلَیْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِکِیْنَ وَ اَبْنَاؤُهُمْ یَعْجَبُوْنَ مِنْهُ.

مشرک عورتیں اور بچے ان کی عبادت وتلاوت کا منظر دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے، اوراس کا گہرا اثر لیتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ:

كَانَ رَجُلاً بَكَّاءً لا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ.

ان پر گریہ طاری رہتا تھا، جب قرآن پڑھتے تھے تو آنکھوں پر قابو نہیں رہتا تھا۔

اس کیفیت نے ان کی عبادت وتلاوت کی تاثیر کو کئی آتشہ بنا دیا تھا، اس خاموش انقلاب سے مشرکین برافروختہ ہوگئے، ابن الدغنہ پر اصرار بڑھا، اس نے گفتگو کی، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ وَأَرْضَى بِجِوَارِ اللّٰهِ.

میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔

(بخاری:المناقب: باب هجرة النبی الخ)

معجزہ شق القمر

اسی دوران شق القمر کا معجزہ ظاہر ہوا، قمری مہینے کی چودھویں شب تھی، چاند ابھی ابھی طلوع ہوا تھا، کفار نے مطالبہ کیا تھا: سچے نبی ہو تو اس چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ، ابوجہل، عاص بن وائل جیسے بدترین کفار موجود تھے، آپ ﷺ نے اشارہ کیا، یکایک چاند پھٹا، اس کے دو ٹکڑے الگ الگ ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! گواہ رہو، مگر ہٹ دھرم پھر بھی نہ مانے، اسے جادو اور نظر بندی قرار دیا۔ (بخاری: التفسیر: باب وانشق القمر)

قرآن نے واضح کر دیا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا

وَ يَقُولُوا سِحْرٌ مُستَمِرٌّ، وَكَذَّبُوا وَ اتَّبَعُوا أَهْوَاءَ هُمْ وَ كُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ. (القمر/ ۱-۳)

قیامت قریب آ لگی ہے، اور چاند پھٹ گیا ہے، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے، انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے، اور ہر کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک کر رہنا ہے۔

کسریٰ کی قیصر پر فتح اور ناموافق ماحول میں قرآنی پیش گوئی

یہی وہ سال تھا جس میں کسریٰ کی طاقتوں نے قیصر روم کو سالہا سال سے چلی آ رہی مسلسل معرکہ آرائیوں اور رومیوں کی مسلسل ہزیمتوں کے بعد آخری فیصلہ کن شکست دی، ایرانی مجوسیوں کی فتح اور رومی اہل کتاب کی شکست پر مشرکین نے بڑی خوشیاں منائیں اور فطری طور پر مسلمانوں کو رنج ہوا، حالات ایسے تھے کہ رومیوں کے پھر سے ابھرنے کے امکانات ہی ختم ہو چکے تھے، مگر قرآن نے ان ناموافق حالات میں پیشین گوئی کی:

الٓمّٓ. غُلِبَتِ الرُّومُ. فِي اَدْنَى الْاَرْضِ، وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ، فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ، لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ، وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ، بِنَصْرِ اللّٰهِ، يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ، وَهُوَالْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ، وَعْدَ اللّٰهِ، لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم/ ۱-۶)

الم: رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے، چند ہی سالوں میں! سارا اختیار اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس دن ایمان

والے اللہ کی دی ہوئی فتح سے خوش ہوں گے، وہ جس کو چاہتا ہے، فتح دیتا ہے، اور وہی صاحب اقتدار بھی ہے، بڑا مہربان بھی، یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

یہ آیات حضرت صدیق اکبرؓ نے مشرکوں کے درمیان پڑھیں، انہوں نے خوب مذاق بنایا، ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے تین سال کے لئے دس اونٹوں کی دوطرفہ شرط لگائی جو اس وقت جائز تھی، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے مدت ۹؍سال اور اونٹوں کی تعداد ۱۰۰؍کرادی۔

اس پیشین گوئی کو سات سال پورے ہوئے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر آئی، قرآن کی صداقت ظاہر ہوئی، یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں ۲؍ہجری میں آپ ﷺ نے مشرکین کو فیصلہ کن شکست دی، شرط کے مطابق ۱۰۰؍اونٹ حضرت ابوبکرؓ کو ملے، اب یہ حرام ہو چکے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے یہ غریبوں میں تقسیم کروادیئے۔

(معارف القرآن: ٦/٧٢٠، سیرت سرور عالم: ٢/٥٩٥-٥٩٩)

نبوت کا نواں سال

محصوریت سے آزادی

اس کے بعد نبوت کا نواں سال شروع ہوتا ہے۔ یہ وہی سال ہے جس میں مسلمانوں کو شعب ابی طالب کے ظالمانہ محاصرے اور مقاطعے سے نجات ملی تھی، اس کا مفصل تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔

نبوت کا دسواں سال

قریش کا وفد آخری بار ابوطالب کی خدمت میں

اب آیئے نبوت کے دسویں سال میں، آپ ﷺ شعب ابی طالب سے نکل چکے ہیں، اپنے مشن میں دل وجان سے لگے ہوئے ہیں، دشمنوں کی طرف سے رکاوٹیں جاری ہیں، ابوطالب ۸۰/سال سے تجاوز کر چکے ہیں، ان کی صحت بے حد کمزور ہو چکی ہے، ان حالات میں قریش کا وفد آخری بار ان کے پاس آیا ہے، ۲۵/صنادید قریش وفد میں شامل ہیں، وفد نے ابوطالب سے کہا کہ آپ محمد ﷺ کو یہاں بلایئے، ان کے بارے میں ہم سے اور ہمارے بارے میں ان سے عہد لیجئے، وہ ہم سے دست کش رہیں اور ہم ان سے، وہ ہم کو ہمارے دین پر چھوڑ دیں اور ہم ان کو ان کے دین پر، ابوطالب نے آپ ﷺ کو بلوایا، بات رکھی گئی، آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ آپ لوگ یہ بتائیں کہ اگر میں

”کَلِمَةٌ تَقُولُونَهَا تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِيْنُ لَكُمُ الْعَجَمُ“.

ایسا کلمہ پیش کردوں جس کو ماننے کے بعد آپ عرب وعجم سب کے مالک بن جائیں تو آپ کی کیا رائے ہوگی؟ لوگ یہ سن کر سٹپٹا گئے، ابوجہل نے کہا کہ وہ بات کیا ہے؟ ہم ایسی دس باتیں بھی ماننے کو تیار ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ“

یہ سن کر وہ سب گالیاں بکتے چلے گئے، مشرکین نے بار بار عقیدہ توحید پر اور تمام

خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا ماننے پر تعجب و تحیر کا اظہار کیا، ان کے بارے میں قرآن کی یہ آیات اتریں:

ص، وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ، بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فِيْ عِزَّةٍ وَ شِقَاقٍ، كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ، وَ عَجِبُوا أَنْ جَاءَ هُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَ قَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ، أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِداً، إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ. (ص/۱-۵)

ص: قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی، کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ اس لئے اپنایا ہے کہ وہ بڑائی کے گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں، اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کیا، تو انہوں نے اس وقت آوازیں دیں جب چھٹکارے کا وقت رہا ہی نہیں تھا، اور ان (قریش کے) لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ ایک خبر دار کرنے والا انہی میں سے آ گیا، اور ان کافروں نے یہ کہہ دیا کہ وہ جھوٹا جادوگر ہے، کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ (سیرت ابن ھشام: ۱/۴۱۷-۴۱۹، مختصر السيرة: ۹۱)

مہربان چچا کی رحلت

اس واقعہ کے کچھ ہی عرصہ بعد جناب ابوطالب کی وفات ہوگئی، آپ ﷺ نے بہت چاہا کہ انہیں قبول حق کی توفیق مل جائے، مگر یہ ان کا مقدر نہ تھا، قرآن نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ، وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ. (القصص/۵۶)

اے پیغمبر: حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہنچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔(بخاری:باب قصة ابی طالب)

شریک حیات کے فراق کا صدمہ

ابوطالب کی وفات آپ ﷺ کے لئے ایک پشت پناہ سرپرست سے محرومی تھی، ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ دو ماہ یا تین دن کے بعد رمضان ۱۰/نبوی میں آپ ﷺ کی شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا داغِ مفارقت دے گئیں، اس طرح ایک ربع صدی کی بے مثال رفاقت ختم ہوئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لئے بہت مضبوط سہارا تھیں۔(طبقات ابن سعد: ۲۱۷/۸)

آپ ﷺ نے فرمایا:

خدیجہ نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا اور اس وقت اسلام لائیں جب لوگ کفر میں تھے، اور اس وقت اپنے مال میں شریک کیا جب کوئی مدد کو تیار نہ تھا۔(مسند احمد: ۱۱۸/۶)

عام الحزن

یہ پے در پے دو سنگین حادثے تھے، یہ سال آپ ﷺ کے لئے ''عام الحزن'' ثابت ہوا، اور اسی نام سے معروف ہوا۔

حضرت سودہؓ سے نکاح

اسی سال (۱۰/نبوی) ماہ شوال میں آپ ﷺ کا عقد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، یہ قریش کی معزز اور قدیم الاسلام خاتون ہیں، حضرت خدیجہؓ کے بعد یہ پہلی خاتون ہیں جن سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا، چند سالوں کے بعد انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ فرمادی تھی۔(رحمة للعالمین:۲/ ۱۶۵)

ظلم بڑھتا گیا

ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اب مشرکین نے آپ ﷺ کو کھل کر ستانا شروع کر دیا، گالیاں، غلاظتیں، کوڑے، تشدد، ظلم، خاک ڈالنا، تھوکنا، پتھر پھینکنا، دست درازی، یہ سارے سلسلے پہلے سے بڑھ گئے۔(محسن انسانیت: نعیم صدیقی: ۱۹۱)

سفر طائف: حیات نبوی ﷺ کا سب سے جاں گسل مرحلہ

طائف کی وادی کون بھول سکتا ہے؟ جہاں آپ ﷺ کو ظلم وستم کے طوفان کا سامنا ہوا تھا، روایات میں آتا ہے کہ شوال ۱۰ ؍ہجری میں آپ ﷺ طائف جاتے ہیں، امیدیں ہیں، تمنا ہے، خواہش ہے کہ مکہ اسلام سے بے زار ہے، تو طائف ہی دین رحمت کے سائے تلے آ جائے، طائف کے سرداروں، قبیلہ ثقیف کے سربراہوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب سے ملتے ہیں، دعوتِ حق پیش کرتے ہیں، مگر جواب میں طنز وملامت کے تیر سہنے پڑتے ہیں، حضور ﷺ کہتے ہیں: میں تمہارا خیر خواہ بن کر آیا ہوں، مگر طائف کی قوم اس ناصحانہ جذبے کا صلہ یہ دیتی ہے کہ جسم اقدس پر پتھروں کی بارش ہوتی ہے، پورا لباس خون سے تر ہو جاتا ہے، جوتے خون سے لبریز ہو جاتے ہیں:

وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار آپ ﷺ سے پوچھا تھا کہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گذرا ہے، فرمایا: ہاں طائف کا دن، جب ظلم ہر حد سے تجاوز کر گیا تھا۔(مشکوۃ المصابیح: الفضائل: باب المبعث)

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ ہیں، آپ ﷺ زخموں سے چور ہیں، زید

آپ ﷺ کو سہارا دے رہے ہیں، سیرت نبویہ کا یہ بہت ہی عجیب باب ہے، پیغمبر علیہ السلام کے دل کے جذبات کیا رہے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اپنے رب کے حضور اٹھادئے، اور کس دل سے اور تضرع، انابت، عجز، خشوع وعبدیت کی کس روح سے یہ بول کہے۔

اَللّٰھُمَّ إِلَیکَ أَشکُو ضُعفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِیلَتِي، وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ، یَا أَرحَمَ الرَّاحِمِینَ، أَنتَ رَبُّ المُستَضعَفِینَ، وَأَنتَ رَبِّي، إِلَی مَن تَکِلُنِي؟ إِلَی بَعِیدٍ یَتَجَھَّمُنِي أَم إِلَی عَدُوٍّ مَلَّکتَهُ أَمرِي؟ إِن لَم یَکُن بِکَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلا أُبَالِي، غَیرَأَنَّ عَافِیَتَکَ أَوسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجهِکَ الَّذِي أَشرَقَت لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیهِ أَمرُ الدُّنیَا وَالآخِرَةِ مِن أَن یَنزِلَ بِي غَضَبُکَ أَو یَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُکَ، وَلَکَ العُتبَیٰ حَتَّی تَرضَیٰ، وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِکَ.

بار الہا: آپ ہی کے دربار میں میں اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بےقدری کا شکوہ اور گلہ کرتا ہوں، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے: آپ کمزوروں کے رب ہیں، آپ میرے پروردگار ہیں، آپ مجھے کس کے حوالے کر رہے ہیں؟ بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ دشمن کے جو میرے اوپر قابو یاب ہو؟ اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں، تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں، مگر آپ کی عطا کردہ عافیت میرے لئے عظیم دولت ہے، میں ظلمتوں میں اجالا کردینے والے اور دنیا اور آخرت کے تمام معاملات درست کردینے والے آپ کے نور کا واسطہ دیکر اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، کہ آپ کا غضب مجھ پر اترے یا آپ کی

ناراضگی کا میں شکار ہوجاؤں، آپ ہی کی رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ آپ خوش ہوجائیں، اور آپ ہی کی توفیق اور مدد سے گناہوں سے بچنا اور نیک کام کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۵/ ۳۴۶، سیرت ابن ھشام :۲/ ۴۲۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی آبادی سے مظلومانہ لہولہو نکل رہے ہیں، راستے میں انگوروں کا باغ تھا، جس کے مالک مکہ کے دو دولت مند بھائی عتبہ وشیبہ تھے، انہیں کوئی غیرت تو نہ آئی، ذراسی ہم دردی ہوئی، اپنے نصرانی غلام عدّاس کے ہاتھ انگور بھجوادئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کردیا، عداس حیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے لگا، بولا کہ یہ جملہ تو یہاں کے لوگ نہیں بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہاں کے ہو، تمہارا دین کیا ہے؟ عداس نے کہا: میں نینوا کا ہوں، دین مسیحی پر قائم ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم مردصالح یونس بن متیٰ کے ہم وطن ہو، عداس کی آنکھیں فرط تحیر سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پوچھا کہ آپ یونس کو جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یونس میرے بھائی ہیں، وہ بھی خدا کے نبی تھے، میں بھی خدا کا نبی ہوں، یہ سن کر عداس والہانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ہاتھ چومے، عرض کیا:

أَشْهَدُ أَنَّکَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے اللہ بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عداس واپس ہوا، تو اس کے آقاؤں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ تھا؟ بولا: میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے کہ جو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ اس دور کے نبی ہیں، ان کو نقصان پہنچانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔(الروض الانف:۲/ ۲۳۴، سیرت ابن ھشام: ۱/ ۴۱۹-۴۲۲، سیرت سرور عالم: ۲/ ۶۳۳-۶۳۶، رسول رحمت: آزاد/ ۱۵۱-۱۵۲)

پیغمبر علیہ السلام کی مظلومیت کا یہ منظر دیکھ کر اللہ کی غیرت جوش میں آ جاتی ہے، ہوا کا فرشتہ حاضر خدمت ہوتا ہے، اجازت دیجئے کہ ان ظالموں کو تیز ہواؤں کے ذریعہ اکھاڑ اور پٹخ دیا جائے، پہاڑوں کا فرشتہ آتا ہے، عرض کرتا ہے:

إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ؟

اجازت دیجئے، کہ ان ظالموں کو دونوں پہاڑوں کے بیچ پیس دیا جائے۔

طائف کے اوباشوں کا زخم خوردہ مظلوم پیغمبر کہتا ہے کہ میں ان کے لئے بددعا نہیں کرتا، یہ نہیں تو ان کی نسلیں ایمان لائیں گی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.

اے اللہ: میری قوم کو ہدایت دیجئے، یہ حق نہیں جانتی۔

جناب رحمۃ للعالمین نے سن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

(دیکھئے: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۱، صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب ما لقی النبیﷺ من اذی المشركين و المنافقين، زاد المعاد: ۱/ ۳۰۲)

یہ ہے کردار اس نبی کا جسے ”رؤف و رحیم“ کا لقب دیا گیا اور فرمایا گیا:

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ. (التوبہ/۱۲۸)

تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے کردار کی مثال تلاش کر کے بھی نہیں پائی جا سکتی۔

جنوں کا قبول اسلام

سرکاردوعالم ﷺ دس روز کے سفر طائف سے واپس ہورہے ہیں، وادیٔ نخلہ میں قیام فرما ہیں، آپ ﷺ نماز میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت کررہے ہیں، مقام نصیبین کے جن حاضر ہوئے ہیں، ان کے دل بے انتہا متاثر ہوئے ہیں، سورہ رحمٰن میں بار بار دہرائی جانے والی اور فصاحت اور بلاغت کی انتہائی شاہکار آیت کریمہ:

فَبِاَیِّ اٰلاءِ رِبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ.

اے جن وانس: اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

کے جواب میں

لَا بِشَیْئٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ.

اے ہمارے رب: ہم آپ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔

کے بول جنوں کی زبانوں سے نکل رہے ہیں، جنوں کا وفد مشرف باسلام ہوا ہے، اس کے بعد تو بار بار ان کی حاضری ہوتی رہی ہے۔(الرحیق المختوم:۲۰۳، سیرت احمد مجتبی: شاہ مصباح الدین شکیل: ۱/۳۷۲-۳۷۶)

جنوں کے اس واقعہ سے یہ پیغام بھی دیا گیا ہے کہ اگر بنی نوعِ انسان اللہ کے دین کو ٹھکراتے ہیں، تو اللہ کی دوسری مخلوق دین کو قبول کرنے کے لئے موفق کردی جاتی ہے، یہ کائنات میں اللہ کی سنت ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوا اَمْثَالَکُمْ. (محمد/۳۸)

اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا،
پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

طائف نے جہاں صدمہ دیا تھا، جنوں کے واقعہ نے آپ ﷺ کو حوصلہ دیا۔

مکہ واپسی

وادئ نخلہ سے آپ ﷺ مکہ کی طرف لوٹ رہے ہیں، کوہ حرا کے دامن میں پہونچ کر مقیم ہیں، حضرت زید نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! مکہ والے تو آپ کو برداشت نہیں کرتے، آپ
کیسے جائیں گے؟

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

زید: اللہ ضرور راستہ نکالے گا، وہ یقیناً اپنے دین کا مددگار اور اپنے
نبی کو غلبہ عطا کرنے والا ہے۔ (شرح الزرقانی علی المواهب: ۱۵۷/۲)

پھر آپ ﷺ نے بالترتیب اخنس بن شریق، سہیل بن عمرو اور مطعم بن عدی (سرداران مکہ) کے پاس پناہ خواہی کا پیغام بھیجا، اول الذکر دونوں نے عذر کرلیا، مطعم بن عدی نے مثبت جواب دیا، اور اپنے بیٹوں اور متعلقین کے جلو میں آپ ﷺ کو بحفاظت حرم میں داخل کرایا، پھر مطعم نے بآواز بلند اعلان کیا کہ میں نے محمد ﷺ کو امان دے دی ہے۔

آپ ﷺ نے مطعم کے اس حسن سلوک کو آئندہ ہمیشہ یاد رکھا اور برابر ان کا ذکر خیر فرماتے رہے۔ (الرحیق المختوم/۲۰۵-۲۰۶، سیرت سرور عالم: ۶۳۹/۲)

حضرت طفیلؓ کا قبول حق

حج قریب ہے، آپ ﷺ افراد و قبائل پر محنت کر رہے ہیں، حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ انہیں حالات میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں، وہ مکہ پہنچے، مشرکین کے وفود آپ ﷺ کے

بارے میں انہیں بدگمان کرتے رہے، پروپیگنڈے کا اتنا اثر ان پر ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات اور آپ ﷺ کی بات نہ سننے کا تہیہ کرلیا، حرم کعبہ میں آئے تو کانوں میں روئی ڈال لی، اچانک انہوں نے آپ ﷺ کو کعبہ کے پاس نماز ادا کرتے دیکھا تو بے اختیار آپ ﷺ کے قریب آ گئے، نہ چاہتے ہوئے بھی قرآن سننے لگے، قرآن کے بولوں نے ان کے دل میں انقلابی اثر ڈال دیا، پھر انہوں نے بالارادہ آپ ﷺ سے ملاقات کی، فوراً اسلام قبول کرلیا، اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینے کا عہد کیا، درخواست کی کہ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ مجھے کوئی نشانی عطا ہو جائے، آپ ﷺ کی دعا سے یہ نشانی عطا ہوئی کہ ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی دے دی گئی، پھر ان کی درخواست پر یہ روشنی ان کے کوڑے پر دے دی گئی، حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ قرآن کے مفتوح تھے، قرآن کی چند آیتوں نے ان کی کایا پلٹ دی تھی۔(سيرة ابن هشام: ١/١٨٢و١٨٥، رحمة للعالمين: ١/٨١-٨٢)

نبوت کا گیارہواں سال

یثرب کا پہلا وفد اسلام کے سایۂ رحمت میں

اب نبوت کے گیارہویں سال میں آیئے! مدینہ منورہ (یثرب) میں آباد دو مشرک قبائل اوس وخزرج ایک مدت سے آپ ﷺ کا ذکر سنتے آرہے تھے، ان کے افراد حج کے لئے آتے رہتے تھے۔ ۱۱ر نبوی میں خزرج کے ۶ر افراد نے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی قیادت میں آپ ﷺ سے حج کے موقع پر ملاقات کی، آپ ﷺ نے ان کے سامنے حق کی دعوت پیش کی، انہوں نے بلا تاخیر حق قبول کرلیا، یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، تو ان کے ذریعہ اسلام کا پیغام اور آپ ﷺ کا ذکر ہر گھر تک پہنچ گیا۔(سیرۃ ابن ھشام: ۱/ ۴۲۸-۴۳۰)

حضرت عائشہؓ سے عقد

یہی وہ سال ہے جس میں ماہِ شوال میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا، جن کی رخصتی ہجرت کے بعد عمل میں آئی۔

نبوت کا بارھواں سال

سفرِ معراج: مرے آقا کے قدم عرش بریں تک پہونچے

اب نبوت کا بارھواں سال شروع ہو چکا ہے، اس سال کا سب سے اہم واقعہ سفر معراج ہے، یہ حیاتِ طیبہ ﷺ کا بہت اہم باب ہے، شعب ابی طالب کی نظر بندی اور طائف کی کلفتوں کا نقد صلہ، افلاک کی نظر نوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی کی شکل میں عنایت ہوا، واقعہ معراج کے وقوع کی تاریخ میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں، تاہم مؤرخین اور سیرت نگاروں کا رجحان ۱۲ر نبوی کی طرف ہے، اور اغلب یہ ہے کہ وہ ماہِ رجب کی ۲۷ ویں شب تھی۔

آپ ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں ہیں، چھت پھٹتی ہے، دو فرشتے آئے ہیں، آپ ﷺ کو اٹھا کر زمزم پر لایا گیا ہے، سینہ چاک ہوا ہے، قلب اطہر نکالا گیا ہے، سونے کے طشت میں بھرے ہوئے علم وحکمت کو قلب اطہر میں ڈالا گیا ہے، پھر قلب اپنے مقام پر فٹ کر دیا گیا ہے، براق نامی سواری لائی جا رہی ہے، اس کی تیز رفتاری بجلی سے بڑھی ہوئی ہے، آپ ﷺ ایک مہینے کی مسافت سکنڈوں میں طے کر رہے ہیں، مسجد اقصیٰ پہنچ رہے ہیں، سواری پتھر کے سوارخ میں باندھی جا رہی ہے، دو پیالے پیش کئے جاتے ہیں، آپ ﷺ شراب کا پیالہ نہیں لیتے، دودھ کا پیالہ لیتے ہیں، جبرئیل امین کہتے ہیں:

أَمَا إِنَّکَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُکَ.

مبارک ہو کہ آپ نے دودھ کا پیالہ لیا، اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ (بخاری: احادیث الانبیاء: ۳۴۳۷)

آسمانی سیڑھی (معراج) آتی ہے، آپ ﷺ آسمانوں پر جارہے ہیں، ہر آسمان پر ملائکہ استقبال کررہے ہیں، رشک کررہے ہیں ع

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

پہلے آسمان پر سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ''مَرْحَباً بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ'' (نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید) کہہ کر استقبال کرتے ہیں، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوتی ہے، آپ ﷺ نے بیری کا درخت (سدرۃ المنتہیٰ) دیکھا، چار نہریں دیکھیں، دو باطنی (جنت کی نہریں) دو ظاہری (نیل وفرات) اور بیت المعمور دیکھا، جہاں روزانہ ۷۰/ ہزار فرشتے جاتے ہیں، دوبارہ نمبر نہیں آتا، رف رف سواری لائی جاتی ہے، قلموں کے چلنے کی آواز (صریف الاقلام) سنی، گویا یہ اللہ کا وہ سکریٹریٹ تھا جہاں دنیا کے لئے بھیجے جانے والے سارے فرامین لکھے جاتے ہیں، اللہ سے ہم کلامی کا اعزاز مل رہا ہے: ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

آپ ﷺ عرش تک پہنچتے ہیں ع

میرے آقا کے قدم عرشِ بریں تک پہنچے

بارگاہِ رب العزت میں نذرانہ پیش کرتے ہیں:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ.

تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ کے لئے خاص ہیں۔

اللہ کی طرف سے فرمایا جاتا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.

اے نبی: آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔

آپ ﷺ نے دوبارہ عرض کیا:

اَلسَّلامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.

ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔

اس پر ملائکہ نے کہا:

أَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُه.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

ان الفاظ کو یادگار بنا کر نماز کا حصہ بنا دیا گیا۔

اس سفر میں واپسی پر آپ ﷺ کو انبیاء کی امامت کا شرف بھی عطا ہوا، جنت وجہنم کے مناظر بھی دکھائے گئے، غیبت کرنے والوں کو مردار کا گوشت کھاتے اور یتیموں کا مال کھانے والوں کو انگارے کھاتے دکھایا گیا، سود خوروں کے پیٹ بڑے کمروں کی طرح دکھائے گئے، جن میں سانپ بھرے تھے، نماز چھوڑنے والوں کے سر پتھر سے کچلے جاتے دکھائے گئے، زنا کاروں کو سڑا ہوا گوشت کھاتے دکھایا گیا، اس طرح بے شمار خوف ناک مناظر سامنے آئے۔

اس موقع پر بارگاہِ الٰہی سے آپ ﷺ کو مختلف تحفے دئے جا رہے ہیں، پہلا تحفہ نمازوں کا ہے، پہلے ۵۰ر نمازیں فرض ہوئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دہانی پر آپ ﷺ کی گذارش پر مختلف قسطوں میں تخفیف کے بعد آخر میں ۵ر نمازیں فرض کی گئیں، اور فرما دیا گیا کہ:

هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ، مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ.

نمازیں پانچ ہیں، ثواب پچاس کا ملے گا، میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی۔

اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین (اہل ایمان کی معراج اور ترقی کا زینہ) کہا گیا ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری: الصلوۃ: باب کیف فرضت الصلوۃ، مسلم: الایمان: باب الاسراء، زاد المعاد: ۲/۴۷-۴۸، سیرت سرور عالم: ۲/۶۴۳-۶۶۲ مختصراً، نیز کتب تفاسیر: تفسیر سورۃ الاسراء)

دوسرا تحفہ سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا عطا ہوا ہے، جن میں اسلام کے عقائد، ایمان کی تکمیل اور دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے۔

حضرات گرامی! یہ تاریخ نبوت کا عجیب واقعہ تھا، اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے بلا واسطہ کلام فرمایا، اپنے ملائکہ کو اپنے محبوب ﷺ کا دیدار کرایا، ملائکہ پر اپنے محبوب ﷺ کی برتری کا اظہار فرمادیا، اپنے محبوب ﷺ کی سب پر امامت ثابت کردی، اپنے محبوب ﷺ کی دل داری فرمادی، یہ سب حکمتیں اس سفر میں پنہاں ہیں، پھر اس سفر سے واپسی پر آپ ﷺ نے امت کو جو پیغام دیا ہے، وہ سورۂ بنی اسرائیل میں محفوظ ہے، جس کی ابتدائی آیت میں اس سفر کا ذکر ہے، پھر عبرت ونصیحت کے لئے بنی اسرائیل کی عبرت ناک تاریخ یاد دلائی گئی ہے، پھر وہ ۱۴/اصول بیان ہوئے ہیں جن پر آپ ﷺ نے بعد میں مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کی، اور جو سفر معراج کا اصل پیغام ہیں۔

(۱) شرک نہ کرنا (اَلَّا تَعۡبُدُوۡا اِلَّا اِیَّاہُ)

(۲) اطاعت والدین (وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا...)

(۳) اہل حقوق کے حق ادا کرنا (وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ...)

(۴) دولت غلط طریقے سے ضائع نہ کرنا (وَلَا تُبَذِّرۡ...)

(۵) اعتدال سے کام لیکر اسراف اور بخل سے بچنا (وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً)

(۶) اللہ کے نظام تقسیم رزق میں اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل اندازی نہ کرنا، یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے (اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ...)

(۷) نسل کشی نہ کرنا (لَا تَقۡتُلُوۡا...)

(۸) زنا نہ کرنا (وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا)

(۹) قتل ناحق نہ کرنا (وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ...)

(۱۰) یتیم کے مفاد کی حفاظت اور حسن سلوک (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ)

(۱۱) وفائے عہد کرنا (وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ)

(۱۲) ناپ تول میں برابری (وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ)

(۱۳) انفرادی واجتماعی زندگی میں وہم وظن کے بجائے علم ویقین کی پیروی (وَلَا تَقْفُ...)

(۱۴) تکبر نہ کرنا (وَلَا تَمْشِ...) (تفصیل کے لئے دیکھئے: سیرت سرور عالم:۲/۶۶۲- ۶۶۷)

آپ ﷺ یہ پیغام لے کر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے ہیں، ابھی رات باقی ہے، بستر گرم ہے، ایسا لگا جیسے وقت تھم گیا ہو، یہ پیغمبر علیہ السلام کا عظیم معجزہ تھا، جو کسی اور نبی کو نہیں ملا، مگر اللہ نے اس اعزاز کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِى اَسْرَى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً. (بنی اسرائیل/۱)

پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔

یہاں ''عبـــــد'' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، اس طرح یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اللہ کو اپنے بندوں کی جو ادا سب سے پیاری ہے وہ عبدیت اور بندگی کی ادا ہے، بندہ اپنے مالک کو سب سے پیارا اسی وقت لگتا ہے جب وہ بندگی کے جوہر دکھاتا ہے، اور یہی مقصد تخلیق ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات/۵۶)

میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

معراج کا واقعہ مکہ میں بیان کیا جاتا ہے، تو اسے مذاق کا موضوع بنایا جاتا ہے، مکہ کے دشمن آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈے بڑھا دیتے ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس مشرکوں کا وفد گیا، ان کو خبر دی گئی، مقصد تھا کہ ابوبکرؓ انکار کردیں، مگر انہوں نے بلا تاخیر کہا کہ:

''کوئی اور کہے تو میں یقین نہیں کرتا، لیکن اگر حضرت محمد ﷺ نے کہا

ہے تو واقعہ سچ ہے، وہ غلط کہہ ہی نہیں سکتے۔''

اسی دن آپ کو''صدیق'' کا لقب عطا ہوا۔(سیرۃ ابن هشام:۱/۳۹۹، دلائل النبوۃ للبیهقی:۲/۳۶۰، المستدرك للحاكم:۳/۶۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کی زندگی کا سب سے تکلیف دہ دن کون تھا؟ فرمایا: جب مجھے حطیم کے پاس گھیرا گیا اور پوچھا گیا کہ: مسجد اقصیٰ میں کتنے دروازے، طاقچے اور روشن دان ہیں؟ یہ نازک موقع تھا؛ لیکن اللہ نے مسجد اقصیٰ کی پوری تصویر ونقشہ آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا وہ بے کم وکاست درست تھا، اس نے مخالفین کی عقلیں حیران اور زبانیں گنگ کردیں، اس واقعہ پر ایک مدت گذر چکی تھی، ابوسفیان روم کے قیصر کے دربار میں ہیں، موضوعِ گفتگو آپ ﷺ کی ذات ہے، ابوسفیان نے آپ ﷺ کو رسوا کرنے کے لئے یہ بھی کہا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ راتوں رات وہ مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمان گئے، اور صبح سے پہلے آگئے، یہ سن کر قیصر کی مجلس کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور بولا: میں وہ رات جانتا ہوں، لوگوں نے کہا: کیسے؟ بولا! اس زمانے میں مسجد اقصیٰ کے دروازے بند کرنے کی ڈیوٹی میری تھی، ایک دن ہم سب دروازے بند کررہے تھے، مگر صدر دروازہ بند ہی نہیں ہورہا تھا، سب نے زور لگالیا، مستری بلایا، مگر وہ اتنا جام تھا کہ نہ بند ہوا، صبح کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا، صبح ہم پہنچے تو دروازہ بالکل ٹھیک تھا، ایسا لگا جیسے وہاں کوئی جانور باندھا گیا ہو، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: رات دروازے کا کھلا رہنا صرف اسی نبی کے لئے تھا، جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی، یہ وہی رات تھی، جب آپ ﷺ سفر معراج میں تشریف لے گئے تھے، اللہ نے غیروں کے ذریعہ آپ ﷺ کی صداقت کا اقرار کرایا۔

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الأَعْدَاءُ. (دلائل النبوۃ للبیهقی:۲/۳۶۱، سیرت احمد مجتبیٰ:۱/۴۰۴)

یہاں یہ بھی مقام غور ہے کہ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ میرا بندہ خود گیا تھا، اللہ کہہ رہا ہے کہ میں اپنے بندے کو لے گیا تھا، ﴿اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ﴾ میں قادر مطلق ہوں، میں وقت کا بھی خالق ہوں، زمان کا بھی، مکان کا بھی، میں جب چاہوں وقت کی رفتار روک سکتا ہوں، میں جب چاہوں زمانے کا پہیہ جام کر سکتا ہوں، اگر تم میری قدرت پر یقین رکھتے ہو تو تم کو اس واقعہ کی صداقت پر شک نہیں ہو سکتا، شک اسے ہوتا ہے جو جانے والے کو دیکھ رہا ہو، اسے کیسے شک ہو سکتا ہے جو لے جانے والے رب کو اور اس کی قدرتِ مطلقہ کو جانتا اور مانتا ہو۔

(خطبات بنگلور: مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ: ۷۶)

یثرب کا دوسرا وفد آغوش توحید میں

نبوت کا بارہواں سال ختم ہونے کو ہے، حج کا موسم ہے، مدینہ منورہ سے ۱۲/آدمیوں کا وفد آیا ہے، اس میں ۵/وہ بھی ہیں جو گذشتہ سال مسلمان ہو چکے تھے، ان میں دس خزرج کے اور دو اَوس کے ہیں، دعوتِ اسلامی نے اوس وخزرج کی باہمی خلیجیں گھٹانی اور فاصلے مٹانے شروع کر دئے ہیں، قبائلی نخوت کم ہوتی اور ایمانی اخوت بڑھتی جارہی ہے، یہ ۱۲/خوش نصیب منیٰ میں عقبہ (گھاٹی) کے پاس آپ ﷺ سے مل رہے ہیں، تجدید وفا کر رہے ہیں، بیعت ہو رہے ہیں، آپ ﷺ فرما رہے ہیں:

بَایِعُوْنِی عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِکُوا بِاللّٰہِ شَیْئاً، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَکُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ، وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَۃً، وَلَا تَعْصُوا فِیْ مَعْرُوْفٍ.

تم مجھ سے عہد کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اپنی طرف

سے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لاؤ گے، کسی پاک دامن کو تہمت نہیں لگاؤ گے، اور مشروع چیزوں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ (بخاری: المناقب:باب وفود الانصار)

یہ بیعت عقبۂ اولیٰ تھی، مدینہ کے ان بارہ افراد کے ساتھ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا اولین مبلغ وسفیر بنا کر یثرب بھیجا، بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا بھی ذکر ہے، حضرت مصعبؓ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان بنے، نبوت کے تیرھویں سال میں ان مبلغین نے حق کی لہر دوڑا دی تھی، قبائل مدینہ میں انقلاب برپا کر دیا تھا، انہیں قابل رشک کامیابی ملی، اور بہت سے لوگ اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے۔(سیرت ابن ھشام:۲/۴۳۵-۴۳۷، زاد المعاد:۲/۵۱)

نبوت کا تیرہواں سال

یثرب کا تیسرا وفد بارگاہ نبوت میں

۱۳/نبوی حج کا موسم ہے، یثرب کے حلقہ بگوشانِ اسلام اپنے نبی ﷺ کے لئے جذبات عقیدت ومحبت لئے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں، ۷۵/افراد آئے ہیں، جن میں دوخواتین بھی ہیں، آدھی رات کے بعد خفیہ ماحول میں جمرۃ العقبہ کے پاس منیٰ میں آپ ﷺ نے ان کے ساتھ اہم میٹنگ کی، میٹنگ میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی شریک ہیں، باہر حضرت ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہم پہرہ دار ہیں، تاکہ راز افشاء نہ ہوسکے، حضرت عباس اندر سے مسلمان ہو چکے ہیں، جب آپ ﷺ کو مدینہ لے جانے کی خواہش اور اصرار اہل مدینہ کی طرف سے سامنے آیا، تو اس کے جواب میں حضرت عباس نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ہجرت پورے جزیرۃ العرب سے بالعموم اور قریش سے بالخصوص جنگ مول لینے کے ہم معنی ہے، اگر تم مطمئن ہو کہ تم آپ ﷺ کی حفاظت کرسکو گے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ ہجرت کا اقدام مناسب نہیں ہوگا، اس پر حضرت براء بن معرور نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر مکمل حمایت ونصرت کا عہد کیا۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے دعوتِ حق پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ میں تم سے چند باتوں کا وعدہ لینا چاہتا ہوں۔

بَایِعُوْنِي عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ، وَعَلَى الأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَعَلَى أَنْ لَا تَخَافُوْا فِي اللّٰهِ

لَوْمَةَ لائِمٍ، وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي، فَتَمْنَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَ كُمْ، وَلَكُمُ الْجَنَّةُ.

تم میرا حکم سو فیصد مانو گے، آنا کانی نہیں کرو گے، ہر حال میں حکم کی تعمیل کرنی ہوگی، تنگی وخوش حالی ہر حال میں مال صرف کرنا ہوگا، دین کے لئے خرچ کرنا ہوگا، تحریک کا مالی تعاون کرنا ہوگا، تم ہمیشہ بھلائی کا حکم دیتے رہو گے اور برائی سے روکتے رہو گے، اللہ کے دین کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے، ہر حال میں میری مدد کرو گے، اپنی اولاد، ذات اور بیویوں سے بڑھ کر میری حفاظت کرو گے، اللہ کی جنت تمہارا مقدر بنے گی۔(سیرت ابن ھشام:۱/ ٤٥٤الخ)

تمام لوگوں نے بیک زبان یہ عہد کیا، ان حضرات کو اسی لئے انصار کا لقب ملا، یہ بیعت عقبہٴ ثانیہ کہلاتی ہے، پھر آپ ﷺ نے ان میں سے ۱۲؍آدمیوں کو منتخب کر کے نقیب بنایا، ہر قبیلہ کا ایک ذمہ دار بنایا، یہ میٹنگ ہجرت کے اقدام کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوئی، یہ حضرات اجتماعیت کے امین تھے، اس کے ذریعہ امت کو وحدت واجتماعیت کا پیغام دیا گیا، یہ فکر دی گئی کہ یہ نبی وحدت اور اخوت کا پیغام لایا ہے۔(مسند احمد:۳/۳۲۲)

ہجرت مدینہ کی اجازت اور آغاز

اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل ایمان کو ہجرت کی اجازت دے دی، نبوت کا تیرھواں سال ختم اور چودھواں شروع ہو رہا ہے، ہجرت مدینہ کا آغاز ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے مہاجر حضرت ابو سلمہ تھے، ان کے ہمراہ بیوی بھی ہے، بچہ بھی ہے، دشمنوں نے بیوی کو روک لیا، بچہ چھین لیا، پھر ایک مدت کے بعد یہ بچھڑے رفیق مل سکے۔(سیرت ابن کثیر:۲۰۱)

آج فلاں گیا، کل فلاں گیا، تقریباً تمام مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا شوق رفاقت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تیاری کر رکھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی، ابوبکر نے کہا:

اَلصُّحْبَةَ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

اے اللہ کے رسول: میرے باپ آپ پر قربان، میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔(بخاری: المناقب: باب هجرة النبی)

ہجرت رسول ﷺ

اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کا دین غالب آ کر رہے گا۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ. (الصف/۸)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔

آپ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ، وَ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ. (الروم/ ٦٠)

آپ صبر سے کام لیجئے، یقین جانئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ یقین نہیں کرتے، ان کی وجہ سے آپ ڈھیلے پڑ جائیں۔

قرآن میں صاف الفاظ میں یقین دلایا گیا ہے:

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (المجادله/ ٢٢)

یاد رکھو اللہ کا گروہ ہی کامیابی پانے والا ہے۔

آپ نے دیکھا، مکہ کی زمین اسلام کی دشمن بنی ہوئی تھی، طائف اسلام سے بے زار تھا، اب وقت آ گیا تھا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو، اب وقت آ گیا تھا کہ یثرب مدینۃ الرسول بنے، مسلمان جوق در جوق ہجرت کررہے تھے، مدینہ منورہ آپ ﷺ کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھا، اہل مدینہ پلکیں بچھائے ہوئے تھے، ایک طرف یہ ہورہا تھا، دوسری طرف مکہ کے دارالندوہ میں دشمنوں کی فیصلہ کن میٹنگ ہورہی تھی، یہ طے ہوا تھا کہ اب وہ وقت آ چکا ہے کہ محمد ﷺ کو قتل کردیا جائے، طے کیا گیا کہ ہر خاندان کے اہم افراد مل کر ننگی تلواروں کے ساتھ بیک وقت محمد ﷺ کا کام تمام کردیں۔ (سیرت ابن ھشام: ۲/ ۴۸۱)

قرآن کہہ رہا ہے:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لِیُثْبِتُوکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ، وَیَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہَ، وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ. (الانفال/ ۳۰)

وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے، جب کافر لوگ منصوبے بنارہے تھے، کہ آپ کو گرفتار کرلیں، یا آپ کو قتل کردیں، یا آپ کو وطن سے نکال دیں، وہ اپنے منصوبے بنارہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنارہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔

دشمن تدبیر کررہا تھا، مگر اللہ کی اپنی تدبیر الگ تھی، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری خبر دے دی، ہجرت کی اجازت مل گئی، عین دوپہر میں آپ ﷺ حضرت صدیق اکبرؓ کے یہاں گئے، نظام سفر طے ہوگیا۔ (بخاری: المناقب: باب ھجرۃ النبی)

۲۷ر صفر ۱۴ر نبوی اتوار کی رات ہے، یہ وہ رات ہے جس کی اوٹ سے ہجرت کی، پھر نصرت کی، پھر فتح وغلبے کی سحر طلوع ہونی ہے، یہ وہ رات ہے جس نے دنیا کو اللہ کا یہ فیصلہ دکھا دیا ہے کہ

نور خدا ہے کفر کی ظلمت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کاشانۂ نبوت کے باہر صنادید مکہ ننگی تلوار لئے آپ ﷺ کے باہر آنے کے منتظر ہیں کہ آپ ﷺ نکلیں اور نعوذ باللہ چشم زدن میں آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے، آپ ﷺ نے اہل مکہ کی امانتیں ان تک پہنچانے کے لئے حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا دیا۔

غور فرمایا جائے: موت کا خطرہ ہے، پھر بھی امانتوں کی ادائیگی کی فکر ہے، پیغمبر علیہ السلام کی سیرت کا یہ گوشہ کس قدر فکر انگیز ہے، اور ہم کو امانتوں کے تعلق سے کس قدر حساس دیکھنا چاہتا ہے۔

آپ ﷺ حکم الٰہی کے مطابق گھر سے نکل رہے ہیں، سورۂ یٰس کی آیات زبان پر ہیں، باہر نکلے تو آیت کریمہ:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ.

زبان پر ہے، مٹی ہاتھ میں ہے، یہ آیت پڑھ کر مٹی اس طرح پھینکی کہ ہر دشمن کے سر پر پڑ گئی، کوئی آنکھ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، آنکھوں کو بصارت کا نور عطا کرنے رب نے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کے لئے اس لمحے ان دشمنوں کی بصارتیں سلب کر لیں۔ (زاد المعاد: ۵۳/۲، سیرت ابن ہشام: ۴۸۳/۱ الخ)

آج دنیا کا سب سے بڑا محسن بغیر کسی قصور کے بے گھر ہو رہا ہے، آج ان گلیوں کو الوداع کہہ رہا ہے جہاں اس کا بچپن گذرا، جوانی گذری، کلیجہ کٹ رہا ہے، آنکھیں ڈب ڈبا رہی ہیں، چشم پرنم، دل پرغم کے ساتھ نکل رہے ہیں، آپ ﷺ نے آخری نگاہ ڈالتے ہوئے مکہ سے خطاب کیا تھا:

وَاللّٰهِ! إِنَّکِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَيَّ

وَلَوْلا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ، أَخْرَجُوا نَبِيَّهُمْ لَيَهْلِكُنَّ. (کنز العمال:۱۲/۹۱)

اے مکہ بلا شبہ تو میری نگاہ میں اللہ کی زمینوں میں سب سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے، اگر مجھے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں نہ نکلتا، ان بدنصیبوں نے اپنے نبی کو نکال کر اپنی ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا ہے۔

چند لمحوں میں آپ ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور پر پہنچے، دشمنوں کو ناکامی ملی، صبح انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ بستر پر نہیں ہیں، تو ان کے چہرے پر سیاہی آ گئی۔

آپ ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور پہنچے، تین دن قیام رہا، ہر آن خطرہ تھا، ابوبکر گھبرا رہے ہیں، آپ ﷺ فرما رہے ہیں:

مَاتَقُولُ فِي اثْنَيْنِ ثَالِثُهُمَا اللّٰهُ، لاَ تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا.

(بخاری: المناقب: مناقب ابی بکرؓ)

ہم دو ہیں ہمارا تیسرا اللہ ہے، تم فکر مت کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

چوتھے دن سفر ہجرت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا ہے، آہ کتنا مقدس سفر اور کتنا پرخطر سفر، دشمن نے آپ ﷺ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لانے پر ۱۰۰/اونٹ انعام رکھ دیا ہے، سراقہ بن جعشم تعاقب میں ہے، اس کے گھوڑے کے پیر دھنس گئے، آپ ﷺ کی دعا سے گھوڑا نکلا، پھر سراقہ کی نیت انعام کے لالچ میں بدلی، پھر گھوڑے کا پیر دھنس گیا، سفارش کی، آپ ﷺ کی دعا سے پھر گھوڑا نکل گیا، اس کے کہنے پر آپ ﷺ نے پروانۂ امن لکھا، یہ پہلا تحریری امان نامہ تھا۔

(بخاری: المناقب: باب هجرة النبی)

فتح حنین وطائف کے بعد سراقہ نے اسلام قبول کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

كَيْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیٰ كِسْرَیٰ وَ مَنْطِقَتَهُ وَتَاجَهُ.

اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن

ہوں گے اور تم اس کی پیٹی اور تاج پہنو گے۔ (الروض الانف ۲/ ۲۲۵، اسد الغابة:۲/ ٤١٤)

کہاں کسریٰ کے کنگن اور کہاں عرب کے بدو سراقہ کے ہاتھ؟ مگر یہ زبان نبوت کا بول تھا، دورِ فاروقی میں فتح مدائن کے بعد یہ منظر مدینہ نے دیکھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھ میں ڈالے اور پیغمبر ﷺ کی صداقت کا ایک اور نقش دنیا پر قائم ہوا۔

یکم ربیع الاول کو یہ قافلہ غار ثور سے نکلا ہے، ۸/ ربیع الاول دوشنبہ کو قبا پہنچا ہے۔ (سیرۃ احمد مجتبی: ۱/ ٤٥٨)

حضرات! ہماری آج کی گفتگو اس پر بس ہوتی ہے، مگر عزیزو: آپ نے اس پر بھی غور کیا کہ وہ اللہ جس نے اپنے آخری نبی ﷺ کو بے شمار معجزات دیئے، وہ چاہتا تو زمین لپیٹ دیتا، مسافت سمیٹ دیتا، وہ لمحوں میں مدینہ پہنچا دیتا، جو راتوں رات مکہ سے اقصیٰ اور اقصیٰ سے فلک پھر مکہ کا سفر کرا سکتا ہے، وہ آن واحد میں مدینہ بھی پہنچا سکتا تھا؛ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوا، اللہ کا لاڈلا پیغمبر اپنے صدیق کے ساتھ سات دن کی بھوک، پیاس، مشقت اور تکان برداشت کر کے مدینہ منورہ پہنچ رہا ہے، اللہ اس کے ذریعہ امت کو دین کی خاطر مشقت اٹھانے کا اسوہ اور نمونہ دے رہا ہے، یہ فکر دے رہا ہے کہ جب اللہ کے محبوب ﷺ کو دین کے لئے مشقت اٹھانی پڑی ہے تو تم اس کے امتی اور غلام ہو کر مشقتوں سے کیسے بچ سکتے ہو؟ یہ مرحلہ آ کر رہے گا۔

حضرات! بس اب گفتگو یہیں ختم ہوتی ہے، سیرتِ محمدی ﷺ کے ان فکر انگیز پہلوؤں کو دلوں میں بٹھایئے، تبدیلی کا فیصلہ کیجئے، دین کے لئے جم جانا اور مٹ جانا سیکھئے، اور یاد رکھئے

نوازا جس نے یخ بستہ دلوں کو سوزِ ایماں سے
مٹایا جہل کی ظلمت کو جس نے ذہنِ انساں سے
اجالا کر دیا دنیا میں جس نے نورِ قرآں سے
عظیم انسان اس جیسا نہ آیا ہے نہ آئے گا
اسی کی پیروی میں اب بھی انساں چین پائے گا

❑❑❑

حیاتِ نبوی ﷺ

از ہجرت - تا - فتح مکہ (مدنی زندگی)

حیاتِ نبوی ﷺ

از ہجرت-تا-فتح مکہ (مدنی زندگی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

ذکرِ رسول ﷺ عظیم سعادت

حضراتِ گرامی! سید الکونین ﷺ کے ذکر سے عظیم سعادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ وہ ذاتِ اقدس جو وجہِ تخلیقِ کائنات ہے، جس کے طفیل میں یہ عالم وجود میں آیا ہے، جس کے فیض سے پوری کائنات روشن ہے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

اُس ذاتِ مقدس کی سیرت کا بیان عظیم ترین توفیق الٰہی کے سوا اور کیا ہے؟

جب اُن کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش بن جائے
جب اُن کا نام آئے مرحبا صل علی کہیئے
غبارِ راہِ طیبہ سرمۂ چشم بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیئے
میرے سرکار کے نقشِ قدم شمع ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیئے

محمد کی نبوت دائرہ ہے جلوۂ حق کا
اسی کو ابتداء کہئے اسی کو انتہاء کہئے
مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہر چشمۂ آبِ بقا کہئے

آج کی مجلس کا موضوع ''مدنی زندگی'' ہے، حیاتِ طیبہ کا یہ مدنی دور دس سالوں پر محیط ہے، قبل از نبوت چالیس سالہ مدت، بعد از نبوت مکی زندگی کی تیرہ سالہ مدت کے مقابلے میں یہ دس سالہ مدنی زندگی کی مدت اپنے زمانی رقبے کے لحاظ سے مختصر ضرور ہے، لیکن یہ اپنے دامن میں اتنی ہمہ جہت، جامع، تعمیری، انقلابی اور ہمہ گیر تفصیلات اور کارنامے لئے ہوئے ہے کہ ایک مجلس تو درکنار، ہزاروں مجلسوں میں بھی اس کا احاطہ اور اس کا حق ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہجرت کا پہلا سال

سفرِ ہجرت

سید کائنات محمد عربی ﷺ اور رفیق سفر ہجرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ اور رہبر وخادم پر مشتمل تاریخ انسانیت کا یہ مقدس قافلہ غارِ ثور سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر پر روانہ ہوا ہے۔

چلی صحن کعبہ سے بادِ بہاری
مدینے کو جاتی ہے گل کی سواری

یہ یکم ربیع الاول ۱۴ ؍نبوی کا دن ہے، مسلمانوں کے مختلف قافلے اس سے پہلے ہی مدینہ پہنچ چکے ہیں۔

دو بنیادی کام: (۱) علم ومعرفت کی اہمیت (۲) وحدت و اجتماعیت کی اہمیت

مکہ میں رہتے ہوئے ہی آپ ﷺ نے آئندہ مرکزِ اسلام بننے والے مدینہ کے لئے دو بنیادی کام انجام دئے تھے، اور اس طرح قیامت تک آنے والی اپنی امت کو دو پیغام دئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت عقبہ اولیٰ (جو ۱۲ ؍نبوی کے حج کے موقع پر ہوئی تھی) کے بعد اپنے فداکار صحابی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم ومدرس بنا کر تعلیمی وتربیتی مشن کی تکمیل کے لئے مدینہ بھیجا تھا، نبوت کے پورے تیرھویں سال حضرت مصعب بن عمیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی محنت سے ایک انقلابی لہر پیدا کردی تھی، اس انتظام کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ پیغام دیا تھا کہ یہ امت اگر علم سے، معرفت سے، دین کی سمجھ سے، قرآن وسنت سے دور رہے گی، ناواقف رہے گی، اپنا وجود، اپنا تشخص اپنا امتیاز اور وقار کھو بیٹھے گی، رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے تعارف میں اپنے معلم ہونے کی شان اور علم ومعرفت کی اہمیت کو اسی لئے بار بار آشکارا فرمایا ہے:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً. (مشکوۃ المصابیح: العلم)

مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِي. (کتاب الشفاء: قاضی عیاض: ۱/۱۲۸)

معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے۔

وَالْعِلْمُ سِلاحِيُ. (ایضاً)

اور علم میرا ہتھیار ہے۔

قلب رسول ﷺ پر آنے والی پہلی وحی کے بول بھی علم کی اہمیت کا واضح ثبوت ہیں۔

دوسرا کام جو آپ ﷺ نے مکہ میں رہتے ہوئے مدینہ منورہ کے لئے کیا ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کے تیرھویں سال حج کے موقع پر بیعت عقبۂ ثانیہ لینے کے بعد آپ ﷺ نے اَوس وخزرج کے ہر ہر محلّہ اور قبیلہ کا ایک ذمہ دار منتخب کیا، آپ ﷺ نے بارہ افراد کو نقیب بنایا، یہ بارہ افراد مدینہ منورہ میں موجود امت مسلمہ کی اجتماعیت اور وحدت کے امین تھے، اس طرح یہ پیغام دیا گیا کہ امت مسلمہ کے ذمہ اجتماعی اور جماعتی زندگی گذارنا فرض ہے، فرقہ بندی، انتشار اور اجتماعی وجود کے بغیر رہنا اس امت کے لئے کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہے، اجتماعیت کے شیرازے میں بندھے بغیر اور اپنے کو وحدت کی مقدس لڑی میں پروئے بغیر یہ امت کبھی ''امت واحدہ'' نہیں بن سکتی، خیر امت ہونے کی حیثیت سے اپنے اوپر عائد

ہونے والے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی، سیرتِ رسول ﷺ کا یہ واضح پیغام ہے کہ امت جسد واحد ہے، بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) ہے، اسے تفریق اور انتشار کی قینچیوں سے کاٹنا اور کسی بھی طرح اس کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ام معبد کے خیمے میں

سفر ہجرت جاری ہے، آقا ﷺ کا گذر راستے میں ام معبد خزاعیہ کے خیمے سے ہوا، یہ فراخ دل اور مہمان نواز خاتون ہیں، آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کو ہو تو ہمیں قیمۃً دے دو، ام معبد نے کہا کہ کچھ ہوتا تو ضرور پیش کرتے، حضور اکرم ﷺ کی نگاہ الگ بندھی ہوئی ایک کمزور بکری پر پڑی، پوچھا: یہ کیسی بکری ہے؟ جواب ملا: یہ چلنے ہی کے قابل نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دو، ام معبد نے کہا: قربان ہو جاؤں، دودھ ہو تو ضرور دوہ لیجئے، آنحضرت ﷺ نے بکری کو قریب کیا، بارگاہِ رب العزت میں دعا کی، پانی اُس کے تھن پر چھڑکا، آپ ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا، بکری کے تھن دودھ سے بھر آئے، دودھ دوہنا شروع کیا، تو برتن لبالب بھر گیا، آپ ﷺ نے خود بھی نوش فرمایا، حضرت صدیق اکبرؓ بھی سیراب ہوئے، ام معبد نے بھی پیا، سب شکم سیر ہوگئے، برتن میں کافی دودھ بچ گیا، ام معبد کے حوالہ کیا، اور یہ قافلہ سوئے یثرب چل پڑا۔

آقا ﷺ کی تصویر کشی ام معبد کی زبانی

شام کو ام معبد کے شوہر ابو معبد نے دودھ دیکھا تو حیرت کا اظہار کیا، پورا واقعہ سنا، آپ ﷺ کا پورا حلیہ اپنے شوہر کے سامنے ام معبد نے بے حد دل کش پیرائے میں اس طرح بیان کیا کہ جمالِ محمدی اور کمالِ احمدی ﷺ کا بے انتہا خوب صورت نقشہ سامنے آجاتا ہے:

ظَاهِرُ الْوَضَاءَةِ، اَبْلَجُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الْخَلْقِ، لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ، وَ لَمْ تُزْرِ بِهٖ صُعْلَةٌ، وَسِيْمٌ، قَسِيْمٌ، فِيْ عَيْنَيْهِ دَعَجٌ، وَ

فِیْ اَشْفَارِہٖ وَطَفٌ، وَ فِی صَوْتِہٖ صَحَلٌ، وَ فِی عُنُقِہٖ سَطَعٌ، اَحْوَرُ، اَکْحَلُ، اَزَجُّ، اَقْرَنُ، شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، اِذَا صَمَتَ عَلَاہُ الْوَقَارُ، وَ اِنْ تَکَلَّمَ عَلَاہُ الْبَھَاءُ، اَجْمَلُ النَّاسِ وَاَبْھَاھُمْ مِنْ بَعِیْدٍ، وَ اَحْسَنُہٗ وَ اَحْلَاہُ مِنْ قَرِیْبٍ، حُلُوُّ الْمَنْطِقِ، فَصْلٌ، لَا نَزِرَ وَ لَا ھَذَرَ، کَأَنَّ مَنْطِقَہٗ خَرَزَاتُ نَظْمٍ یَتَحَدَّرْنَ، رَبْعَۃٌ، لَا تَقْحَمُہٗ عَیْنٌ مِنْ قِصَرٍ، وَ لَاتَشْنَؤُہٗ مِنْ طُوْلٍ، غُصْنٌ بَیْنَ غُصْنَیْنِ، فَھُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَۃِ مَنْظَراً، وَأَحْسَنُہٗ قَدْراً، لَہٗ رُفَقَاءُ، یَحُفُّوْنَ بِہٖ، اِذَا قَالَ اسْتَمَعُوْا لِقَوْلِہٖ، وَاِذَا اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلیٰ اَمْرِہٖ، مَحْفُوْدٌ، مَحْشُوْدٌ، لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنِّدٌ. (زاد المعاد/٣:٥٥، دلائل النبوۃ: للبیھقی/١:٢٧٩، البدایۃ و النھایۃ /٢:٢٠٧)

روشن جبین، رنگ چمکتا ہوا، چہرہ تاباں درخشاں، بدن کی بناوٹ نہایت خوبصورت، پسندیدہ خو، نہ فربہی کا عیب، نہ لاغری کا نقص، نہ پیٹ میں موٹاپا، نہ بال میں گنجاپن، وجیہ وشکیل، حسین وجمیل، آنکھیں سرمگیں، پلکیں دراز، آواز مضبوط اور پرشکوہ، گردن لمبی اور بلند، بڑی بڑی سیاہ اور سرمگیں آنکھیں، باریک خم دار اور پیوستہ ابرو، نہایت سیاہ گیسو، سکوت فرمائیں تو وقار و جلال کی جلوہ گری، تکلم فرمائیں تو رعنائی و زیبائی کی تابش، دور سے دیکھا جائے تو نہایت زیبا و دل آویز، قریب سے دیکھا جائے تو نہایت حسین اور جاذب نظر، شیریں بیان، الفاظ شستہ، شیریں اور واضح، بات بالکل دوٹوک، نہ کمی کا احساس اور نہ فضول زیادتی، گفتگو ایسی جیسے کسی لڑی میں پروئے ہوئے موتی، میانہ قد، نہ کوتاہ نظر کے لئے کوتاہ قامت، نہ ایسے طویل کہ نگاہ کو ناگوار ہو، ایسے دلکش ودل آویز گویا شاخ تازہ

کی زیبائی، سراپا پر کشش و دلربا، قد قامت انتہائی حسین و متوازن، رفقاء ایسے کہ سراپا تمنائے دید، پروانوں کی طرح حصار میں لئے ہوئے، گفتگو کریں تو کان لگالیں، حکم کریں تو دوڑ پڑیں، مخدوم و مطاع، محترم و مرجع خلائق، نہ ترش رو اور نہ فضول گو۔

یہ اوصاف وشمائل سن کر ابومعبد بول اٹھا: بخدا یہ وہی ہستی ہے جس کے پیچھے پورا قریش پڑا ہوا ہے، میں نے طے کرلیا ہے کہ موقع ملتے ہی ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔(السيرة النبوية لابن كثير: ٢١٣-٢١٥)

حضرت بریدہؓ سے ملاقات

یہ قافلۂ حق آگے بڑھا تو راستے میں ایک مقام پر قبیلۂ بنی اسلم کے ۷۰ رشہ سواروں سے ملاقات ہوئی، جن کی قیادت بریدہ بن حصیب اسلمی کررہے تھے، یہ قافلہ آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے تلاش میں تھا، آپ ﷺ نے بریدہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواب ملا: بریدہ، آپ ﷺ نے تفاؤلاً فرمایا: ابوبکر! اب ہمارا معاملہ ٹھنڈا پڑا اور نتیجہ خیز رہا، پھر پوچھا کہ کس قبیلہ سے ہو؟ جواب ملا: بنو اسلم سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اب ہمیں سلامتی ہے، پھر پوچھا کہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟ جواب ملا کہ بنوسہم سے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے بخت نے یاوری کی، تجھے اسلام سے حصہ ملا، بریدہ بولے: آپ کون؟ فرمایا کہ محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول، آپ ﷺ کے اس طرزِ کلام نے اور نظر کیمیا اثر نے بریدہ کے دل کی دنیا بدل دی، فوراً پورے قافلے کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، آپ ﷺ کی رفاقت میں چل پڑے، آپ ﷺ نے اپنا عمامہ اپنے دست مبارک سے ایک نیزے پر بلند کرکے انہیں عطا فرمادیا، یہ عمامہ ہجرتِ مدینہ کی ایمانی تحریک کا پرچم تھا، بریدہ اسے ہاتھوں میں اٹھائے چلتے رہے۔

(رحمة للعالمين: ١/١٠١)

اہل یثرب کی بے تابیاں

سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے قافلے کے استقبال کے لئے پورا مدینہ فرشِ راہ ہے، شوقِ دیدار و زیارت ہر دل کو مضطرب کئے ہوئے ہے، کئی دن سے لوگ صبح سویرے ہی آبادی کے باہر نکل آتے ہیں، دور راستے پر نگاہیں لگی ہوئی ہیں، کب قافلۂ بہار جلوہ افروز ہوگا؟ دھوپ کی شدت بہت بڑھ جاتی ہے، تب یہ مشتاق مجمع وہاں سے ہٹتا ہے۔

(بخاری:المناقب: باب هجرة النبی)

قافلۂ نبوت قبا میں

یہ ۸/ربیع الاول کی تاریخ ہے، نبوت کا چودھواں سال ہے، جو بعد میں آپ ﷺ کے حکم سے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہجرت کا پہلا سال ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کے مشورہ پر اسلامی تاریخ کا نقطۂ آغاز بنا۔(وفاء الوفاء:۲۷۸، الفاروق: علامه شبلی نعمانی: ۴۲۵، سیرت المصطفیٰ: ۱/۳۹۹، تقویم تاریخی: عبد القدوس هاشمی: ۱۰)

۲۳/دسمبر ۶۲۲ء دوشنبہ کا دن، مشتاقانِ رسول ﷺ ابھی طویل انتظار کے بعد لوٹے ہی تھے کہ ”سلوم“ نامی ایک یہودی نے اس قافلۂ حق کو آتا دیکھ کر آواز لگائی تھی:

يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! هٰذَا جَدُّكُمُ الَّذِى تَنْتَظِرُوْنَ. (بخاری: المناقب: باب هجرة النبی)

یثرب والو سن لو! تمہیں جس کا انتظار ہے وہ آ گیا ہے، یہ تمہارا مقصود آن پہنچا ہے۔

اشتیاق و استقبال

پورا شہر بے تاب آپ ﷺ کے استقبال میں امنڈ آیا ہے، ۵۰۰/انصار صحابہ کے جلو میں سرکار دو عالم ﷺ سفید لباس میں ملبوس قبا کی بستی میں داخل ہو رہے ہیں، ہر بام و در نعرۂ اللہ

اکبر سے گونج اٹھا ہے، ہر گھر اور ہر در پر یہی صدا ہے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، اللّٰه أَكْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

قدم قدم پہ محبت کے موج زن طوفاں
صدائے ”جاء رسول“ سے گونجتا ہے جہاں

سرکار دو عالم ﷺ قبا میں داخل ہو رہے ہیں، تواضع اور عبدیت ہر ہر ادا سے نمایاں ہے، زبان پر قرآنی دعا کے یہ بول ہیں:

رَبِّ اَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَاناً نَصِيْراً. (الاسراء: ۸۰)

میرے رب! مجھے اچھائی کے ساتھ داخل فرما، اچھائی کے ساتھ نکال، اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایسا اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ تیری مدد ہو۔

آپ ﷺ پر سکینت طاری ہے، آگے پیچھے پروانوں کا ہجوم ہے، یہ وحی نازل ہو رہی ہے:

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ. (التحریم)

اللہ آپ کا مولی ہے، اور جبریل بھی اور صالح اہل ایمان بھی، اور اس کے بعد فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔(زاد المعاد: ۵۴/۲، سیرت سرور عالم: ۷۳۵/۲، نبی رحمت: ۲۵۱)

قبا میں قیام

قبا میں آباد قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے سردار ”کلثوم بن ہدم“ کے مکان پر آقا ﷺ کا قیام ہوا، قبا میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت مختلف روایات کے مطابق ۵ یا ۱۲/ یا ۲۵/ دن رہی، عاشقانِ رسول ﷺ گروہ در گروہ بارگاہ میں آتے رہے، شرف پاتے رہے اور ایمان وعرفان کی جوت جگاتے رہے۔(دیکھئے: سیرت سرور عالم: ۷۳۷/۲-۷۳۸، زاد المعاد: ۸۷/۱، سیرت النبی: ۲۸۳/۱ بحوالہ مختلف کتب حدیث)

حضرت علیؓ کی آمد

ابھی آپ ﷺ کا قیام قبا میں ہے، حضرت علیؓ تشریف لے آئے ہیں، آپ ﷺ نے انہیں امانتوں کا امین اور ان کی واپسی کا ذمہ دار بنا کر بستر رسالت پر سلا دیا تھا، انہوں نے اپنا فرض نبھا دیا، اور فوراً سفر ہجرت پر نکل پڑے، دن بھر چھپ کر، رات بھر چل کر، تن تنہا، پیادہ یہ مسافت انہوں نے طے کی، پاؤں پھٹ گئے تھے، تلوے زخمی تھے، آپ ﷺ نے اچانک انہیں سامنے دیکھ کر بے اختیار اپنے سینے سے لگا لیا، دیر تک پیار کرتے رہے، ان کے پیروں کے زخم دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہوگئی تھیں، حاضرین بھی اس رقت آمیز منظر کو دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے تھے، آپ ﷺ نے اپنا لعابِ دہن حضرت علیؓ کے پیروں پر لگا دیا، زخم ٹھیک ہوگئے۔(زاد المعاد: ۵٤/۲، سیرت ابن هشام: ٤٩٣/۱، رحمة للعالمین: ۱۰۲/۱)

مسجد قبا

اسی قیام قبا کے دوران آپ ﷺ نے "مسجد قبا" کی بنیاد رکھی، یہ روئے زمین کی پہلی مسجد ہے، جس کی بنیاد سید المرسلین ﷺ نے رکھی ہے، صحابہ کے ساتھ آپ ﷺ اس کی تعمیر میں شرکت کر رہے ہیں، بھاری پتھر اٹھا رہے ہیں، صحابہ کے روکنے کے باوجود آپ ﷺ حصہ لیتے ہیں۔(وفاء الوفاء: ۲۸۳)

یہی وہ مسجد ہے جس کی شان قرآنِ کریم نے بیان کی ہے:

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَتَطَهَّرُوا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. (التوبة: ۱۰۸)

یقیناً یہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں

جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ وہ بابرکت مسجد ہے جہاں سرکار دو عالم ﷺ ہر ہفتے پابندی سے جاتے رہے۔

احادیث میں ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِياً وَرَاكِباً وَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ. (بخاری: کتاب الصلوة، باب اتیان مسجد قباء)

حضور اکرم ﷺ ہر سنیچر کے دن کبھی پیدل، کبھی سوار مسجد قبا تشریف لاتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

یہی وہ مسجد ہے جہاں پہلی بار آزاد فضا میں امام الانبیاء ﷺ کے پیچھے صحابہ نے اپنی جبین نیاز بارگاہِ رب العزت میں خم کی، اور پھر زبان نبوت سے اس مسجد میں دو رکعت کی ادائیگی کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ عمرہ کی سعادت کے مساوی بتایا گیا۔(البدایہ والنہایہ ۲۲۳/۲)

مدینے جانے کا ارادہ

قبا میں چند روزہ قیام کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ فرمایا، جمعہ کا دن آیا، آپ ﷺ نے رخت سفر باندھا، بنو عمرو بن عوف نے باادب عرض کیا:

یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! آپ یہیں قیام فرمارہیں، کیا ہم سے کوئی خطا ہوگئی ہے جو آپ تشریف لے جارہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں، بلکہ:

اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى.

مجھے (مدینہ منورہ کی) اس بستی میں جانے کا حکم اللہ کی طرف سے ہوا ہے جو تمام بستیوں پر غالب رہے گی۔(وفاء الوفاء :۲۸۸، کنز العمال:۱۰۵/۱۲)

مدینہ روانگی اور پہلا جمعہ

۱۲/ربیع الاول ا/ہجری جمعہ کے دن یہ قافلہ مدینہ منورہ روانہ ہوا، آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہیں، راستے میں جمعہ کا وقت ہوگیا، محلّہ بنوسالم میں نماز کا اہتمام ہوا، اس موقع پر ۱۰۰/افراد شریک تھے، یہی وہ مقام ہے جہاں بعد میں ''مسجد جمعہ'' بنائی گئی۔(طبقات بن سعد : ۱/۳۰۲)

آپ ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیا، یہ ''**خطبة التقوىٰ**'' کے نام سے معروف ہے، اس کا پورا مضمون تقویٰ اور خشیت الٰہی کی تلقین پر مشتمل ہے۔

(رحمة للعالمين :۱/ ۱۰۲ الخ، تاريخ طبرى:۱/۱٤٤، سيرت المصطفىٰ :۱/٤۰۱ الخ، زادالمعاد :۲/۵۵)

پیغام تقوی

غور فرمایئے! ابھی آپ ﷺ مدینہ نہیں پہنچے ہیں، مگر اپنے خطبہ میں امت کو تقویٰ کا پیغام دے رہے ہیں، پھر یہی پیغام آپ ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی کی تمام محنتوں کا اصل عنوان قرار پایا اور اس کی ہر خوبی کا سرچشمہ اور تادم واپسیں مؤمن کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا نسخۂ کیمیا قرار دیا گیا۔

مدینہ چشم براہ

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے، بنی سالم بن عوف نے ادب سے اپنے ہاں قیام کی درخواست کی، یثرب کے محلے بنی بیاضہ میں آپ ﷺ پہنچے، وہ عرض گذار ہوئے: یارسول اللہ! ہمیں خدمت کا موقع عطا فرمایئے، آگے بڑھے، بنی ساعدہ کی آبادی آئی، وہ متمنی تھے کہ آپ ﷺ ان کے ہاں قدم رنجہ فرمائیں، بنی حارثہ کی آبادی آئی، پورا قبیلہ چشم براہ تھا، سب کہہ رہے تھے کہ: سرکار! گھر حاضر ہے، مال حاضر ہے، جان حاضر ہے، محلّہ عدی کی سرحد میں پہنچے تو وہاں کے لوگ مجسم التجا کھڑے تھے۔(دیکھئے: سیرت

ابن هشام :۱/ ٤۹۸ الخ)

استقبال کا بے مثال نظارہ

تاریخ میں چشم فلک نے کسی کے ایسے اکرام واستقبال کا منظر کہاں دیکھا تھا؟ پورا یثرب، یثرب کا ہر قبیلہ، ہر قبیلے کا ہر فرد، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا مشتاق ومنتظر تھا، انصار کے نوجوان آپ ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے تھے، جوشِ مسرت میں پورا یثرب گھر سے باہر تھا، سڑک کے دونوں کناروں پر عاشقانِ رسول ﷺ دو رویہ استقبال کے لئے تیار تھے، بریدہ اسلمی فضاؤں میں جھنڈا لہراتے آگے چل رہے تھے۔ (شرح المواهب : الزرقانی: ۱/ ۳۵۴)

ہر زبان پر "جاء نبیّ اللّٰه" (اللہ کے رسول جلوہ افروز ہوگئے) کے الفاظ تھے۔

(بخاری:المناقب: باب هجرة النبی)

مشتاقانِ دید جمال نبوی ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھے، خواتین گھروں کی چھتوں سے یہ منور منظر دیکھ رہی تھیں، تقدیس وتحمید وتکبیر کے ترانے ہر سمت گونج رہے تھے۔

لوگ آپ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ پکڑ کر التجا کر رہے تھے: ہمیں شرفِ میزبانی بخش دیجئے، ہم سب کچھ نثار کرنے کو تیار ہیں، سب کے جواب میں آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا تھا:

خَلُّوْهَا فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ.

اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ من جانب اللہ مامور ہے، اللہ کے حکم سے جہاں یہ بیٹھے گی وہیں میرا قیام ہوگا۔ (سیرت ابن کثیر: ۲۱٦ الخ، زاد المعاد: ۲/ ۵۵)

بچیاں آپ ﷺ کے استقبال میں ترانہ پڑھ رہی تھیں، ان کی زبانوں پر یہ بول تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا

جِئْتَ بِالأَمْرِ الْمُطَاعِ

وداع کی گھاٹیوں (عوالی سے متصل پہاڑی سلسلہ کا وہ مقام جہاں سے مہمان مسافر رخصت ہوتے تھے) سے چودھویں کا چاند طلوع ہو چکا ہے، ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے، جب تک کہ اللہ سے دعا مانگنے والا کوئی باقی ہے، اے وہ مقدس ذات جو ہم میں رسول بنا کر بھیجی گئی ہے: آپ ایسا دین لے کر آئے ہیں، جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ (رحمة للعالمین :۱/ ۱۰۵، ابن کثیر: ۲/ ۲۶۹، سیرت المصطفیٰ :۱/ ۴۰۶)

أَشْرَقَ الْبَدْرُ فِينَا

وَاخْتَفَتْ مِنْهُ الْبُدُورُ

مِثْلَ حُسْنِكَ مَا رَأَيْنَا

قَطُّ يَا وَجْهَ السُّرُوْرُ

ہمارے درمیان بدر کامل طلوع ہوا ہے، اس کی روشنی سے تمام چاندوں کی روشنیاں ماند پڑ گئی ہیں، آپ جیسا حسن و جمال ہم نے کبھی نہیں دیکھا، آپ کا جمالِ جہاں آراء دیکھ کر دل ونظر کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

(سیرت احمد مجتبیٰ:۲/ ۵۸، وفاء الوفا :۲۸۹)

پیغام اطاعت

آگے بڑھنے سے پہلے استقبال بدرِ رسالت ﷺ میں مدینہ کے معصوم نونہالوں کی زبانوں پر جاری اس ترانے کے بول: ”جِئْتَ بِالأَمْرِ الْمُطَاعِ“ پر غور فرمایئے، یہ الفاظ مسرت وجشن کے اس عظیم موقع پر بھی نعمت رسالت کی مکمل قدر دانی اور اطاعت واتباعِ سنت

کی اہم ذمہ داری کی یاد دلا رہے ہیں، یہ الفاظ اُن لوگوں کے لئے دعوتِ فکر ہیں، جو نام نہاد عاشق رسول ہونے کے دعوے دار بھی ہیں اور اپنی اس محبت کے اظہار کے لئے انہیں سنتوں کا مذاق اڑانے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا۔

بنونجار کی بچیوں کا استقبال اور آپ ﷺ کا جواب

آپ ﷺ بنو مالک بن نجار کے محلے میں پہنچے، تو بچیوں نے والہانہ استقبال کیا، کہنے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں، کیا خوش نصیبی ہے کہ آج محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہیں۔(سیرت ابن کثیر:۲/ ۲۷٤،سیرت المصطفیٰ:۱/٤۰٦)

آپ ﷺ نے ان بچیوں سے فرمایا تھا کہ:

''تمہیں مجھ سے محبت ہے''

انہوں نے کہا:

''إِي وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰه''

جی ہاں اے اللہ کے رسول

آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَنَا وَاللّٰهِ أُحِبُّكُمْ''

بخدا مجھے بھی تم سے محبت ہے۔(سیرت احمد مجتبی:۲/٦۱)

حضرت براء بن عازب کا بیان ہے:

مَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ فَرِحُوا بِشَيْئٍ فَرَحَهُمْ بِرَسُوْلِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ. (صحيح بخاری: المناقب: باب مقدم النبی و اصحابه المدينة)

اہل مدینہ آپ ﷺ کی آمد پر جس قدر خوش ہوئے کسی اور موقع پر اس درجہ خوش نہیں ہوئے۔

آقا ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کاشانے میں

اللہ نے ازل سے یثرب میں میزبانیٔ رسول ﷺ کی سعادت حضرت ابوایوب انصاری کا مقدر بنادی تھی، اونٹنی ابوایوب کے مکان کے پاس رکی۔(بخاری: المناقب: باب هجرة النبی)

ابوایوب کو خود اپنی خوش نصیبی پر کتنا ناز ہوا ہوگا؟ پورا یثرب کس طرح ان پر رشک کررہا ہوگا؟ ابوایوب بے تابی سے لپکے، آج ان کے گھر کا مہمان کوئی عام انسان نہیں تھا، آج کائنات کا محسن اعظم ﷺ کاشانۂ ابوایوب کا مکین تھا، دیوار و در مسکرا رہے تھے، یہ صرف ایک فرد کی آمد نہیں تھی؛ بلکہ ایک انقلاب آفریں عہد اور تاریخ ساز دور کی آمد تھی، یہ اس ابر رحمت کی آمد تھی، جو پوری انسانیت کے لئے ہدایت کی فصل بہار لے کر آیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ظہور اسلام سے سات صدی قبل یمن کا بادشاہ تبع اسعد ۴۰۰ر یہودی علماء کے ساتھ یثرب کی طرف سے گذرا تھا، اس نے شہر پر حملے کا ارادہ کررکھا تھا، اس وقت شہر میں موجود کچھ علماء یہود تبع سے ملے تھے، اور کہا تھا اے بادشاہ! تورات میں اس بستی کا نام طیبہ ہے، یہ بستی اولادِ اسماعیل میں آنے والے آخری نبی کا مقام ہجرت ہے، ان کا قیام یہیں رہے گا، تم اس بستی پر ہرگز غالب نہ آسکوگے، یہ بستی حفاظت الٰہی کے حصار میں ہے، یہ سن کر بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا، اس کے ہمراہی سیکڑوں علماء نے یہیں قیام کی اجازت چاہی، بادشاہ نے ان کے لئے مکانات بنا کر آباد کردیا، ایک مکان بطور خاص نبی

آخرالزماں کے لئے متعین کردیا۔(وفاء الوفاء: للسمھودی: ۲۱۰، سیرت المصطفیٰ ۱/ ۴۰۹)

اس پر سیکڑوں سال گذر گئے، مگر ابوایوب انصاری کا مکان اسی مقام پر واقع تھا، جو اس بادشاہ نے متعین کیا تھا، بالآخر وہی آپ ﷺ کی قیام گاہ بنا، سرکار دو عالم ﷺ اونٹنی سے اترے، آپ ﷺ کی زبان مبارک پر:

رَبِّ اَنْزِلْنِی مُنْزَلاً مُبَارَکاً وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ.

اے میرے رب ! مجھے ایسا اترنا نصیب کر جو برکت والا ہو، اور تو

بہترین اتارنے والا ہے۔

کی دعا جاری تھی۔

حضرت ابوایوبؓ کا جذبۂ احترام

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا، آپ ﷺ گھر کی نچلی منزل اپنے لئے منتخب کرتے ہیں، ابوایوب عرض کرتے ہیں کہ: ''آقا! آپ ﷺ اوپر قیام فرما ہوں، ان کا جذبۂ احترام گوارا نہیں کرتا کہ سرکار نیچے مقیم ہوں اور وہ اوپر رہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نہیں، آنے جانے والوں کی سہولت یہیں ہے، میں نیچے رہتا ہوں، تم اوپر رہو، حکم کی تعمیل میں ابوایوب اوپر منتقل ہوگئے، اسی دوران ایک رات اوپر پانی کا برتن ٹوٹ گیا، پانی بہنے لگا، پانی نیچے نہ جانے پائے، آقا کو تکلیف نہ ہونے پائے، حضرت ابوایوب نے اپنا لحاف پانی پر ڈال دیا، خود اپنی اہلیہ کے ساتھ بغیر لحاف کے رات گذار دی، ابوایوب کو اوپر رہتے ہوئے ہمیشہ بے ادبی کا احساس رہتا، کبھی یہ احساس اس درجہ غالب ہوتا کہ رات جاگ کر گذار دیتے، آقا ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ اوپر منتقل ہوگئے، حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دولت کدہ سات مہینوں تک انفاسِ رسالت کی خوشبو سے معطر رہا۔(سیرت ابن ھشام: ۲/ ۴۹۸، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۳۷)

مسجد نبوی کی تعمیر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں قیام کے بعد آپ ﷺ کو سب سے پہلی فکر یہ تھی کہ مسلمانوں کے مرکز کے طور پر مسجد کی تعمیر عمل میں آئے، آپ ﷺ کی قیام گاہ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک وسیع کھلیان تھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی مملوکہ زمین ہے، آپ ﷺ نے ان کو بلایا، فرمایا کہ میں یہاں مسجد تعمیر کرنا چاہتا ہوں، وہ بخوشی راضی ہوگئے، آپ ﷺ نے قیمت طے کرنی چاہی، وہ ہدیہ کرنے پر مصر رہے، آپ ﷺ نے باصرار قیمت ادا کی۔(بخاری:الصلوۃ: باب هل تنبش قبور الخ، الکامل: لابن الاثیر:۲/۱۷۲)

روایات کے مطابق قیمت دس دینار طے ہوئی، اور امام زہری کے بقول یہ قیمت سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ نے ادا فرمائی۔(وفاء الوفا:۳۷۹، بحوالہ واقدی، صدیق اکبر: ۵۳، فتح الباری:۷/۱۹۲)

اس کے بعد تعمیر مسجد کا عمل شروع ہوا، مسجد کا عرض بھی ۱۰۰/فٹ رکھا گیا، اور طول بھی ۱۰۰/فٹ، تقریباً دس ہزار اسکوائر فٹ جگہ گھیری گئی۔(خطبات سیرت: مولانا سلمان حسینی ندوی:۱۷۲)

مسجد نبوی کی تعمیر کا واقعہ اپنے دامن میں امت کے لئے عظیم پیغام فکر وعمل لئے ہوئے ہے۔

سب سے پہلے مسجد قائم کرنے کی مبارک سنت

آپ غور فرمایئے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلا کام یہی کیا، اس طرح دنیا کے سامنے آپ ﷺ کی یہ سنت آئی کہ مسلمانوں کو اپنی آبادی بسانے اور کالونی قائم کرنے کا آغاز مسجد سے کرنا چاہئے، کوئی بھی مسلم کالونی بسائی جائے تو گھروں کی تعمیر سے پہلے مسجد کی تعمیر کی فکر ہونی چاہئے، مسلمانوں کی شناخت اور مرکزیت مسجد سے وابستہ ہوتی ہے، مسلمانوں کے ایمانی واجتماعی وجود کے لئے مسجد ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتی ہے، کسی مسلم

آبادی میں مسجد اور اس کے پورے نظام کا وجود وقیام دین کی علامت ہے، اور مسجد کا نہ ہونا بے دینی کی واضح پہچان ہے۔

مسجد ہمہ جہتی خدمات کا مرکز

پھر آپ مسجد نبوی کی پوری تاریخ پڑھ جایئے، تاریخ بتائے گی کہ مسجد صرف پنج وقتہ نمازوں ہی کے لئے نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ تمام دینی، ملی، علمی، تربیتی، اصلاحی اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بھی ہوتی ہے، دورِ رسالت میں یہی مسجد نبوی عبادت گاہ بھی تھی، تربیت گاہ بھی تھی، تعلیم گاہ بھی تھی، یہی دار القضاء، دار الافتاء، دار المشورہ، رفاہی وسماجی خدمات کا سینٹر سب کچھ تھی۔

اسی مسجد میں بیٹھ کر آپ ﷺ نے اولین مثالی اسلامی حکومت قائم فرمائی، یہیں سے دنیا کے فرماں رواؤں کو دعوتی خطوط روانہ کئے، یہیں وہ افراد کار تیار کئے گئے اور ڈھالے گئے جن کو قیامت تک کے لئے نمونہ بننا تھا، یہیں علم کے حلقے لگے، یہیں ذکر کی مجلسیں سجیں، یہیں جہاد کا نظام بنا، یہیں فوجی لشکر طے ہوئے، یہیں سے غرباء کی حاجت روائی کی ترتیب متعین ہوئی، اسی مسجد کے صحن کے شمالی گوشے میں ایک ہموار چبوترہ بنایا گیا جس پر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا، اسے ''صفہ'' کا نام دیا گیا۔(طبقات ابن سعد: ۳۱/۲)

اور معلم کتاب وحکمت رسول ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے والوں کے لئے یہی چبوترہ پہلا مدرسہ اور پہلی درس گاہ، اور بعد میں قائم ہونے والے تمام مدارس ومکاتب ودرس گاہوں کا نقطۂ آغاز قرار پایا، یہ صفہ دن میں طالب علموں کی تعلیم گاہ بنا، رات میں بے گھر مہاجروں کی آرام گاہ بنا، اس درس گاہ کے معلم اول خود آقا ﷺ تھے، مختلف مرحلوں میں منتخب صحابہ بھی آپ ﷺ کی نیابت کرتے تھے، جن میں حضرت عبادہ بن صامت، حضرت حکم بن سعید وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں، درس گاہ صفہ کے غریب طلبہ کی معاشی کفالت مال دار

مسلمانوں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، عہد نبوی میں اس درس گاہ کے فارغین کی تعداد ۹۰۰ رتک بتائی گئی ہے۔(مغازی الرسول: للواقدی:۷۵)

غرضے کہ مسجد نبوی ایک جامع اور ہمہ جہت مرکزی مقام رکھتی تھی، یہی اسلام کا پہلا مرکزِ تعلیم وتربیت تھی، جہاں:

(۱) قراءت قرآن

(۲) تعلیم قرآن

(۳) تعلیم حکمت وسنت

(۴) تزکیہ

کا وہ نصاب رائج تھا جو اللہ کا متعین کردہ ہے اور قرآنی بیان کے مطابق بعثت نبوی کا بنیادی مقصد ہے۔(البقرۃ:۱۲۹، آل عمران:۱٦٤، الجمعۃ:۲)

پھر یہی مسجد تزکیہ واصلاح کا اولین مرکز بھی تھی، اور وہاں:

(۱) تقوی

(۲) ذکر اللہ

(۳) شکر نعمت

(۴) مشاہدہ فطرت

(۵) تفکر وتدبر

(۶) عبرت پذیری

(۷) جہاد

جیسے اہم اجزاء مشتمل نسخہ استعمال کرا کے تربیت کا عمل انجام پاتا تھا، اور پھر اسی کا فیض تھا کہ اس درسگاہ اور مرکز کے تربیت یافتہ افراد (صحابۂ کرام) قیادت عالم کے منصب تک

پہونچے، اور دنیا کے ہر خطے میں ان کے فیوض روشن اور تاباں ہوئے، یہ سب کچھ اعجاز تھا اس درسگاہ کے معلم و مربی کا، قربان جایئے محمد عربی ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے عبادت کو، تعلیم کو، تربیت کو اور تزکیہ کو باہم دگر مربوط کردیا، سارے کام مسجد سے وابستہ کردئے؛ تاکہ دین کے تمام شعبے ایک دوسرے سے پیوست رہیں، ان میں کوئی تفریق پیدا نہ ہونے پائے۔

سرکار دو عالم ﷺ: مزدور کی حیثیت سے

حضراتِ گرامی! مسجد نبوی کی تعمیر ہورہی ہے، یہ منظر بھی دنیا نے دیکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ عام صحابہ کی طرح ایک معمار، ایک مزدور، ایک کارکن کی حیثیت سے ہمہ تن محنت میں منہمک ہیں، قائد اعلیٰ کی اس جفاکشی نے پیروکاروں میں حوصلے بڑھادیئے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُ يَعْمَلُ

لَذَاکَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

ہم بیٹھے رہیں اور نبی کام کریں تو یہ بہت گمراہ کن کام ہوگا۔

سارے صحابہ پورے ذوق وشوق سے اللہ کے گھر کی تعمیر میں لگ گئے ہیں، بارہ دن کے مختصر عرصے میں یہ مسجد مکمل ہوگئی ہے۔(دلائل النبوۃ: للبیہقی: ۱/ ۲۵۰)

آپ ﷺ سمیت تمام صحابہ کی زبانوں پر بصورتِ شعر یہ دعا جاری ہے:

اَللّٰھُمَّ إِنَّهُ لاَ خَیْرَ إِلَّا خَیْرُ الآخِرَةُ

فَانْصُرِ الأَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَةُ

خدایا! خیر تو صرف آخرت کی خیر ہے، آپ انصار و مہاجرین کی مدد فرمایئے۔(بخاری: باب هجرة النبی، باب مقدم النبی، زاد المعاد: ۲/ ۵۶)

آقا ﷺ کی عملیت ایک مستقل درس

غور فرمایئے! یہ کردار نبوی کا بہت تابناک پہلو ہے، آپ ﷺ نے یہ نہیں کیا کہ صرف سنگ بنیاد رکھ دیں اور عافیت کدے میں جا بیٹھیں، آپ ﷺ نے صرف بنیاد کا پتھر رکھ کر دوسروں کی محنت کا کریڈٹ اپنے دامن میں ڈالنے کا عمل نہیں کیا، نہیں! بلکہ ازاول تا آخر پورے کام میں شریک رہے، اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف محنت اور مزدوری کے پیشے کی عظمت اور وقار بڑھایا، اپنے اس عمل سے پیشوں کی تحقیر کا دروازہ بند کردیا، اور واضح کردیا کہ اللہ کی بارگاہ میں انسان کی برتری یا کمتری کا معیار پیشے اور مشغلے نہیں، کردار و عمل اور خوفِ آخرت کی دولت ہے، دوسری طرف آپ ﷺ نے مساوات کا عملی درس دیا، اور اعلیٰ وادنی کی تفریق کی لعنت ختم کرنے کا اعلان فرمادیا۔

مسجد نبوی کی عظمت

مسجد نبوی کو یہ تقدس عطا ہوا کہ مسجد حرام کے بعد سب سے زیادہ عظمت اسی کے حصہ میں آئی، اور زبانِ نبوت سے اعلان ہوا:

صَلاةٌ فِيْ مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (متفق علیه، بخاری: الصلوة: باب فضل الصلوة فی مسجد مكة و المدينة)

میری اس مسجد میں نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے۔

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِيْ. (متفق علیه، مشكوة المصابيح: ابواب المساجد)

میرے گھر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک

باغ ہے، اور میرا منبر (قیامت کے دن) میرے حوض (کوثر) پر رہے گا۔

ازواج مطہرات کے لئے مکان کا انتظام

مسجد کے ساتھ ہی مشرق کے رخ پر ایک چھوٹا سا مکان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے، دوسرا مکان حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے تعمیر ہوا، پھر بعد میں جوں جوں دیگر ازواجِ مطہرات آتی گئیں، ان کے مکانات تعمیر ہوتے گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال کو مکہ سے بلوایا، ایک حجرے میں حضرت سودہ مقیم ہوئیں، اور دوسرے میں حضرت فاطمہ (صاحب زادی) کا قیام ہوا۔ (سیرت المصطفیٰ: ۱/ ۴۳۰-۴۳۲)

آپ ﷺ کے پیشِ نگاہ بنیادی کام اور ان کے لئے اقدامات

مسجد نبوی کی تعمیر کے مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ کے پیشِ نظر جو بنیادی مقصدی کام تھے ان میں اہل ایمان کی تربیت اور استقامت، پورے جزیرۃ العرب میں بلکہ اس کے باہر بھی دعوتِ اسلامی کے مشن کو آگے بڑھانا، پورے خطہ میں امن وامان کا ماحول برقرار رکھنا اور مذہبی اختلافات کے باوجود باہمی اتحاد بحال رکھنا وغیرہ نمایاں ہیں۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لئے حضور اکرم ﷺ نے قیام مدینہ کے بالکل ابتدائی مرحلے میں دو اہم اور دور رس حکمتوں پر مبنی اقدامات فرمائے۔

میثاق مدینہ

پہلا اقدام ان معاہدات کا ہے جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مقیم یہودیوں، غیر مسلموں اور اہل ایمان کے درمیان کرائے، جنہیں "میثاقِ مدینہ" کے نام سے موسوم کیا

جاتا ہے، اس کی تحریریں اور دفعات جو سیرت نگاروں نے بے حد ریاضت وتحقیق سے جمع اور مرتب کردی ہیں، واضح کرتی ہیں کہ یہ بین القبائلی جامع ترین امن معاہدہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں مکہ سے بالکل مختلف صورتِ حال کا سامنا تھا، مکہ کے حالات تو یہ تھے کہ وہاں دشمن بھی ظاہر ومتعین تھے، اور دوست بھی ظاہر ومتعین تھے، وہاں نفاق کا گذر نہیں تھا، جب کہ مدینہ منورہ میں عرب کے دو قبیلوں اوس وخزرج (جن کے اکثر لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے) کے علاوہ یہودیوں کے تین مضبوط خاندان بنوقینقاع، بنوقریظہ، بنونضیر آباد تھے، کاروبار یہودیوں کے قبضے میں تھا، صنعتیں ان کے ہاتھ میں تھیں، وہ سودی کاروبار کرتے تھے، چور بازاری، غذا کی مصنوعی قلت پیدا کرنا اور اَوس وخزرج کو باہم لڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا، عربوں کا استحصال کرتے تھے، ان کو جنگ میں مبتلا کردیتے تھے، انہیں ہتھیار سپلائی کرتے تھے جس کے بدلے ان کی دولت سمیٹ لیتے تھے۔

اوس وخزرج کے لوگوں نے اپنے ہی ایک سردار ’’عبداللہ بن ابی بن سلول‘‘ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کی تیاری کرلی، یہ واقعہ ہجرت نبوی سے پہلے کا ہے، مگر ابھی اس کی تاج پوشی کا موقع نہ آیا کہ اسلام کا نور مدینہ پہنچنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، تو تمام اہل ایمان نے اپنا مقتدا اور امیر آپ ﷺ ہی کو مان لیا، اس صورتِ حال نے عبداللہ بن ابی کے دل میں بغض اور حسد کی نفسیات پیدا کردی، چند یہودیوں کو چھوڑ کر ان کی اکثریت نے بھی خاندانی حسد کی بنیاد پر (کہ آپ ﷺ اولادِ اسماعیل میں سے تھے اور یہودی اولادِ اسرائیل میں سے تھے) آپ ﷺ کے دین کو قبول نہ کیا، اور حسد وتعصب کی وجہ سے سازشیں شروع کردیں، اور انہیں سازشوں کے نتیجے میں منافقین کا ایک مارِ آستین گروہ پیدا ہوا، جو دل میں کفر رکھتا تھا، زبان سے اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اس گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔

اس صورتِ حال میں مدینہ منورہ میں امن وامان کا ماحول باقی رکھنے کے لئے بیرونی

حملوں سے حفاظت اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے کے لئے اور ان سازشی دشمنوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے یہود سمیت تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا، اور ایک تحریری دستاویز تیار کرائی، سب کے دستخط لئے، یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں ماہ میں ہوا، اس دستاویز کا حاصل یہ تھا کہ ہم سب باہم امن کے ساتھ رہیں گے، ہر کوئی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا، کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم سب مل کر دفاع ومقابلہ کریں گے، ہم باہم نہیں لڑیں گے، کسی کی حق تلفی نہیں کریں گے، کسی فتنہ پرور کی مدد نہیں کریں گے، کسی معاملے میں اختلاف ہوگا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔(مجموعة الوثائق السياسية: د/حميد الله مرحوم، سيرت ابن هشام: ۱/۵۰۲، سيرت سرور عالم: ۳/۹۰-۹۸)

یہ معاہدات سیرتِ نبوی کا بہت اہم باب ہیں، اور یہیں سے پہلی اسلامی حکومت اور اسلام کے سیاسی نظام کا آغاز ہوتا ہے، ان معاہدات کی دفعات پڑھنے سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی سیاسی بصیرت وفراست وتدبر اور مذاکرات ومکالمات میں آپ ﷺ کی مہارت وحکمت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے فوراً ہی بعد یہود کے تین بڑے سازشی قبائل، انصار کے دو قبائل اَوس وخزرج اور مہاجرین سب کو ایک جامع دستوری معاہدے پر متفق فرمادیا، اور اس کے ذریعہ مدینہ میں ایمانی بنیادوں پر تشکیل پانے والے معاشرے کے لئے اللہ کی حاکمیت اور قانونی شریعت کو اصل اساس کا درجہ بھی حاصل ہوا، اور قانونی، عدالتی اور سیاسی ہر اعتبار سے آخری فیصلہ کن اختیارات آپ ﷺ کو حاصل ہوگئے، اور دفاعی اعتبار سے مدینہ منورہ اور اس کے گردوپیش کا پورا علاقہ ایک مشترکہ ومتحدہ قوت بھی بن گیا۔

آپ غور فرمایئے! وہ نبی جو امی تھا، جس نے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی، جس نے کسی درس گاہ میں تعلیم نہیں پائی، جس نے کسی قانون کے ماہر سے مدد نہیں لی، جس کی اب

تک کی زندگی کشمکشوں سے بھری گذری ہے، وہ اپنے وطن سے نکل کر یثرب آتا ہے تو سب سے پہلے ایک دستوری ریاست کی داغ بیل ڈالتا ہے، اور پھر ایسا جامع معاہدہ تیار کراتا ہے جس کی ہر ہر دفعہ اس کے تدبر کی شاہ کار ہے، اور جسے پڑھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔

وہ اصولِ سیاست جو ان معاہدات میں موجود ہیں:

(۱) ریاست کے تمام شہریوں کو یکساں مساوی حقوق حاصل ہونا

(۲) تمام شہریوں کے مذاہب وشعائر کا مکمل تحفظ

(۳) آزادی کے ساتھ جینے کا حق ملنا

(۴) بیرونی خطروں کا مشترکہ مقابلہ

یہ سب موجودہ حالات میں بھی پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ہیں، پھر پوری سیرت بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے تازندگی ان معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کی، ہاں یہود نے بار بار ان معاہدات کی مخالفت کی، خاص طور پر بدر کی فتح کے بعد انہوں نے عملاً یہ عہد توڑ دیا تھا، اور پھر ان کو سزا دی گئی تھی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔

نظام مواخات

دوسرا مثالی اور بے نظیر اقدام مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا قیام ہے، مکہ سے ہجرت کر کے جو مسلمان مدینہ منورہ آئے تھے، ان کی حیثیت نئے شہر میں پناہ گزین جیسی تھی، آپ ﷺ کے پیش نظر یہ تھا کہ مہاجرین مدینہ کے معاشرے میں ضم ہو جائیں، علاقائی بنیادوں پر کوئی تفریق اور کشمکش نہ پیدا ہونے پائے، آپ ﷺ نے ان کی آبادکاری کے لئے جو تدبیر اختیار فرمائی وہ مواخاۃ کہلاتی ہے، آپ ﷺ نے ہجرت کے پانچویں ماہ میں اصحاب سے فرمایا:

تَآخَوا فِي اللّٰهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ.

تم لوگ دودوشخص اللہ کے لئے بھائی بھائی بن جاؤ۔(فتح الباری:۷/۳۱۷،

رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ۲۷۸)

آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا تھا:

”هٰذَا أَخِيْ“

یہ میرا بھائی ہے۔(فتح الباری:۷/ ۳۱۷)

پھر آپ ﷺ نے یکساں ذوق وحال رکھنے والے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بلا بلا کر فرمایا کہ: تم دونوں بھائی ہو، ایک مجلس میں جہاں ۹۰ /انصار ومہاجرین تھے، آپ ﷺ نے دو دو کی جوڑی بنادی، اور انصار سے فرمایا کہ:

”اپنے مہاجر بھائی کو اپنے مکان میں رکھو، دونوں ساتھ کماؤ، جب مہاجر خود اپنا انتظام کرلیں گے تب الگ ہوجائیں گے“۔(الرحیق المختوم: ۲۹۰)

اس بھائی چارہ کا یہ فائدہ ہوا کہ مہاجرین وانصار سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اور ایک جان دو قالب ہوگئے، اس سے بے سہارا مہاجرین کو ٹھکانہ فراہم ہوا، یہ مواخات اتنی مکمل تھی کہ جس طرح سگے بھائیوں میں وراثت جاری ہوتی ہے، ان انصار ومہاجرین کو ایک دوسرے کی وراثت ملنے لگی، ایک مدت تک ایسا رہا، پھر وراثت کا یہ حق منسوخ ہوا اور وراثت کو نسبی رشتہ داروں کے ساتھ مختص کردیا گیا۔

غور فرمایئے! مواخات کے اس پورے عمل میں انصار کی حیثیت دینے والوں کی اور مہاجرین کی حیثیت پانے والوں کی تھی، مگر قربان جایئے انصار پر کہ انہوں نے ایثار، محبت اور ہم دردی کے جو نمونے پیش کیئے وہ پوری انسانیت کی تاریخ میں فقید المثال ہیں، ہر انصاری نے اپنا پورا اثاثہ نصف نصف تقسیم کر کے آدھا خود لیا، باقی آدھا اپنے مہاجر بھائی کو پیش

کردیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ کوئی انصاری اپنے مال وجائیداد کا اپنے مہاجر بھائی سے زیادہ اپنے کو مستحق نہیں سمجھتا تھا۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ مہاجرین مدینہ آئے، تو آپ ﷺ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن الربیع کے درمیان مواخات قائم فرمادی، حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا کہ:

إِنِّي أَكْثَرُ الْأَنْصَارِ مَالاً، فَأَقْسِمُ مَالِي نِصْفَيْنِ، وَلِيْ امْرَأَتَانِ فَانْظُرْ أَعْجَبَهُمَا إِلَيْکَ فَسَمِّهَا لِيْ أُطَلِّقُهَا، فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا.

میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں، میں اپنا نصف مال آپ کو دیتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں، آپ کو ان میں جو پسند ہو میں اسے طلاق دے دوں گا، پھر عدت کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیجئے گا۔

اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ:

خدا تمہارے اہل وعیال اور مال وجائیداد میں برکت فرمائے، مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس یہ بتاؤ کہ یہاں کا بازار کہاں ہے؟

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قینقاع کے بازار کا راستہ بتادیا، حضرت عبدالرحمٰن گئے، دن بھر کاروبار کیا، شام کو نفع لے کر لوٹے، کچھ دنوں ہی کے بعد عقد کرلیا، عقد کے بعد ایک دن خوشبو لگا کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: میں نے عقد کرلیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کتنا مہر دیا؟ عرض کیا:

وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ.

کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (بخاری: المناقب: باب اخاء النبی بین المهاجرین و الانصار، اسد الغابة:لابن الاثیر:٤/ ٨٦)

ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کیوں نہ ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ایثار وقربانی کی تاریخ میں ہمیشہ ایک روشن معیار کی حیثیت سے باقی رہے گا۔

روایات میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد انصار نے خدمتِ نبوی میں یہ پیش کش بھی کی کہ ہمارے باغ حاضر ہیں، آپ ﷺ انہیں مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، انصار نے کہا کہ: تب یہ مہاجر بھائی ہمارے باغوں میں کام کر دیا کریں، اور پیداوار میں ہم ان کو حصہ دیں گے، تب انہوں نے کہا کہ:

"سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا". (بخاری: المزارعة: باب اذا قال اکفنی الخ)

ہم نے سنا اور مانا۔

مسند احمد میں ہے کہ مہاجرین نے اس پر عرض کیا کہ ہم نے کبھی اس درجہ ایثار کرنے والے لوگ نہیں دیکھے، یہ کام خود کریں گے، حصہ ہم کو دیں گے، تب تو سارا اجر انہیں کو ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم ان کی تعریف کرتے رہو گے اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہو گے تم کو بھی اجر ملتا رہے گا۔(البداية و النهاية:٣/٢٢٨، سیرت المصطفیٰ:١/ ٤٣٩-٤٤٠)

بنو نضیر کا علاقہ فتح ہونے کے بعد جب یہود کی چھوڑی ہوئی املاک وباغات تقسیم ہونے کا مسئلہ آیا تو انصار نے بیک زبان کہا تھا کہ یہ جائیدادیں بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کو دے دیں، اور ہماری جائیدادوں میں سے بھی جو چاہیں دے دیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ پکار اٹھے تھے:

جَزَاكُمُ اللّٰهُ يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ خَيْراً.

اے انصار: اللہ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔(جوامع السيرة: لابن حزم: ۱۲۰)

بحرین کی فتح کے بعد بھی جب وہاں کی مفتوحہ آراضی آپ ﷺ نے انصار کو دینی چاہیں تو انہوں نے اسی ایثار کا مظاہرہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم کوئی حصہ نہیں لیں گے جب تک اتنا ہی ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ مل جائے۔(بخاری: الجزية: باب ماقطع النبی)

اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (الحشر: ۹)

جو لوگ پہلے ہی سے اس جگہ (مدینہ) میں ایمان کے ساتھ مقیم ہیں، اور ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں، اور جو کچھ مہاجرین کو دیا جاتا ہے، یہ اپنے سینوں میں اس کی کوئی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے، اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، خواہ خود اپنی جگہ محتاج ہی کیوں نہ ہوں۔

مؤاخات کا یہ قانونی رشتہ ایک مدت تک رہا، پھر جب مہاجرین نے مدینے میں اپنی جگہ بنالی تو پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

مؤاخات کا یہ نظام نبوی تدبر وبصیرت کا آئینہ دار ہے، اور یہ نظام صرف چند بے گھر اور بے سہارا افراد کے معاشی مسائل کا حل نہیں تھا؛ بلکہ اس حقیقت کا اظہار واعلان بھی تھا کہ اسلام میں اصل تعلق دین کا تعلق ہے، دوسرے تمام تعلقات اور حیثیتیں اضافی ہیں، اصل نہیں ہیں، اللہ کی نگاہ میں کیا امیر؟ کیا غریب؟ کیا چھوٹا؟ کیا بڑا؟ کیا گھر والا؟ کیا بے گھر؟

سب برابر ہیں، اسلام کا اصل مطالبہ اور سیرت کے اس گوشے کا پیغام بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو تمام مادی وسماجی امتیازات ختم کرکے دین کی خاطر متحد اور ایک ہونا چاہیے۔

اذان کی مشروعیت

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے بعد جماعت کا وقت قریب آنے کی عام اطلاع کے لئے اعلان کا کوئی خاص طریقہ تجویز کئے جانے کا مسئلہ آیا، تاکہ سب لوگ شریک جماعت ہوں اور کوئی جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے، آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں مشورے کے لئے لوگوں کو طلب فرمایا، مختلف رائیں سامنے آئیں، بطور علامت جھنڈا بلند کئے جانے، مجوس کی طرح کسی بلند جگہ پر آگ روشن کئے جانے، یہود کی طرح ''بوق'' (نرسنگا) بجائے جانے، نصاریٰ کی طرح ناقوس بجانے کی رائیں پیش ہوئیں، آپ ﷺ کو کسی رائے پر اطمینان نہیں ہوا؛ بلکہ بعض تجاویز کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے، اس کے ساتھ مشابہت درست نہیں ہے، آخر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ نماز کا وقت ہونے پر کوئی آدمی بھیجا جائے، جو گھوم گھوم کر ''اَلصَّلوٰۃُ جَامِعَۃٌ'' (نماز تیار ہے) کا اعلان کرے، آپ ﷺ نے یہ تجویز پسند فرمائی، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے لئے متعین فرمادیا گیا، مگر کسی وجہ سے اس پر فوری عمل نہیں ہوسکا۔

روایات میں آتا ہے کہ اس مسئلے پر دوبارہ بھی مشورہ ہوا، جس میں بدرجہ مجبوری ناقوس بجائے جانے کی بات طے ہوئی، اسی رات حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں انسانی شکل میں فرشتے کو ناقوس لئے ہوئے دیکھا، اور کہا کہ: کیا اسے بیچو گے؟ فرشتے نے کہا: اس کا کیا کروگے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: نماز کا اعلان کریں گے، فرشتے نے کہا: کیا میں تم کو اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں، پھر اذان واقامت کے کلمات بتائے، صبح حضرت عبداللہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، خواب سنایا،

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خواب سچا اور من جانب اللہ ہے، وحی الٰہی نے خواب کی تائید کی، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اذان دلوائی گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس طرح کا خواب حضرت عمر سمیت متعدد صحابہ نے دیکھا، اذان کی مشروعیت کا یہ عمل ہجرت کے بعد ابتدائی مرحلے میں اور پہلے ہی سال میں ہوا ہے۔(دیکھئے:شروح احادیث، مرقاۃ المفاتیح: باب الاذان، سیرت المصطفیٰ:۱/۴۴۱-۴۴۹)

اذان: اصول دین کا واضح اعلان

غور کیا جائے تو اذان و اقامت کے کلمات اسلامی عقائد اور دین کے بنیادی اصول کا بہت جامع اور مؤثر اعلان ہیں، ان میں اللہ کی عظمت، کبریائی، اُلوہیت، وحدانیت، پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار، سب سے افضل عبادت نماز کی دعوت اور فلاح کی راہ پر آنے کا پیغام سب کچھ ہے۔ اسی لئے اسے اسلام کا شعار قرار دیا گیا ہے، احادیث میں وارد ہوا کہ آپ ﷺ نے اہل اسلام کو کلمات اذان کا جواب دینے اور اذان کے بعد دعائے مسنون پڑھنے کی تاکید کی ہے، اس دعا میں اللہ سے آپ ﷺ کے لئے مقامِ وسیلہ (جو جنت کا اعلیٰ مقام ہے) اور فضیلت کی درخواست بھی ہے، اور آپ ﷺ کو مقام محمود (شفاعت کبریٰ کے مقام) پر فائز کئے جانے کی التجاء بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

مدنی زندگی کے اسی دورِ آغاز میں مشہور یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف باسلام ہوئے ہیں، بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ انہیں بنوالنجار میں آپ ﷺ کے قیام کی اطلاع ملتی ہے، بعجلت تمام حاضر ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ: اجازت ہو تو تین سوال کرنا چاہتا ہوں، ان سوالوں کے جواب نبی کے سوا کسی کو معلوم نہیں

ہو سکتے، اجازت ملتی ہے، عرض کرتے ہیں:

(۱) مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ.

قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟

(۲) مَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ.

اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟

(۳) مَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَى أَبِيهِ وَإِلَى أُمِّهِ.

کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ.

قیامت کی پہلی علامت یہ ہے کہ آگ جس میں دھویں کی آمیزش ہوگی، مشرق سے مغرب تک پورے عالم میں پھیل جائے گی۔

وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ.

اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کی کلیجی ہوگی۔

وَأَمَّا الْوَلَدُ فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ.

باپ یا ماں جس کا نطفہ غالب ہوتا ہے، بچہ اسی کی شباہت اختیار کر لیتا ہے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے بے اختیار

"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ"

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور آپ اللہ کے رسول ہیں)

کے الفاظ نکلے، پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہود ایک بہتان باز قوم ہے، اگر انہیں پہلے میرے اسلام لانے کا پتہ چل گیا، تو بہتان تراشی کریں گے، بہتر ہوگا کہ آپ پہلے یہودیوں کو طلب فرمائیں، اور ان سے میرے بارے میں دریافت کریں، آپ ﷺ نے یہود کو اپنے پاس بلایا، عبداللہ بن سلام اندر چھپ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلامٍ فِيكُمْ؟

عبداللہ بن سلام تمہارے درمیان کس پائے کے آدمی ہیں؟

یہود بولے:

خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَأَفْضَلُنَا وَابْنُ أَفْضَلِنَا.

وہ ہمارے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے،

ہمارے سب سے اچھے آدمی اور سب سے اچھے آدمی کے بیٹے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلامٍ؟

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو؟

یہود بولے:

أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ.

اللہ انہیں اس سے محفوظ رکھے۔

اس پر آپ ﷺ نے آواز دی کہ: ابن سلام باہر آجاؤ، ابن سلام باہر آئے اور بآوازِ بلند توحید و رسالت کی گواہی دی، اتنا سننا تھا کہ یہود بول پڑے:

شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا.

یہ ہمارا سب سے برا آدمی ہے اور سب سے برے آدمی کا بیٹا ہے۔

یہود نے ان کی برائیاں شروع کر دیں، ابن سلام نے کہا:

يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ! اِتَّقُوا اللّٰهَ فَوَاللّٰهِ الَّذِي لاَ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ جَاءَ بِحَقٍّ.

اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم کو خوب معلوم ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، حق لے کر آئے ہیں۔

یہودیوں نے کہا:

"كَذَبْتَ"

تم جھوٹ بولتے ہو۔ (بخاری: المناقب: باب هجرة النبی)

یہود کے متعلق ان کے جھوٹ، عناد اور سرکشی کا یہ پہلا تجربہ آپ ﷺ کو حاصل ہوا، حضرت عبداللہ بن سلامؓ داعئ اسلام ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والے پہلے خوش قسمت یہودی ہیں، اور پھر ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ انہیں زبانِ نبوت سے زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنائی گئی۔

حضرت سلمان فارسی: تلاش حق کا انوکھا سفر

آپ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے پانچ دنوں بعد پیش آنے والا اہم واقعہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ ایمان ہے، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایران کے علاقے ''رامہرمز'' کے باشندے اور خاندانی مجوسی العقیدہ تھے، اپنے والدین اور خاندان سے بغاوت کر کے نصرانی بن گئے تھے، گھر والوں کی طرف سے اذیتوں کا بھی سامنا رہا، بالآخر شام آ گئے، وہاں کے بڑے پادری کی خدمت میں رہنے لگے، اس نے اپنی موت کے وقت ''موصل'' میں مقیم ایک سچے پادری کی نشان دہی کی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی خدمت میں پہنچ گئے، ایک مدت وہاں رہے، اس نے اپنی موت کے وقت ''نصیبین''

کے ایک مسیحی پادری کی طرف رجوع ہونے کو کہا، چناں چہ وہاں حاضر ہوئے اور مقیم ہو گئے، اس نے اپنی موت کے وقت روم کے شہر ''عموریہ'' کے ایک بزرگ مسیحی عابد سے وابستہ ہو جانے کی ہدایت دی، حضرت سلمان وہاں پہنچ گئے، جب ان بزرگ کا آخری وقت آیا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تلاشِ حق میں سرگرداں ہوں، آپ کے بعد کہاں جاؤں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب دنیا شرک سے لبریز ہو چکی ہے، اور وہ وقت آ گیا ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کا ظہور ہو جائے، نبی آخرالزماں ﷺ صحرائے عرب سے اٹھ کر دینِ حنیف کو زندہ کریں گے، ان کی ہجرت گاہ کھجور کے جھنڈوں والی زمین ہوگی، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی، وہ ہدیہ قبول کریں گے مگر صدقے کو اپنے لئے حرام سمجھیں گے۔

اب متلاشیِ حق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شب و روز نبی آخرالزماں ﷺ کی جستجو ہے، عرب جانے والے بنی کلب کے قافلے سے درخواست کر کے ہمراہ ہو گئے، مقام ''وادئ القریٰ'' میں قافلہ کے سردار کی نیت بدلی اور اس نے حضرت سلمان کو یثرب کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب حضرت سلمان غلام بن کر یہودی آقا کے ہمراہ یثرب پہنچے ہیں، ان کے دل نے اس نخلستانی سرزمین کو دیکھ کر گواہی دی ہے کہ ہو نہ ہو نبی آخر الزماں ﷺ کی ہجرت گاہ یہی مقام ہے۔

ایک دن حضرت سلمان اپنے آقا کے باغ میں کھجور کے درخت پر کام میں مصروف تھے، مالک نیچے بیٹھا تھا، اس کے دوست نے آ کر کہا کہ خدا بنوقیلہ (اَوس وخزرج) کو غارت کرے، یہ مکہ سے آئے ہوئے نبوت کے نئے مدعی کے پیچھے دیوانہ ہوئے جا رہے ہیں، سلمان کا پورا جسم اس خبر کو سن کر کانپ اٹھا، جلدی سے درخت سے اترے، آقا سے پوچھا کہ:

''آپ لوگ کیا بات کر رہے تھے؟''

آقا نے زور سے طمانچہ مارا، اور بولا:

''تمہیں اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرتے رہو۔''

حضرت سلمان شام کو قبا پہنچے ہیں، آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں، صدقہ کی کھجوریں پیش کرتے ہیں، آقا ﷺ نے وہ کھجوریں دوسروں میں تقسیم کردیں، خود نہیں کھائیں، یہ پہلی علامت کا ظہور تھا، کچھ دنوں بعد پھر حاضر ہوئے، ہدیہ پیش کیا، آقا ﷺ نے قبول کرلیا، خود بھی استعمال کیا اور حاضرین کو بھی شریک کیا، یہ دوسری علامت کا ظہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد کسی جنازے میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ کے اِرد گرد چکر کاٹنے لگے، آپ ﷺ بھانپ گئے، آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے چادر سرکادی، مہر نبوت سامنے نظر آئی، سلمان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، عقیدت سے مہر نبوت چوم لی، تلاشِ حق کا سفر ختم ہوگیا تھا، منزل ہاتھ آگئی تھی، فوراً کلمہ پڑھا، آقا ﷺ کو داستان سنائی، پہلے نام ''مابہ'' تھا، آقا ﷺ نے ''سلمان'' نام رکھا۔ (طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٣٣)

غلامی سے آزادی کی بات آئی تو یہودی آقا نے ۳۰۰ر کھجور کے بار آور درختوں اور ۴۰ر اوقیہ چاندی کی شرط لگادی، آپ ﷺ کی تحریک پر انصار نے اپنے باغوں سے ۳۰۰ر پودوں کا انتظام کیا، متعین مقام پر آپ ﷺ نے بدست خود یہ پودے لگائے، پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک ہی سال میں یہ سارے درخت بار آور ہوگئے، اسی طرح ۴۰ر اوقیہ چاندی کا انتظام بھی کرایا، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آزاد ہوئے، انہیں کی مشورت سے غزوۂ احزاب میں خندق کھودی گئی۔ (طبقات ابن سعد: ٤/ ٢٣٣، سیرت ابن هشام: ١/ ٧٣، سیرت المصطفیٰ: ١/ ٤٢٤)

راہِ حق کے اس مخلص مسافر کی قربانیوں اور تلاشِ حق کے سفر کی عزیمتوں کے صلہ میں زبانِ نبوت سے کبھی انہیں ''سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ'' (سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں) کا اعزاز ملا، کبھی یہ ارشاد ہوا:

مَنْ اَرَادَ أَنْ یَنْظُرَ اِلیٰ رَجُلٍ نُوِّرَ قَلْبُهُ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ سَلْمَانَ. (کنز العمال:۱۱/۳۱۶)

جو روشن قلب اور پاک باطن انسان دیکھنا چاہے، وہ سلمان کو دیکھ لے۔

اور کبھی ''سَلْمَانُ الْخَیْرُ'' (مجسم خیر سلمان) کا لقب عطا ہوا، اور خود انہوں نے ہمیشہ اپنے تعارف میں ''سلمان بن اسلام بن اسلام'' ہی فرمایا، رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ. (الاستیعاب: حافظ ابن عبد البر:۲/۵۶)

سعادت مند خادم: حضرت انس رضی اللہ عنہ

ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ کو کسی سعادت مند خادم کی ضرورت تھی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالہ سوتیلے بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پیش فرمادیا، عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، یہ لڑکا سمجھ دار ہے، آپ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کرے گا، مستقل دس برس حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص رہے، اس پوری مدت میں آقا ﷺ نے نہ انہیں کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ جھڑکا، نہ یہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہیں کیا؟ اللہ نے ان کی خدمت کے صلہ میں انہیں نبوی دعاؤں سے سرفراز فرمایا، آپ ﷺ نے ان کے لئے مال واولاد وعمر میں برکت کی دعا فرمائی، اس دعا کے طفیل میں وہ انصار میں سب سے زیادہ مال دار، کثیر العیال اور طویل عمر والے صحابی قرار پائے، چناں چہ ۱۰۳/سال کی عمر میں ۹۳ ہجری میں وفات ہوئی۔ (بخاری: الصوم: باب من زار قوماً، سیرت احمد مجتبیٰ:۲/ ۱۲۳، سیر الصحابة:۳/ ۱۱۶)

دس سالہ طویل عرصہ میں اپنے کل وقتی خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت وملاطفت کا یہ سلوک پوری امت کے لئے ماتحتوں کے ساتھ خوش معاملگی، نرم گفتاری، حسن اخلاق وسلوک کا واضح سبق اور پیغام ہے، کاش امت سیرتِ رسول ﷺ کے اس پہلو کو اپنے

لئے مشعل راہ سمجھے اور فرمانِ نبوت کے مطابق ''إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ'' اپنے خدام اور ماتحتوں کو اپنا بھائی سمجھ کر برادرانہ محبت اور نرمی کا معاملہ کرنے والی بن جائے۔(بخاری: الایمان: باب المعاصی من امر الجاهلية)

بئر رومہ کا وقف

ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ کے سامنے ایک مسئلہ مہاجرین کے لئے میٹھے پانی کا تھا، بیر رومہ وادی عقیق میں واقع ایک کنواں تھا، اس کا پانی لطیف اور شیریں تھا، کنویں کا مالک یہودی تھا، جو مسلمانوں کو پانی لینے کی اجازت نہ دیتا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

''کوئی ہے جو اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرے اور جنت میں اس سے بہتر کا مستحق ہو۔''

یہ سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باختلافِ روایات ۸/ ہزار یا ۲۵/ ہزار یا ۱/ لاکھ درہم میں کنواں خرید کر اسے وقف عام کر دیا۔(نشر الطیب: ۱۱۲، عثمان ذو النورین: مولانا سعید اکبر آبادی: ۲۸۳، ازالة الخفاء: ۴/ ۲۹۸)

مسلمانوں کے لئے پانی کا انتظام سیرتِ رسول ﷺ اور اسوۂ صحابہ کا بہت روشن باب ہے، احادیث میں آتا ہے:

مَنْ سَقَى مُسْلِماً عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ.

جو کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلاتا ہے اللہ اس کو جنت کی شراب خالص پلائے گا۔

مدینۃ المنورہ کے لئے آپ ﷺ کی خاص دعا

آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت وہاں کی آب و ہوا مرطوب تھی

اور موسم سخت تھا، جس کی وجہ سے وبائی امراض کا حملہ ہوتا تھا، بہت سے مہاجرین مختلف امراض کا شکار ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو سخت بخار آ گیا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دربارِ الٰہی میں اٹھا دئے اور عرض گذار ہوئے:

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا، وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ. (بخاری: الحج: فضائل المدينة)

خدایا! ہمیں مدینہ کی ویسی ہی محبت عطا فرما جیسی مکہ کی تھی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، ہمارے لئے مدینہ کے صاع ومد (ناپنے اور تولنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما، اور مدینہ کے بخار کو جحفہ (شریر یہودیوں کی بستی) منتقل فرما دے۔

بعض روایات میں ہے کہ مسلسل امراض کی وجہ سے ممکن تھا کہ مہاجرین کے دلوں میں اس مقام ہجرت کے تعلق سے کبیدگی پیدا ہوتی، اس لئے آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی:

اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لأَصْحَابِيْ هِجْرَتَهُمْ، وَلاَ تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ. (بخاری: المناقب: باب قول النبی: اللهم امض الخ)

الٰہی! میرے صحابہ کے لئے ان کی ہجرت کو مکمل فرمائیے، اور انہیں الٹے پاؤں مت لوٹائیے۔

یہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم، مرکز ایمان، طاعون ودجال سے محفوظ، بروں کو چھانٹ دینے والی سرزمین قرار دیا ہے، اس کا پہلا نام ''یثرب'' تھا، جس کے معنی سنگلاخ اور شوریدہ جگہ کے ہیں، صحابہ نے اس کا نام ''مدینۃ الرسول'' رکھ دیا، خود آپ ﷺ نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا۔ (بخاری: الحج: فضائل المدينة)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

ہجرت کے پہلے ہی سال شوال میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی، ہجرت سے دو یا تین سال قبل آپ ﷺ نے ان سے عقد فرمایا تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جمالِ صورت وسیرت سے آراستہ اور مکارم اخلاق کی پیکر خاتون تھیں، لطافت ذوق، سلامت فکر، اصابت رائے، کمالِ عقل، فراست وفقاہت سے مزین تھیں، وہ پیغمبر علیہ السلام کی مکمل مزاج دان اور والہانہ محبت کرنے والی اور خود آپ ﷺ کی نگاہ میں بے انتہا محبوب تھیں، روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا:

أَیُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَیْکَ؟

آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون انسان ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

عَائِشَةُ.

عائشہ۔(بخاری و مسلم: المناقب)

ہجرت کا دوسرا سال

صوم عاشورہ

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوتا ہے، محرم کا مہینہ ہے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود ۱۰ر محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت کیا، یہود نے جواب دیا:

هٰذَا يَوْمٌ نَجّى اللّٰهُ بَنِى اِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ.

اسی دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات عطا کی تھی۔

اس لئے ہم شکرانہ کے طور پر اس دن روزہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمُوْسىٰ مِنْكُمْ.

تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہم ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے خود بھی عاشوراء کا روزہ رکھا، اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(بخاری: الصوم: باب صوم یوم عاشوراء)

رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے تک عاشوراء کا روزہ لازم تھا، البتہ یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے ۱۰ر محرم الحرام کے ساتھ ۹ر یا ۱۱ر کا روزہ ملانے کی تاکید فرمائی تھی۔(مسلم: الصوم:باب ای یوم یصام فی عاشوراء، معارف الحدیث: ۱۷۱/۴)

پھر اسی سال شعبان کے آخری عشرہ میں قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرة/۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہوگا۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ پورے ماہِ رمضان کے روزے فرض کردئے گئے اور روزوں کا اولین مقصد اور فائدہ تقویٰ اور خوفِ خدا بتایا گیا، اس کے بعد عاشورہ کا روزہ سنت کردیا گیا۔(مسلم: الصوم: باب صوم یوم عاشوراء)

اذن جہاد

مدینہ منورہ میں اہل ایمان کا اطمینان وسکون سے قیام اور دین کی دعوت کی مہم میں انہماک مکہ کے مشرکین کو گوارا نہیں ہورہا تھا، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف منصوبہ سازیاں، سازشیں اور جنگی مہمات شروع کردی تھیں، چناں چہ ۱۲؍صفر المظفر ۲؍ہجری مطابق ۴؍اگست ۶۲۳ء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو جہاد، ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے مسلح جدوجہد کی اجازت ملی۔(سیرۃ النبی: ۱/ ۱۹۹)

اور فرمایا گیا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ. (الحج: ۳۹)

جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں، کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہیں۔

اس اجازت کے بعد دوسرے مرحلے میں سورۂ بقرہ میں حکم جہاد کی آیات نازل ہوئیں، چناں چہ بھی ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ. (البقرۃ: ۱۹۰)

راہِ خدا میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں۔

کبھی فرمایا گیا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ. (البقرة: ١٩٣)

تم دشمنوں سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے۔

کبھی یہ حکم دیا گیا:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ. (البقرة: ٢١٦)

تم پر دشمنوں سے جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے۔

کبھی یہ وارد ہوا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

(البقرة: ٢٤٤)

تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

یہ حکم سیرتِ نبوی اور تاریخ اسلامی کا بہت اہم موڑ ہے، اس سے قبل مکی زندگی میں صبر واعراض کی ہدایات تھیں، قیام مکہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی طرف سے آپ ﷺ سے جہاد کی اجازت طلب کئے جانے پر آپ ﷺ نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی تھی، چناں چہ ہجرت کے بعد یہ اجازت عطا کی گئی، قرآن وسنت کے مطابق اسلامی جہاد کے مقاصد میں اپنے حقوق کا تحفظ، ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانا، فتنہ وفساد کا خاتمہ، اعلاء کلمۃ الحق وغیرہ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

غزوات وسرایا

اجازتِ جہاد کے بعد غزوۂ بدر کبریٰ سے پہلے مختلف فوجی مہمات پیش آئی ہیں، کچھ

میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے اور کچھ میں آپ ﷺشریک نہیں رہے، اسلامی اصطلاح میں وہ فوجی مہم اور جنگی پیش قدمی جس میں رسول اللہ ﷺخودشریک رہے ہوں ''غزوہ'' کہلاتی ہے،اور جس مہم میں آپ ﷺ بذاتِ خودشریک نہیں ہوئے، بلکہ اپنے صحابہ میں سے کسی کوامیر بنا کرروانہ فرمایا،وہ''سریہ'' کہلاتی ہے۔(سیرت المصطفیٰ:۲/ ٤٤)

مؤرخین نے عہدنبوی کے سرایا کی تعداد ۴۷/اورغزوات کی تعداد ۲۷/بتائی ہے،ان ۲۷/غزوات میں ۱۸/وہ غزوے ہیں جن میں مسلح جدوجہد نہیں ہوئی، باقی 9 (بدر، احد، مریسیع ،خندق،قریظہ،خیبر،فتح مکہ،حنین اور طائف) میں مسلح مقابلہ ہوا ہے،اوران تمام جنگی مہمات میں مقتولین کی کل تعداد(بشمولِ مسلم وکافر)1048 ہے۔(طبقاتِ ابن سعد ۳۰٦/۱، مروج الذهب للمسعودی ۲۱۲/۲)

بدر سے پہلے کی فوجی مہمات کا مقصد

بدر سے پہلے کی مختلف فوجی کارروائیاں مدینہ کے شمال،مغرب اور جنوب کے خطے کے قبائل سے تعلقات قائم ومستحکم کرنے، دشمنانِ مکہ کی مخالفانہ پالیسیوں کوروکنے اوران کی عسکری طاقت کوچیلنج کرنے،ان کے تجارتی قافلوں کے راستے مخدوش کرنے،ان کی تجارتی ناکہ بندی،ان کی سرگرمی اورنقل وحرکت کا پتہ لگانے اوراسے محدود کرنے، مدینہ کی ریاست کی توسیع،مسلمانوں کے اثر ونفوذ کو بڑھانے اور دعوتی مہم کووسیع کرنے کے مقاصد سے عمل میں آئیں۔

سریہ سِیفُ البحر

چناں چہ سب سے پہلے عم رسول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سریہ تیس افراد (جوسب مہاجرین تھے) پر مشتمل ابوجہل کی سرکردگی میں شام سے مکہ واپس ہونے

والے تین سو سے زائد افراد کے قریش کے قافلے کا علاج کرنے کے لئے روانہ ہوا، مقام ''عیص'' کے قریب دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے، ابوجہل پر مسلمان مجاہدین کی عزیمت اور جذبے کا بہت رعب پڑا، علاقے کے قبائلی سردار مجدی بن عمرو جہنی نے حکمت عملی اور غیر جانب دارانہ پالیسی اپنا کر جنگ کو ٹالا، اس سریہ کو ''سِیفُ البحر'' نام دیا جاتا ہے، اس سریہ نے دشمنوں پر واضح کر دیا کہ مسلمان ان کی تجارتی شاہراہوں پر کنٹرول کر سکتے ہیں، اور ان کی اقتصادی شہ رگ کاٹ سکتے ہیں۔(الرحیق المختوم:٣٠٦، سیرۃالمصطفیٰ:٢/ ٤٥)

غزوہ ابواء

صفر ۲ر ہجری میں آپ ﷺ قریش کے ایک قافلے کی سرکوبی کے لئے جہاد کے سفر پر نکلے، مقام ''ابواء'' کے قریب ''ودّان'' تک یہ سفر ہوا، قافلۂ قریش تو ہاتھ نہ آیا، مگر بنوضمرہ کے سردار سے آپ ﷺ کا معاہدہ طے ہوا، یہ غزوۂ ''ابواء'' یا ''ودّان'' کہلاتا ہے، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آپ ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔(شرح المواھب: للزرقانی: ١/٧٥، سیرت المصطفیٰ:٢/٤٧)

غزوہ بواط

ربیع الاول ۲ر ہجری میں امیہ بن خلف کے تجارتی قافلے پر حملے کے لئے آپ ﷺ دوبارہ سفر پر نکلے، آپ ﷺ مقام ''بواط'' تک گئے، قریش کے جاسوسوں نے مخبری کر دی تھی، اس لئے قافلہ قابو میں نہ آسکا، یہ غزوۂ بواط کہلاتا ہے۔(الرحیق المختوم: ٣٠٩، سیرت احمد مجتبیٰ: ٢/١٦٦)

غزوہ ذی العُشَیرہ

جمادی الاخریٰ ۲ر ہجری میں ابوسفیان کی سرکردگی میں شام جانے والے قافلے کی خبر

سن کر آپ ﷺ ۲۰۰ ر مہاجرین کے ساتھ مقام ''ذوالعشیرہ'' تک گئے، مگر ابوسفیان کا قافلہ آگے جا چکا تھا، اس سفر میں قبیلہ بنو مدلج نے آپ ﷺ سے دوستی کا معاہدہ کیا، یہ غزوۂ ذو العشیرہ کہلاتا ہے۔(ایضاً، سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ٤٨)

غزوہ بدر اولیٰ

اسی دوران مکہ کے کافر سردار ''کرز بن جابر فہری'' نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر شب خون مارا، نگراں صحابی کو قتل کر کے بہت سے اونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ کھڑے ہوئے، آپ ﷺ ان کے تعاقب میں دوسو افراد کے ساتھ نکلے، بدر کے قریب تک ان کا پیچھا کیا، مگر وہ نہ مل سکے، اسے غزوۂ بدر اولیٰ کہتے ہیں، کرز بن جابر بعد میں اسلام لے آئے تھے۔

(طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۰۹، سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/ ۱٦۹، سیرت المصطفیٰ: ۲/ ۵۰)

ہم نے مختصراً ان بعض اہم فوجی مہمات کی طرف اشارہ کیا ہے جو غزوۂ بدر کبریٰ سے پہلے پیش آئیں۔

غزوۂ بدر کبریٰ

آغاز سفر

قریش نے اپنے جارحانہ منصوبے کے تحت باقاعدہ تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ طے کرلیا ہے، ان کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں کی طاقت بالکل توڑ دی جائے، اس مقصد کے لئے مکہ کے تمام قبائل نے مشترکہ مالی تعاون سے ایک خطیر رقم جمع کی اور ابوسفیان بن حرب کی رہبری میں ایک تجارتی قافلہ شام روانہ ہوا، منصوبہ یہ تھا کہ سامانِ تجارت لاکر اسے فروخت کیا جائے اور اس کا جو نفع آئے اس سے جنگی تیاری کی جائے، رمضان سن ۲ رہجری میں آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے کہ قریش کا یہ تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس ہورہا ہے، آپ ﷺ نے قریش کے اس جارحانہ منصوبے کو ناکام بنانے کے مقصد سے اس قافلے کی سرکوبی ضروری سمجھتے ہوئے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سفر شروع کردیا۔ بعض جاسوسوں کے ذریعہ ابوسفیان کو آپ ﷺ کے اس سفر کا پتہ چل گیا، انہوں نے ایک قاصد مکہ روانہ کردیا اور فوراً مدد طلب کی، قاصد مکہ پہنچا، اور مسلمانوں کے حملے کے خطرے کی خبر دی، پورا مکہ جوش میں آ گیا، ابوجہل کی سربراہی میں ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر روانہ ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ ۱۲ر رمضان المبارک ۲ رہجری کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے ہمراہ ۳۱۳ر صحابہ ہیں، بہت معمولی سامان ہمراہ ہے، ۸ر تلواریں، ۲ر گھوڑے، ۷۰ر اونٹ، باری باری ۳ر لوگ اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ (زاد المعاد: ۱/۳۴۲، سنہری سیرت: ۱۹۸)

مساوات کی شاہکار مثال

نکلتے وقت آپ ﷺ کے ہمراہ ایک اونٹ پر حضرت علی اور حضرت ابولبابہ شریک ہیں، جب آپ ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی ہے، تو دونوں صحابہ باادب عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! آپ سوار ہوجائیں، ہم پیدل چل لیں گے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَىٰ مِنِّي وَلاَ أَنَا بِأَغْنَىٰ عَنْ الأَجْرِ مِنْكُمَا.

تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور میں تم دونوں کے مقابلے میں اجر سے بے نیاز بھی نہیں ہوں۔ (سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/ ۲۰۰)

غور فرمایئے! مساوات اور دوسروں کی رعایت کا اس سے معیاری نمونہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ دنیا کے قائدین کی تاریخ، تواضع، مساوات اور حسن اخلاق کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

صحابہ سے مشورہ

راستے میں آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ (جو آپ ﷺ کا اصل ہدف تھا) راستہ بدل کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا ہے، اور حدودِ مکہ میں داخل ہوگیا ہے، مگر اس کی مدد کے لئے آنے والا مکہ کا لشکر اپنے قافلے سے مطمئن ہوکر ابوجہل کے اصرار پر اب مسلمانوں پر حملے کے لئے تیزی سے آگے آرہا ہے، اب وحی الٰہی کی رہنمائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی فوج سے مقابلہ طے فرمایا، دشمنوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے مخبر روانہ کئے، جن کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ایک ہزار ہے۔

صحابہ کے جذبات کا جائزہ لینے کے لئے آپ ﷺ نے ان سے مشورہ طلب کیا، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق وعمر رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ ہم سب کچھ قربان

کرنے کے لئے تیار ہیں، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اسے انجام دیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ.

اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر لڑ لو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رب چلیں اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ لڑیں گے، اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے، اگر آپ ﷺ ہم کو "برکِ غماد" تک لے چلیں تو بھی ہم چلیں گے۔(بخاری: التفسیر: باب فاذهب أنت الخ، سیرت ابن هشام: ۶۱۵/۲)

یہ تینوں افراد مہاجر تھے، آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کے جذبات کا اندازہ ہو، آپ ﷺ کی خواہش بھانپ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں، ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری ڈور آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔

لَوْأَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَأَ خَضْنَا هَا.

اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں، ہم تیار ہیں۔

ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں ہٹے گا، دشمن سے لڑائی ہو تو ہم مقابلے میں ثابت قدم رہیں گے، ممکن ہے کہ اللہ آپ ﷺ کو ہمارا وہ جوہر دکھائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، آپ ﷺ اللہ کے نام پر ہمیں حکم فرمائیے۔(مسلم: الجهاد: باب غزوة بدر، سیرت ابن هشام: ۶۱۵/۲)

آپ ﷺ اس جواب سے بے انتہا مسرور ہوئے، اور فتح کی بشارت دی، لشکر روانہ ہوا۔

فوجی تنظیم

آپ ﷺ کے خبر رساں آپ ﷺ کو دشمن کی ایک ایک حرکت کی خبر دے رہے ہیں، اسی اعتبار سے آپ ﷺ فوجی تنظیم کر رہے ہیں، بدر پہنچ کر حضرت خباب کے مشورے پر آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا ہے۔(ھذا الحبیب: ابو بکر الجزائری :۲۱۸)

گرد و نواح کا جائزہ لے رہے ہیں، وحی الٰہی کی رہنمائی میں وہ حکمت عملی اپنا رہے ہیں جو موجودہ دور کی سب سے ترقی یافتہ جنگی حکمت عملی ہے، قریش کا قافلہ بھی آ پہنچا ہے، اس کے شرکاء کے نام سن کر آپ ﷺ مسلمانوں سے فرما رہے ہیں کہ آج مکہ نے اپنے جگر پارے تمہارے سامنے ڈال دئے ہیں، آپ ﷺ نے پانی کے چشمے پر قابض ہونے کے باوجود دشمنوں کو پانی سے محروم نہیں کیا ہے، انہیں اجازت دے دی ہے، یہ آپ ﷺ کی رحمت عامہ ہے کہ جانی دشمنوں کو بھی نواز رہے ہیں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے ایک اونچے مقام پر ایک جھونپڑی تیار کی گئی ہے، جہاں سے آپ ﷺ پورے میدان پر نظر رکھ سکیں، ہدایات سن کر میدان تک پہنچانے والے جاں نثار کارندے بھی متعین ہیں، یہ جھونپڑی گویا جنگی مہم کا کنٹرول روم ہے۔
۱۶ر رمضان المبارک ۲ر ہجری کی شام کو میدان کا زمینی جائزہ لیتے ہوئے دورانِ معائنہ آپ ﷺ بدر میں ہلاک ہونے والے سردارانِ مکہ کی قتل گاہیں متعین طور پر بتا رہے ہیں، یہ خبر تمام مجاہدین کے حوصلوں میں نئی جان پیدا کر رہی ہے، ان کے ولولے تازہ ہو رہے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بخدا دوسرے دن اس کے خلاف نہیں ہوا، آپ ﷺ نے جس کی جو قتل گاہ بتائی تھی وہ وہیں پڑا ہوا ملا۔(شرح المواھب: للزرقانی: باب ذکر النبی من یقتل ببدر: ۱/۴۱۴-۴۱۶)

بارانِ رحمت

۱۶؍رمضان المبارک ۲؍ہجری کا سورج غروب ہو چکا ہے، رات نے اپنی طنابیں ڈال دی ہیں، ابر کرم زور سے برس رہا ہے، مسلح اور مضبوط دشمن کے خطرے کے باوجود بے خوف ہوکر مسلمان اطمینان سے سو رہے ہیں، صبح سویرے اٹھتے ہیں، تازہ دم ہیں، جی بھر کر نہاتے ہیں، میدان کا ریتیلا حصہ جہاں مسلمان مقیم ہیں، پانی کی وجہ سے جم کر سخت ہو گیا ہے، دشمن کا مقام جہاں نرم مٹی تھی، کیچڑ اور دلدل بن گیا، غور فرمائیے کہ یہ بارش کس طرح اہل اسلام کے حق میں رحمت سراپا، جبکہ دشمنوں کے لئے بڑی زحمت ثابت ہوئی، مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے:

> بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح وشکست کا فیصلہ کر دیتا ہے، جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷؍اور ۱۸؍ جون ۱۸۱۵ء کی درمیان رات میں بارش نہ ہوتی تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا، کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا بارہ بجے تک کا انتظار نہ کرنا پڑتا، سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوشر کے پہنچنے سے پہلے ویلنگٹن کو شکست ہو جاتی، واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن بدر میں بارش نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرۂ ارضی کی ہدایت وسعادت کا نقشہ اُلٹ جاتا، اسی طرف پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا:
>
> **اَللّٰھُمَّ اِنْ تَھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃُ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ.**
>
> خدایا! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو کرۂ ارض میں تیرا سچا عبادت گزار کوئی نہیں رہے گا۔ (ترجمان القرآن: ۳/۱۶۸-۱۶۹)

اللہ اپنے اس انعام کا ذکر کرتا ہے:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ. (الانفال: ۱۱)

یاد کرو جب تم سے گھبراہٹ دور کرنے کے لئے اللہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا؛ تا کہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کر دے، تم سے شیطان کے گندے وسوسے دور کر دے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور تمہارے پاؤں اچھی طرح جما دے۔

سالار قافلہ ﷺ کی مناجات

قافلہ سو رہا ہے؛ لیکن سالارِ قافلہ ﷺ رو رہا ہے، کاروانِ جہاد محو آرام ہے، مگر میر کارواں ﷺ اپنے رب سے محو مناجات ہے، پوری شب آقا ﷺ نے اپنے رب کے حضور جبین نیاز خم رکھی ہے، آنسوؤں کی سوغات پیش کی ہے، نصرتِ الٰہی کے لئے دست سوال دراز رکھا ہے، نماز فجر ہو چکی ہے، اُدھر آسمان بارش برسا رہا ہے، اِدھر کائنات کا سب سے عظیم انسان اپنی آنکھوں کے اشک برسا رہا ہے، آقا ﷺ کے تضرع وابتہال، عاجزی وفروتنی کے اظہار، آہ وفریاد، گریہ وزاری دیکھ کر دیکھنے والوں کو ترس آ رہا ہے اور مالک کائنات رب کو اپنے حبیب ﷺ کی اس ادا پر پیار آ رہا ہے۔

محبوبِ رب العالمین پیغمبر علیہ السلام نے اپنی پندرہ سالہ محنت اور ریاضت کا کل سرمایہ میدانِ عمل میں لگا دیا ہے اور شکست وفتح کے مالک کی بارگاہ میں عرض گذار ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ اَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا

تَعْبُدُ فِي الأَرْضِ.

الٰہ العالمین! میں اپنی آخری پونجی لے کر آ گیا ہوں، اگر یہ بھی نہیں رہی تو اس زمین پر آپ کی عبادت نہیں ہو سکے گی۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُرَیْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُیَلاَئِھَا وَفَخْرِھَا تُحَادُّکَ وَتُکَذِّبُ رَسُوْلَکَ، اَللّٰھُمَّ فَنَصْرَکَ الَّذِي وَعَدْتَنِي.

الٰہی یہ قریش اپنے فخر و غرور سے آئے ہیں، یہ آپ کی مخالفت اور آپ کے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں، بارالٰہا! میں آپ سے وہی مدد مانگ رہا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔(السیرۃ النبویۃ و اخبار الخلفاء: لابن حبان: ۱/ ۱٦٨، دلائل النبوۃ: للبیھقی :۳/۳۵)

دعا کے دوران ایک بار بے قراری کے عالم میں جسم اقدس سے چادر نیچے کو گر جاتی ہے، صدیق اکبر سے رہا نہیں جاتا ہے، آپ ﷺ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہیں، چادر اوڑھاتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ:

”حَسْبُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ“

حضور! بس کافی ہے، اللہ آپ ﷺ کو مایوس و نامراد نہیں کرے گا، اور آپ ﷺ کی دعا کو رد نہیں کرے گا۔(بخاری: المغازی: باب قول اللہ: إذ تستغیثون الخ، مسلم: الجھاد: باب الإمداد بالملائکۃ الخ)

اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی ہے، فرشتہ حاضر ہوا ہے، اے محمد! اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”ھُوَ السَّلاَمُ وَمِنْهُ السَّلاَمُ وَإِلَیْهِ السَّلاَمُ“

بلا شبہ میرا رب خود سلامتی ہے، اسی سے سلامتی ہے، اسی کی طرف سلامتی ہے۔ (البدایه والنهایه ٣٦٧/٣)

پھر حضور ﷺ اس حال میں اٹھے ہیں کہ زبانِ مبارک پر یہ الفاظِ قرآنی ہیں:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (القمر: ٤٥)

عنقریب اسی لشکر کو شکست ہوگی اور یہ دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

(بخاری: المغازی: باب قول الله: إذ تستغيثون الخ)

یوم الفرقان

حضراتِ گرامی! ۱۷/رمضان المبارک ۲/ہجری مطابق ۱۳/مارچ ۶۲۴ء جمعہ کا دن، اسلام کی تاریخ میں یہی وہ دن ہے جسے قرآن کی زبان میں "يَوْمُ الْفُرْقَانِ" (حق و باطل میں فرق کا دن) اور "يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ" (اہل ایمان و کفر کے مقابلے کا دن) قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس غزوۂ بدر کا دن ہے جو تمام غزوات میں سب سے افضل ہے، جس کے شرکاء سب سے افضل ہیں، اور ان کے بارے میں زبانِ نبوت سے وارد ہوا ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ أَوْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. (بخاری: المغازی: باب فضل من شهد بدراً)

شاید اللہ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا: جو چاہو کرو، تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

نمازِ فجر کے بعد آپ ﷺ کے روح پرور، ولولہ انگیز اور مؤثر خطاب نے مجاہدین کو جوش و خروش سے لبریز کر دیا ہے، صف بندی کا حکم دے دیا گیا ہے، آقا ﷺ صف بندی کر رہے ہیں، فوج کو مورچے پر جما رہے ہیں، الگ الگ دستے بنا رہے ہیں، ان کے کمانڈر متعین کر رہے ہیں۔

تدبیر وتوکل کا اجتماع

غور فرمائیے! ایک طرف یہ جنگی مستحکم، منظّم، مکمل اور حکیمانہ ترقی یافتہ تدبیر وانتظام، مکمل تیاری، تمام ضروری تدابیر واسباب ووسائل کا اہتمام، اور دوسری طرف آخری درجہ کے الحاح وتضرع کے ساتھ رجوع وانابت الی اللہ اور اللہ سے مدد طلبی اور اس پر توکل، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تدبیریں اور اسبابی انتظامات فرمائے، اونٹ، گھوڑے، تلوار، سب اسباب لئے، اسباب کم ضرور تھے، مگر آپ ﷺ نے سب اسباب اپنائے، پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کی طرف رجوع بھی فرمایا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ان دونوں کو جمع کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ ظاہری اسباب اور تیاری چھوڑ کر محض تقدیر پر تکیہ کر لینا بے عملی اور کم عقلی ہے، اور صرف اسباب وتدابیر کو اپنا کر اللہ کے دربار میں رجوع سے غافل رہنا محرومی اور نخوت ہے؛ بلکہ سنت رسول بتا رہی ہے کہ اللہ پر توکل کی روح یہی ہے کہ تمام ممکن اسباب وتدابیر اپنا کر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے، اور اللہ کی طرف رجوع ہوا جائے، اور اسی سے مدد طلب کی جائے، اور دعا مانگی جائے، اس لئے کہ بابِ نصرت اسی دعا کے ہتھیار سے کھلتا ہے۔

ایفائے عہد کی اہمیت

اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ دو صحابہ حضرت حذیفہ اور حضرت ہذیل رضی اللہ عنہما آپہنچے، انہیں راستے میں کافروں نے روک لیا تھا، پھر اس شرط پر رہا کیا تھا کہ یہ مسلمانوں کی مدد نہیں کریں گے، جنگ شروع ہونے سے چند لمحے پہلے یہ پہنچے ہیں، شریک جہاد ہونے کو بے تاب ہیں، اس وقت ایک ایک فرد قیمتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں شرط پر قائم رہنے اور وعدہ وفا کرنے کی تاکید کی، اور شریک جہاد نہیں ہونے دیا۔ (مسلم: الجهاد: باب الوفاء بالعهد، پیام سیرت: مولانا خالد سیف الله رحمانی: ۱۲۷-۱۲۸)

اتنے نازک مرحلے میں بھی ایفاء عہد کی تاکید سے امت کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ حالات کتنے ہی نازک وحساس کیوں نہ ہوں؟ ایک مسلمان عہد ووعدے کا پابند وپاس دار ہوتا ہے، اسی لئے ایفاء عہد کو ایمان کی شناخت اور عہد شکنی کو نفاق کی پہچان اور لازمہ بتایا گیا ہے۔

ایک صحابی کا انداز محبت

صف بندی کے اسی مرحلے میں چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک مجاہد صحابی حضرت سواد بن غزیہ صف سے ذرا سا آگے نکل آئے ہیں، آپ ﷺ انہیں سیدھا کرتے ہیں، دوبارہ راؤنڈ لیا، تو پھر وہی صحابی ذرا سا باہر ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

تم بار بار صف کیوں توڑتے ہو؟

یہ کہہ کر آپ ﷺ انہیں سیدھا کرتے ہیں، اور اپنے نیزے کی انی اُن کے پیٹ میں ذرا سا چبھو دیتے ہیں، وہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ:

یا رسول اللہ! آپ نے میرے پیٹ پر نیزہ لگایا، مجھے تکلیف پہنچی، اللہ نے آپ کو عدل وانصاف کا علم بردار بنایا ہے، میں آپ ﷺ سے قصاص لوں گا، مجھے بدلہ دیجئے۔

قربان جایئے! عدل ومساوات کے علم بردار پیغمبر پر، آپ ﷺ نے اپنا سینہ کھول دیا، فرمایا کہ آؤ! انتقام لے لو، سواد آگے بڑھے ہیں، لپٹ کر حضور ﷺ کے سینے کو بوسہ دے رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ آقا! میدانِ جنگ ہے، شہادت کی تمنا لے کر آیا ہوں:

أَرَدْتُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ الْعَهْدِ بِكَ أَنْ يَمَسَّ جِلْدِيْ جِلْدَكَ.

دل نے چاہا کہ دم نکلنے سے پہلے اپنے لبوں کو جسم اطہر سے مس کرلوں، برکتیں مل جائیں، سعادتیں حاصل ہوجائیں، اسی لئے بار بار صف سے آگے کو ہوجاتا تھا، اپنے پروانے کی یہ بات سن کر شمع ہدایت ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔(الاصابة :۲/ ۹۵، السيرة النبوية: لابن هشام :۲/ ۲۳۸)

انفرادی مقابلے

حضرات! اب میدانِ بدر میں معرکہ کارزار گرم ہے، عرب کے دستور کے مطابق پہلے انفرادی مقابلے ہوئے ہیں، کفار نے آواز لگائی:

مَنْ يُبَارِزُ؟

کون ہے مقابلہ کرنے والا؟

آپ ﷺ کے اشارے پر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث آگے آرہے ہیں، یہ تینوں آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں، اس عمل میں بھی ایک عظیم سبق ہے کہ سب سے زیادہ خطرناک مرحلے میں آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اور اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو سب سے آگے رکھا ہے۔

دوسری طرف عتبہ، شیبہ اور ولید آگے آئے، مقابلہ ہوا، حضرت حمزہ نے شیبہ کو، حضرت علی نے ولید کو قتل کردیا، حضرت عبیدہ عتبہ سے مقابلہ کررہے تھے، دونوں زخمی ہوئے، بالآخر عتبہ قتل ہوا، حضرت عبیدہ کا زخم کاری تھا، اور پھر اس زخم سے وہ جاں بر نہ ہوسکے اور جام شہادت نوش کیا۔(سيرت ابن هشام:۲/ ٦٢٤ الخ)

اس تعلق سے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ. (الحج: ۱۹)

یہ مؤمن و کافر دو فریق ہیں، جنہوں نے اپنے پروردگار کے معاملے

میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔

انفرادی حملے میں مسلمان حاوی رہے۔

اجتماعی مقابلہ آرائی

اس کے بعد عام مقابلہ آرائی شروع ہوتی ہے، کفار کو اپنی طاقت اور تعداد پر ناز تھا، مسلمان اللہ کی نصرت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے، اللہ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان کی نصرت فرمائی۔قرآن کہتا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّکَ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ آمَنُوا، سَأُلْقِي فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ، ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الانفال: ۱۲-۱۳)

یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعہ حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ، یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور جو اللہ ورسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

آسمانی مدد

حضرات! میدانِ بدر میں گھمسان کا رن جاری ہے، مجاہدین اسلام استقامت اور

دلیری کے ناقابل بیان جوہر دکھارہے ہیں، رسول اللہ ﷺ جبرئیل امین کے اشارے پر مٹھی بھر مٹی اور کنکر زمین سے اٹھاتے ہیں، اور اسے مشرکین کی طرف پھینکتے ہوئے فرماتے ہیں:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ، اَللّٰهُمَّ اَرْعِبْ قُلُوْبَهُمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ.

ان کے چہرے رسوا اور ذلیل ہوئے، خدایا ان کے دلوں پر رعب ڈال دیجئے اور ان کے قدم اکھاڑ دیجئے۔

اللہ نے یہ مٹی اور کنکری ہر مشرک کی آنکھ، ناک اور منہ تک پہنچادی، اور ان میں افراتفری پھیل گئی، قرآن کہتا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى. (الانفال: ۱۷)

اے نبی! جب آپ نے ان پر مٹی پھینکی تھی تو وہ آپ نے نہیں؛ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔(دیکھئے: سیرت ابن کثیر: ۴:۲۵)

امت کے فرعون کا انجام بد

اللہ نے امت محمدیہ کے فرعون ''ابوجہل'' کو ذلت ناک موت سے دوچار کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

میں جنگ بدر کے دن میدان میں تھا، میرے دائیں بائیں دو نوعمر جوان ''معاذ ومعوذ'' تھے، مجھ سے رازدارانہ الگ الگ کہنے لگے: چچا جان! ابوجہل کون ہے؟ بتائیے، میں نے کہا: کیا کام ہے؟ بولے: سنا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو برا کہتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر مجھے وہ نظر آ گیا تو اسے مار کر ہی چھوڑوں گا، تھوڑی دیر بعد مجھے ابوجہل نظر آیا، میں نے دونوں کو اشارے سے بتادیا، دونوں اپنی تلواریں لئے

ابوجہل پر جھپٹ پڑے، اور اسے گرادیا اور انجام تک پہنچادیا۔ (بخاری: المغازی:۳۹۸۸)

معرکۂ بدر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تھا: کون ہے جو دیکھے کہ ابوجہل کا انجام کیا ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کے پاس پہنچے، سانس آرہی تھی، اس کی گردن پر پیر رکھا، بولے:

اَخزَاکَ اللّٰہُ یَاعَدُوَّ اللّٰہِ.

اے اللہ کے دشمن! آخر خدا نے تجھے رسوا کردیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ کر خدمت نبوی میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اس امت کا فرعون ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰہُ أَکْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، صَدَقَ وَعْدَہُ وَنَصَرَ عَبْدَہُ وَھَزَمَ الأَحْزَابَ وَحدَہُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَعَزَّ الإِسْلَامَ وَ أَھْلَہُ.

اللہ سب سے بڑا ہے، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی، تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے اسلام اور اسلام والوں کو عزت بخشی۔

(فتح الباری:۷/ ۲۳۰، سیرت ابن ھشام: ۲/ ۶۳۶، ابو داؤد: الجھاد: باب فی الرخصة فی السلاح)

بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے سجدۂ شکر بھی ادا فرمایا۔ (عمدة القاری: باب قتل ابی جھل، البدایة والنھایة :۳/۲۸۹)

فتح مبین

اللہ نے بدر کے معرکہ میں اہل ایمان کو فتح مبین عطا فرمائی، ۶ رمہاجرین اور ۸ رانصار

پر مشتمل ۱۴؍مسلمان شہید ہوئے، سب سے پہلے شہادت کا اعزاز پانے والے صحابی " مِهْجَعْ بن صالحؓ " تھے جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، انہیں شہداء بدر کا سردار ہونے کا اعزاز ملا: آپ ﷺ نے فرمایا:

مِهْجَعُ سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ.

بدر کے شہداء کے سردار مھجع ہیں۔

اس طرح آپ ﷺ نے ایک غلام کو "سید الشهد اء" کا اعزاز بخش کر انسانیت نوازی اور کامل مساوات کا بے مثال نمونہ پیش فرما دیا۔(دلائل النبوة:للبيهقي: ۳/۱۲٤، السيرة الحلبية:۳/٤۷۷)

کفار کے ۷۰؍افراد قتل ہوئے، ۲۴؍لاشیں کنویں میں ڈال دی گئیں۔(سیرت ابن هشام:۲/٦۳۷)

اور ۷۰؍افراد قید ہوئے، قرآنی حقیقت وصداقت سامنے آئی۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ. (البقرة:۲٤۹)

نہ جانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں، اللہ ثابت قدم اور صبر شعار لوگوں کے ساتھ ہے۔

اللہ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (آل عمران: ۱۲۳)

اللہ نے تو جنگ بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے؛ لہٰذا صرف اللہ کا خوف دل میں رکھو؛ تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔

بدر کی یہ فتح اسلام کی سربلندی کے سفر کی گویا پہلی منزل ہے، اطرافِ مدینہ کے قبائل

پر مسلمانوں کی دھاک جم گئی، ان کی طرف سے مصالحتی مذاکرات ومعاہدات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اسلام کو واضح تقویت حاصل ہوئی۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

جنگ کے اختتام کے بعد آپ ﷺ ۳/دن بدر میں ٹھہرے، پھر واپس ہوئے ہیں، ہمراہ قیدیوں کا قافلہ ہے، مدینہ میں فتح کی خوش خبری پہنچ چکی ہے، مدینہ منورہ کے یہود اور مارِ آستین منافقوں کے سینوں میں عداوتیں بڑھ گئی ہیں، آپ ﷺ نے قیدیوں کی دیکھ بھال کا کام صحابہ پر تقسیم فرمادیا، اور حسن سلوک کی تاکید کی، آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق ان جنگی قیدیوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک صحابہ نے کیا کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، صحابہ نے خود بھوکے رہ کر ان قیدیوں کو کھلایا۔

ان قیدیوں میں دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو ان کے بے شمار جرائم کی وجہ سے راستے ہی میں آپ ﷺ کے حکم سے قتل کردیا گیا تھا۔(البداية والنهاية :۳/۳۱۸، الرحيق المختوم:۳۵۵)

باقی ۶۸/قیدیوں کے ساتھ اکرام واعزاز کا بے مثال معاملہ ہوا، مدینہ منورہ آکر آپ ﷺ نے قیدیوں کی بابت صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ کفر کے ستون ہیں، ان کی سزا قتل ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ کے عوض رہا کرنے کی رائے دی، آپ ﷺ کی شانِ رحمت وعفو نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی۔(المستدرك:۳/۲۱)

چناں چہ قیدیوں میں جو پڑھے لکھے لوگ تھے، ان کا فدیہ دس مسلمان بچوں کو پڑھانا طے ہوا۔(طبقات ابن سعد:۲/۱۴، شرح المواهب :زرقانی:۱/۴۴۲)

یہ اقدام ایجوکیشن فار آل (سب کے لئے تعلیم) کی انقلابی مہم کے تحت ہوا، اس سے

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم اپنے دشمنوں سے ملے تو بھی اسے سیکھا جائے، اسی کو ایک حدیث میں فرمایا گیا:

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.

(مشکوٰۃ : کتاب العلم)

علم وحکمت مؤمن کا گم شدہ سامان ہے، جہاں سے ملے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے حاصل کیا جائے۔

دوسری طرف دوسرے قیدیوں سے مالی فدیہ وصول کر کے باعزاز واکرام رخصت کیا گیا، قیدیوں میں حضور اکرم ﷺ کے بڑے داماد حضرت ابوالعاص بھی تھے، ان کا فدیہ آیا تو اس میں حضرت زینب نے وہ ہار بھی بھجوایا جو ان کی ماں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں شادی کے موقع پر دیا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ کو ایک دم حضرت خدیجہ یاد آ گئیں، رقت طاری ہوگئی، آپ ﷺ آب دیدہ ہوگئے، آپ ﷺ نے صحابہ سے کہہ کر وہ ہار واپس کرایا۔(سیرت ابن ھشام:۲/۶۵۳-۶۶۰)

بہرحال جنگی قیدیوں کی رہائی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا فیصلہ پوری انسانیت پر آپ ﷺ کا احسانِ عظیم اور آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت ہے۔

اس کے ذریعہ پیغمبر ﷺ کا یہ اسوہ امت کے سامنے آیا کہ دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک و مدارات اور فیاضی، بدخواہوں کے ساتھ بھی خیر خواہی اور سیر چشمی کا معاملہ ہونا چاہئے، اسلام میں صرف یہ مطلوب نہیں کہ جو ہم سے اچھا معاملہ کرے ہم اس سے اچھا معاملہ کریں بلکہ یہ بھی مطلوب ہے کہ جو ہمارے ساتھ برا معاملہ کرے، ستائے، بدخواہ ہو، اس کے لئے بھی اپنے دل کے دروازے کھلے رکھیں، دشمنی سے لبریز اور عداوت سے پر دلوں اور سینوں میں محبت اور الفت کے جذبات منتقل کرنے کی کلید یہی حسن اخلاق وسلوک ہے۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِی هِیَ أَحۡسَنُ، فَإِذَا الَّذِی بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَهُ عَدَاوَۃٌ کَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ. (حم السجده/ ٣٤-٣٥)

تم برائی کا دفاع اچھائی سے کرو، اس کے نتیجے میں تمہارا دشمن جگری دوست بن جائے گا، مگر یہ جو ہر صرف انہیں کو ملتا ہے جو صبر سے کام لیتے ہوں اور جو بڑے نصیب والے ہوں۔

شکست سے مکہ میں ماتم

بدر کے میدان میں ذلت آمیز اور عبرت ناک ہزیمت کے بعد مشرکین بدحواس اور پریشان حال مکہ پہنچ رہے ہیں، پورا مکہ ماتم کدہ بنا ہوا ہے، شکست خوردہ قریشیوں میں سب سے پہلے مکہ پہنچنے والا عیسمان خزاعی تھا، اس نے شکست اور تمام سرداروں کے قتل کی داستان سنائی، صفوان بن امیہ نے داستان سن کر کہا کہ یہ شخص ماؤف ہو گیا ہے۔(سیرت ابن هشام :٢/ ٦٤٦، البداية والنهاية :٣/ ٣٢١)

اتنے میں ابوسفیان بن الحارث مکہ پہنچا، ابولہب نے ان سے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہاں نظارہ ہی کچھ اور تھا، وہاں ایسے لوگ نظر آ رہے تھے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے، خدا کی قسم: ان کے سامنے تو کوئی ٹک ہی نہیں سکتا تھا۔(سیرت المصطفیٰ:٢/ ٢٢١)

رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ابورافع فرماتے ہیں:

میں ان دنوں حضرت عباس کا غلام تھا، حضرت عباس اور ان کی اہلیہ ام الفضل اور میں تینوں مسلمان ہو چکے تھے، ہم نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا، ابوسفیان کی بات سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا، میں باہر آیا اور کہا کہ خدا کی قسم وہ تو فرشتے تھے۔

یہ سن کر ابولہب کو طیش آیا، اس نے زور سے ابورافع کو طمانچہ مارا، اس واقعے کے

سات ہی دن بعد ابولہب کو طاعون نے آ گھیرا، بیماری کے خوف سے بیوی بچے بھی اس کے قریب نہ جاتے تھے، تین دن بعد اسی حالت میں عبرتناک موت مرا، تین دن لاش بے گور و کفن پڑی رہی، بالآخر چند حبشی غلاموں نے رسیوں سے لاش کھینچ کر ایک گڈھے میں ڈال دی اور دور سے پتھر برسائے تاکہ جسم ڈھک جائے۔ (هذا الحبيب :الجزائری: ۲۳۰ الخ)

قرآن کی صداقت پھر آشکارا ہوئی:

تَبَّتْ يَدَا أَبِیْ لَهَبٍ وَ تَبَّ، مَا أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ،سَيَصْلٰی نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ. (اللهب/ ۱-۳)

ابولہب کے ہاتھ برباد ہوں، اور وہ خود برباد ہو چکا ہے، اس کی دولت اور کمائی اس کے کچھ کام نہیں آئی، وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہو کر رہے گا۔

ایک مہینہ تک بدر کی ہزیمت پر ماتم ہوتا رہا، عورتوں نے زینت و آرائش چھوڑ دی، انتقام انتقام کی صدائیں گونج پڑیں، ابوسفیان سمیت بہت سوں نے قسمیں کھالیں کہ جب تک بدلہ نہیں لے لیں گے، چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

مسرت بالائے مسرت: ایران پر روم کی فتح

بدر کی فتح کی خوشی کے ساتھ آپ ﷺ اور اہل ایمان کو دوسری خوشی رومیوں (اہل کتاب نصاریٰ) کی ایران کے مجوسیوں پر مکمل فیصلہ کن فتح اور اس کے نتیجے میں قرآنی پیشین گوئی کی تکمیل وتصدیق اور مشرکین کی رسوائی کے ذریعہ حاصل ہوئی، اس طرح مسرت بالائے مسرت کی کیفیت سامنے آئی۔

قرآن نے تقریباً سات سال پہلے ایرانیوں کے ذریعہ رومیوں کی شکست کی خبر اور اہل مکہ کے اس پر بے انتہا خوش ہونے اور مظلوم مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے جواب میں

ناموافق حالات میں پیش گوئی کی تھی۔

الۤمّ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ، فِی أَدْنَی الأَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ، فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ. (الروم: ۱-٤)

رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے، چند ہی سالوں میں۔

مشرکین نے اس وقت اس قرآنی بیان کا بہت مذاق اڑایا تھا، قرآن نے اپنے بیان میں ''بضع'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جس میں نو سال کی وسعت ہے؛ لیکن سات سال ہی ہوئے تھے کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دے دی، اور قرآنی بیان کی صداقت عملی اعتبار سے آشکارا ہوگئی۔(معارف القرآن: سورۃ الروم)

بنت الرسول ﷺ حضرت رقیہؓ کی وفات

غزوۂ بدر سے واپسی پر ایک الم ناک واقعہ جگر گوشۂ رسول، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا سانحۂ وفات ہے، آپ ﷺ کے حکم پر انہیں کی علالت کی وجہ سے خبر گیری اور تیمارداری کے لئے حضرت عثمان غنی بدر میں عملی طور پر شریک نہیں ہوسکے تھے، مگر آپ ﷺ نے انہیں بدریین کے اجر میں شریک بنایا اور مالِ غنیمت میں حصہ بھی عطا فرمایا۔(بخاری: المناقب: مناقب عثمانؓ)

تحویل قبلہ

۲/ہجری کے اہم واقعات میں تحویل قبلہ کا واقعہ بھی ہے، ہجرت کے بعد سے رجب ۲/ہجری تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس رہا تھا، آپ ﷺ کی تمنا کے مطابق ہجرت کے ۱۶/ماہ بعد رجب ۲/ہجری میں حکم آیا:

قَدُ نَرَى تَقَلُّبَ وَجُهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبُلَةً تَرُضَاهَا، فَوَلِّ وَجُهَكَ شَطُرَ الُمَسُجِدِ الُحَرَامِ. (البقرة: ۱٤٤)

اے نبی: ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، چناں چہ ہم آپ کا رخ ضرور اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو آپ کو پسند ہے، لیجئے اب اپنا رخ مسجد حرام کی سمت کر لیجئے۔

یہ حکم ظہر کی نماز میں مسجد بنی سلمہ میں دورانِ نماز آیا، جب آپ ﷺ وہاں امامت فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے درمیان میں ہی قبلہ بدلا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ''مسجد القبلتین'' ہوگیا، یہود نے اس حکم پر بہت کچھ طعنہ زنی؛ بکواس اور جسارتیں کیں، قرآن نے ان کے جواب میں واضح کردیا کہ اسلام کا پیغام اللہ کی عبادت اور اس کے حکم کی تعمیل ہے، اسلام کسی خاص سمت کی پرستش کی دعوت نہیں دیتا، سمتیں سب اللہ کی ملکیت ہیں، وہ جب جدھر عبادت کا حکم دے گا اس کی تعمیل ضروری ہوگی، معبود اللہ کی ذات ہے، کوئی سمت، کوئی مکان، کوئی عبادت گاہ معبود نہیں ہے، جب تک اس نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، اس کی تعمیل ضروری رہی، اب اس نے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم دیا ہے، سب پر اس حکم کی اتباع ضروری ہے۔(انعام الباری: ۱/ باب الصلوۃ من الایمان)

قتل رسول ﷺ کی سازش کی ناکامی

مشرکین مکہ بدر کی شکست سے پیچ وتاب کھائے ہوئے ہیں، مکہ کے دو مشرک سردار صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب حطیم میں محو گفتگو ہیں، صفوان بدر میں مقتول سرداروں کی موت پر آہ سرد کھینچتا ہے کہ ان کے بعد تو زندگی میں مزا ہی نہ رہا، عمیر بولا: میرا ایک بیٹا مدینہ میں قید ہے، میرے ذمہ قرض نہ ہوتا، اہل وعیال نہ ہوتے تو میں مدینہ منورہ جا کر محمد کو ختم کرڈالتا، صفوان یہ سن کر کہتا ہے: تمہارا قرض میرے ذمے رہا، تمہارے اہل وعیال میری

کفالت میں رہیں گے، تم مدینہ جا کر محمد کا کام ضرور تمام کر ڈالو، عمیر نے ارادہ ٹھان لیا، راز داری کا عہد ہوا، تیز دھار والی زہر آلود تلوار چھپائی، مدینہ روانہ ہوا۔

مسجد نبوی کے قریب عمیر پہنچتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ پڑ جاتی ہے، ان کی چھٹی حس نے خبردار کیا ہے کہ یہ بری نیت سے آیا ہے، آپ ﷺ کی اجازت سے عمیر کو پکڑ کر لے جاتے ہیں، عمیر نے جاہلیت کی رسم کے مطابق سلام کیا، آپ ﷺ نے اسلامی سلام کا طریقہ ذکر فرمایا، دریافت کیا کہ: کیوں آئے؟ عمیر بولا: بیٹا آپ کے پاس قید ہے، اسی کی فکر مجھے لائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تلوار گردن میں کیوں ہے؟ بولا: بھول گیا، پھر یہ تلواریں ہمارے کس کام کی ہیں؟ بدر میں انہوں نے ہمارا کیا ساتھ دیا؟ آپ ﷺ مسکرائے، فرمایا کہ: تم نے اور صفوان نے حطیم میں تو یہ طے کیا تھا، آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی مدد سے ان کی باہمی رازدارانہ گفتگو پوری ہو بہو سنا دی، عمیر یہ راز سربستہ سن کر بالکل حیران و ششدر رہ گیا، بے اختیار کہہ پڑا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ آپ کو وحی کے ذریعہ خبر دیتا ہے، تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ پر حق کی راہ کھول دی۔

عمیر نے ایمان قبول کیا، آپ ﷺ نے ان کے بیٹے کو بلا معاوضہ رہا کر دیا، اللہ نے اس دین میں، پیغمبر اسلام ﷺ میں، آپ ﷺ کی ایک نگاہ دل نواز میں، آپ ﷺ کی زبان کے بولوں میں کس قدر تاثیر پیدا فرمائی تھی کہ جو آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آیا تھا وہ خود حق کا شکار بن گیا۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

فتح مکہ کے سفر میں عمیر آپ ﷺ کے ہم رکاب ہیں، عام معافی کے اعلان کے بعد عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میرا دوست صفوان ڈر کی وجہ سے روپوش ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے امان دیتا ہوں، عمیر عرض کرتے ہیں کہ کوئی نشانی عطا ہو جائے، آپ ﷺ

اپنی ردائے مبارک اتار کر دے دیتے ہیں، صفوان ردائے مبارک دیکھتے ہیں، عفو و درگذر کی نوید سنتے ہیں، آنکھوں اور کانوں کے ساتھ دل بھی روشن ہوجاتا ہے، دامن اسلام سے وابستہ ہوجاتے ہیں۔(المعجم الکبیر:للطبرانی:۱۷/۵۶-۵۷، سیرت ابن ہشام: ۲:۶۶۱ الخ، الکامل فی التاریخ : لابن الاثیر:۲/۳۰، البدایۃ والنہایۃ :۳/۳۲۶ الخ)

مختلف احکام شرعیہ کی مشروعیت:
(عیدین، صدقہ فطر، نصاب زکوۃ، قربانی، درود وسلام)

۲ر ہجری کے رمضان المبارک ختم ہونے میں دو دن باقی تھے، قرآنی آیات

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی. (الاعلیٰ)

نازل ہوئی، صدقۂ فطر اور نماز عید الفطر کا حکم آیا، یہ پہلی عید تھی جو آپ ﷺ کی امامت میں ادا کی گئی۔(شرح الزرقانی:۱/۴۵۴)

پھر اسی سال ذی الحجہ میں نماز عید الاضحیٰ مشروع ہوئی، قربانی کا حکم آیا۔(ایضاً:۱/۴۶۰)

مدینہ منورہ کے لوگ زمانۂ جاہلیت میں دو دن خوشی منایا کرتے تھے، آپ ﷺ کے بیان کے مطابق اللہ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے پرمسرت موقعے ان کا نعم البدل بنادئے۔(مشکوۃ المصابیح: العیدین)

پھر اسی سال پہلے سے فرض چلی آرہی زکوٰۃ کی تفصیل اور اس کے نصاب ومصارف کی توضیح وتعیین کا عمل انجام پایا۔(الرحیق المختوم:۳۶۱)

اور راجح قول کے مطابق آپ ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرنے کا حکم بھی اسی سال آیا۔(سیرت احمد مجتبیٰ :۲/۲۷۴)

اور فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلائِـكَتَـهُ يُـصَلُّوْنَ عَلَى النَبِیِّ، يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّو عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيُماً. (الاحزاب: ٥٦)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

درود بذات خود اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اور اللہ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا سہل نسخہ ہے، یہ دعا بھی ہے اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے اپنے والہانہ تعلق کا اظہار بھی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا عقد

شوال ۲ رہجری میں پیغمبر علیہ السلام نے اپنی لاڈلی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا، آپ ﷺ نے حضرت علی کو (جو آپ ﷺ کے زیر تربیت وکفالت تھے) اور حضرت فاطمہ کو الگ گھر میں آباد کرنے کے لئے اس موقعہ پر سادہ لحاف، چمڑے کا معمولی گدا، پانی کی مشک اور دو مٹی کے گھڑے عنایت فرمائے۔ (شرح الزرقانی: ۲/ ۲٦٠، سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ۱۷۱-۱۷۲)

اس درجہ سادگی سے آپ ﷺ نے بیٹی کا عقد فرما کر امت کو تقریبات میں اسراف اور رسموں سے مکمل بچنے اور سادگی کے طریقے کو اپنانے کا پیغام رحمت دیا ہے، کاش اس باب میں امت اس نبوی اسوہ کو سامنے رکھے تو کتنی کلفتیں اور الجھنیں ختم ہو جائیں۔

گستاخ یہودیہ کا انجام بد

رمضان المبارک ۲ رہجری کی ۲٦ رتاریخ کو ایک باغیرت نابینا مسلمان حضرت عمیر بن عدی نے گستاخِ رسول یہودی شاعر خاتون ''عصماء'' (جو اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجو اور مسجد کو گندا کرنے کی مجرم تھی) کو قتل کر دیا، آپ ﷺ نے عمیر کے لئے کلماتِ خیر فرمائے، اور انہیں اللہ و رسول کی مدد کرنے والا قرار دیا۔ (الصارم المسلول: لابن تیمیہ: ۹۵ الخ)

یہود بنی قینقاع کی سرکشی اور انجام

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ آنے کے بعد جو معاہدہ یہود کے ساتھ فرمایا تھا، اس کا ذکر آچکا ہے، یہود نے اپنی بدعہدی اور فتنہ بازی کی سازش کے نتیجے میں اس کے خلاف کرنا شروع کردیا، یہودی قبائل میں بنی قینقاع سب سے بہادر اور مال دار اور سب سے بڑھ کر فتنہ انگیز تھا، ابھی آپ ﷺ بدر ہی میں تھے کہ یہ حادثہ پیش آیا کہ ایک مسلمان خاتون کچھ خریدنے یا بیچنے کے لئے بنی قینقاع کے بازار میں گئی، وہاں جمع یہودیوں نے اس خاتون کے ساتھ بدتمیزی کی، اور ان کے کپڑے اتار دئے، اور سب مل کر قہقہہ لگانے لگے، عورت نے شور مچایا، تو ایک مسلمان مدد کو آیا اور مشتعل ہوکر اس یہودی دوکان دار کو قتل کردیا، اس کے جواب میں یہود نے اس مسلمان کو قتل کردیا اور ہنگامہ ہوگیا، بدر کے بعد یہ معاملہ بارگاہِ نبوی میں آیا، آپ ﷺ نے یہود بنی قینقاع کو تنبیہ کی اور سمجھایا، اس پر انہوں نے ہٹ دھرمی دکھائی اور کہا کہ تم نے ہم کو قریش سمجھ رکھا ہے، ہم سے لڑوگے تو ہم نمٹ لیں گے، ان جملوں کا صاف مطلب اعلان جنگ تھا، آپ ﷺ نے بحکم الٰہی ان سرکشوں کو سبق سکھانے کے لئے سختی سے ان کا محاصرہ کرلیا، یہودی اپنے قلعوں میں نظر بند ہوگئے، یہ محاصرہ ۱۵/شوال ۲/ہجری سے شروع ہوا اور ۱۵/دن رہا، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ان کو اکساتا رہا، مگر آپ ﷺ کا بے لچک موقف دیکھ کر یہودی مرعوب ہوگئے اور ہتھیار ڈال دئے، اور فیصلہ آپ ﷺ کے اختیار پر چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ تم لوگ مدینہ خالی کرکے فوراً چلے جاؤ، گھریلو اشیاء لے جاسکتے ہو، جنگی سامان نہیں لے جاسکتے، چناں چہ بنوقینقاع مدینہ سے شام کے اذرعات کے علاقہ میں چلے گئے، اس طرح اس سازشی گروپ سے مدینہ پاک ہوا۔

(زاد المعاد: ۲/۱۷۱ الخ، سیرت ابن ھشام: ۲/۴۷ الخ)

ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ غطفان

اب ہم ہجرت کے تیسرے سال میں داخل ہورہے ہیں۔

محرم ۳ھ ہجری میں آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے کہ قبیلہ غطفان کے خاندان بنوثعلبہ ومحارب کے لوگ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاری میں جمع ہورہے ہیں، آپ ﷺ ساڑھے چارسو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، مقامِ ذی امر پر پہنچے ہیں، راستے میں ''جبار ثعلبی'' نامی ایک شخص گرفتار ہوا ہے، اس نے آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کرلیا، پھر اس سے راستوں کی تلاش میں کافی مدد ملی، دشمنوں نے آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر ہمت ہاردی اور منتشر ہوگئے، یہ غزوۂ ذی امر اور غزوۂ غطفان کہلاتا ہے۔(سیرت ابن هشام:۳/۴۹، سیرت ابن اسحاق :۱/۳۲۱)

نبوی اخلاق اور توکل

اسی سفر میں واپسی میں دورانِ سفر کسی جگہ آپ ﷺ اور صحابہ نے قیام فرمایا، آپ ﷺ تنہا ایک درخت کے نیچے لیٹے، ہتھیار درخت پر لٹکائے اور سایہ میں آرام فرما ہوگئے، کسی دشمن نے موقع غنیمت سمجھ کر تلوار لے کر آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہا، آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، اس نے کہا کہ:

''مَنْ یَمْنَعُکَ مِنِّي؟''

تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟

جواب دیا اللہ! آپ ﷺ کے اس پر اعتماد جواب اور انداز نے اس کے اوسان خطا

کردئے، تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گر گئی، آپ ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس پر وہ شخص معافی تلافی کرنے لگا، آپ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی، بعد میں آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کرلیا، قرآن میں اس واقعہ کا یوں ذکر آیا ہے:

يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَـوْمٌ أَنْ يَبْسُـطُـوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (المائدة: ١١)

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا وہ یاد کرو، جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دئے اور اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ اللہ کا رعب دل میں رکھتے ہوئے عمل کرو اور مؤمنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔(ملاحظہ ہو: سيرة المصطفىٰ: ١٧٤/٢ بحواله الخصائص الكبرى: ٢١٠/١ الخ)

اس واقعہ سے ایک طرف آپ ﷺ کی خود اعتمادی اور جرأت مندی کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف جانی دشمنوں تک کو معاف کردینے کا حوصلہ اور وسیع ظرف بھی ظاہر ہوتا ہے۔

کعب بن الاشرف کا قتل

مدینہ منورہ کے یہودیوں کا سردار ''کعب بن اشرف'' شاعر، دولت مند، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا سخت دشمن اور کینہ پرور انسان تھا، بدر میں کفار کی شکست کا اسے بے حد صدمہ تھا، اس موقع پر اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا کہ آج کے دن تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے، اس نے مقتولین بدر کے مرثیے بھی لکھے، جن میں کفار

کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اگلی جنگ کے لئے اکسایا ہے۔

پھر اس نے اپنے اشعار میں یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کی حد کردی، کھلم کھلا آپ ﷺ کی اور مسلمانوں کی ہجو شروع کردی، یہاں تک کہ عاشقانہ اشعار میں ازواجِ مطہرات کا نام استعمال کر کے مسلمانوں کی سخت دل آزاری کرنے لگا، مکہ جا کر اس نے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف مدد کی پیش کش کی، اور اپنی اس پیش کش میں اپنے کو مخلص وصادق ظاہر کرنے کے لئے ابوسفیان کے مطالبے پر بتوں کو سجدہ بھی کیا اور بت پرستی کو اسلام سے بہتر مذہب بھی قرار دیا، قرآن میں فرمایا گیا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوْتُوا نَصِيْبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا هٰؤُلاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا سَبِيْلاً. (النساء: ۵۱)

جن لوگوں کو کتاب تورات کے علم میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح بتوں اور شیطان کی تصدیق کر رہے ہیں اور بت پرست کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

اللہ نے اپنی لعنت اس پر مسلط کردی، آپ ﷺ نے طے فرمالیا کہ اس بدبخت کا خاتمہ ہونا ضروری ہے، اس کے جرائم میں:

(۱) شتم رسول ﷺ

(۲) آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا

(۳) فحش عاشقانہ اشعار میں اہل ایمان خواتین کا تذکرہ

(۴) نقض عہد اور غداری

(۵) لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسانا

(۶) دعوت کے بہانے سے آپ ﷺ کے قتل کی سازش

(۷) اسلام پر علانیہ طعن وتبصرہ

وغیرہ نمایاں ہیں، البتہ ان جرائم میں سب سے بڑا جرم شان رسالت ﷺ میں گستاخی ہے۔(سیرت المصطفیٰ :۲/۱۷۹)

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لِكَعَبِ بْنِ الأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ.

کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیوں کہ اس نے اللہ ورسول کو سخت ایذا پہنچائی ہے۔

صحابی رسول حضرت محمد بن مسلمہؓ اٹھے، اپنی خدمات پیش کیں، عرض کیا:

أَتُحِبُّ أَنْ تَقْتُلَهُ؟

کیا آپ اس کا قتل چاہتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! انہوں نے اجازت چاہی کہ اس کے لئے کچھ حیلہ اور تدبیر کرنی پڑسکتی ہے، ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی شانِ عالی کے خلاف کچھ الفاظ زبان سے نکالنے پڑ جائیں، آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔

حضرت محمد مسلمہ اپنے دو رفقاء کے ساتھ طے شدہ ترتیب کے مطابق کعب کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہم بہت پریشان ہیں، جب سے یہ پیغمبر آئے ہیں، ہم سے چندہ ہی مانگتے رہتے ہیں، ہم تو مشقت میں پڑ گئے ہیں، کعب بولا: ابھی تو چند ہی دن گذرے ہیں، آگے تم اور بھی اکتا جاؤ گے، اس کے بعد محمد بن مسلمہ نے کعب سے قرض کا مطالبہ کیا، کعب نے کہا کہ کچھ گروی رکھ دو، پوچھا گیا کہ کیا چیز گروی رکھ دیں؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتیں گروی رکھ دو، محمد بن مسلمہ بولے: یہ تو بہت غلط ہوگا، آپ خوب صورت اور مال دار ہیں، یہ عورتیں گروی

رکھیں گے تو فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، کعب بولا کہ پھر اپنی اولاد گروی رکھ دو، محمد بن مسلمہ نے کہا کہ یہ تو پوری نسل کے لئے بہت عار اور شرم کی بات ہوگی، پھر یہ طے ہوا کہ ہتھیار گروی رکھ دیئے جائیں، رات کو ہتھیار لایا جائے گا اور رازداری کے ساتھ سپرد کر دیا جائے گا۔

رات آئی، کعب اپنی نئی نویلی بیوی کے ساتھ لیٹا تھا، محمد بن مسلمہ نے آواز دی، کعب اٹھا، بیوی نے کہا کہ ابھی مت جایئے، مجھ کو اس آواز سے خون کی بو آ رہی ہے؛ لیکن کعب نے نہ آنے کو بزدلی سمجھا، نیچے آیا، گفتگو شروع ہوئی، محمد بن مسلمہ اور ان کے دونوں رفقاء (عباد بن بشر اور ابونائلہ) نے کعب کو باتوں میں لگایا، کہنے لگے کہ آپ کے سر سے تو بڑی اچھی خوشبو آ رہی ہے، کعب کا سینہ فخر سے تن گیا، بولا کہ میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ خوشبودار عورت ہے، ابونائلہ نے کہا کہ اجازت ہو تو میں سونگھ لوں، کعب نے سر نیچے کیا، ان مسلمانوں نے اسے دبوچ لیا، اور چند لمحوں میں اس کا کام تمام کر دیا، یہ ۱۴/ربیع الاول ۳/ہجری کا واقعہ ہے، محمد بن مسلمہ نے کعب کا سر خدمت نبوی ﷺ میں پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے ملعونوں کا یہی انجام ہوتا ہے، پھر آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ اور ان کے رفقاء کو دعا دی، اور فرمایا:

أَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ.

یہ چہرے کامیاب رہیں۔

اس پر محمد بن مسلمہ نے عرض کیا:

وَوَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

آپ کا چہرہ بھی کامیاب و شاداب رہے اے اللہ کے رسول۔

(صحیح بخاری: المغازی: باب قتل کعب بن الاشرف، زاد المعاد: ۹۱/۲، فتح الباری: ۴۲۱/۷ الخ، البدایۃ و النہایۃ: ۸/۴)

یہود کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ بے انتہا مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے، اور ان کو یقین آ گیا

کہ امن کے ساتھ کھیل کرنے والوں، ہنگامہ پرور اور فتنہ باز لوگوں کے ساتھ اب اسی طرح کا سلوک ہوگا، ان پر دھاک بیٹھ گئی اور کسی کو ایسی برملا بکواس کرنے کی جرأت نہیں رہی۔

ابورافع یہودی کا انجام بد

اسلام دشمنی میں کعب بن اشرف کا مضبوط مددگار دوسرا یہودی ابورافع (سلام بن ابی الحقیق) تھا، آپ ﷺ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے معاونین کے ساتھ کسی تدبیر سے اس کے قلعے میں داخل ہوکر رات میں سوتے ہوئے قتل کر دیا، قتل کے بعد تیزی سے واپس ہوتے ہوئے ایک جگہ حضرت عبداللہ کا پاؤں پھسلا، گر گئے، پیر ٹوٹ گیا، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لعابِ دہن لگایا اور مرض دور ہوگیا، یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۳/ہجری کا ہے۔(بخاری: المغازی: باب قتل ابی رافع)

ان واقعات کا پیغام

ان دونوں گستاخ مجرموں کے قتل کے ذریعہ تمام اہل ایمان کو یہ سبق دیا گیا کہ شانِ رسالت میں گستاخی، ناموس رسالت پر حملہ ناقابل معافی جرم ہے، اور ایسے گستاخ اس قابل نہیں کہ ان کا وجود باقی رکھا جائے اور سماج ان کے تعفن سے آلودہ ہوتا رہے، ہر دور میں اہل ایمان شانِ رسالت میں دریدہ دہنی کرنے والوں کو سماج کا سب سے خطرناک عنصر باور کرتے آئے ہیں، اور تحفظ ناموسِ رسالت کے لئے ہماری تاریخ میں قربانیوں، عزیمتوں اور مجرمین کو سبق سکھانے کی بے شمار قابلِ رشک نظیریں اور نمونے موجود ہیں۔

غزوۂ احد

مکہ کے دشمنوں کی آتش انتقام

بدر کی ذلت آمیز شکست فاش نے مکہ کے ہر گھر میں رنج والم اور غضب واشتعال کی مشترک کیفیت پیدا کر رکھی تھی، سینوں میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی، ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا پورا نفع قریش کے باہم مشورے سے انتقامی جنگ کی تیاری کے لئے خاص کر دیا گیا ہے، زبردست تیاری جاری ہے۔(سیرت المصطفیٰ: ۲/۱۸۶)

دشمن لشکر

شوال ۳ ؍ہجری میں مشرکین کا مسلح لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے مدینہ کی طرف چل پڑا ہے، لشکر میں ۳ ؍ہزار فوجی ہیں، جن میں ۷۰۰ زرہ پوش ہیں، اور ۱۵ ؍عورتیں بھی ہیں؛ تاکہ نازک موقعوں پر وہ مردوں کا حوصلہ بڑھائیں، اور غیرت جگائیں، ان کے ہمراہ ۳ ؍ہزار اونٹ اور ۲۰۰ ؍گھوڑے ہیں۔(زاد المعاد: ۲/۹۲، طبقات ابن سعد: ۲/۲۵)

آپ ﷺ کو دشمنوں کی آمد کی اطلاع اور آپ ﷺ کا صحابہ سے مشورہ

عم رسول سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور ابھی مکہ میں مقیم تھے، تیز رفتار قاصد کے ذریعہ یہ خبر آپ ﷺ کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔(شرح الزرقانی: ۲/۲۱)

آپ ﷺ نے یہ خبر راز رکھی اور اپنے دو جاسوس مزید تحقیق کے لئے روانہ کر دئے، اس طرح دشمن کے لشکر کی جملہ تفصیلات آپ ﷺ کے علم میں آ گئیں۔(طبقات ابن سعد: ۲/۲۵)

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا، سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ سمیت متعدد لوگوں (جن میں اکثر جوان اور جوش جہاد سے معمور تھے) کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، دوسری رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مقابلہ ہو، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی، آپ ﷺ کا قلبی میلان بھی اسی رائے کی طرف تھا۔

آپ ﷺ نے دونوں رائیں سنیں، پھر باہر نکل کر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا، عصر کے بعد ہتھیار پہنے اور باہر آئے، مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کے مقابلہ کرنے کی رائے دینے والے کچھ صحابہ نے اظہار ندامت کیا اور عرض کیا کہ آپ ﷺ جیسا چاہیں کریں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی نبی کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر پھر اتارے، جب تک اللہ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔(سیرت المصطفیٰ :۲/۱۸۷-۱۹۰، البدایۃ والنہایۃ:۴/۱۲ الخ)

لشکر اسلام جانب احد

قافلہ چل پڑا، تعداد ایک ہزار ہے، نابالغ بچے بھی شوقِ جہاد میں آ رہے ہیں، مگر انہیں واپس کر دیا گیا، حضرت رافع بن خدیج نابالغ ہیں، مگر تیر اندازی کی خصوصی صلاحیت کی وجہ سے انہیں شامل کرلیا گیا ہے، ان کے ہم عمر حضرت سمرہ بن جندب نے آزمائشی کشتی میں حضرت رافع کو زیر کر دیا، چناں چہ انہیں بھی شامل کرلیا گیا ہے۔(المغازی: للواقدی:۱/۱۹۷الخ)

کچھ یہودی بھی آ گئے تھے، انہیں واپس کر دیا گیا؛ تا کہ لشکر اسلامی ان کی سازش سے مامون رہے۔

منافقین کی واپسی

یہ قافلہ مسجد نبوی اور جبل احد کے درمیان مقام "شوط" پر پہنچا، کہ رئیس المنافقین عبد

اللہ بن ابی اپنے ۳۰۰ ؍ساتھیوں کے ساتھ واپس ہوگیا اور کہنے لگا کہ میری رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلے کی تھی، یہ رائے نہیں مانی گئی، اس لئے ہم واپس جارہے ہیں۔(سیرت المصطفیٰ:۲/۱۹۳)

اب ۷۰۰ ؍مجاہدین باقی بچے، اس شر سے اللہ نے یہ خیر ظاہر فرمایا کہ منافقین کا نفاق آشکارا ہوگیا، آستین میں پلنے والے سانپوں کے زہر سے اللہ نے مسلمانوں کو نجات دے دی، مجاہدین منافقین کی سازشوں سے محفوظ ہوگئے، اللہ نے اس پہلے ہی مرحلے میں خبیث وطیب کو، مخلص ومنافق کو الگ الگ کردیا، اب مسلمانوں کے ساتھ دشمن کا کوئی ہم درد اور جاسوس نہیں بچا، منافقین کے الگ ہونے سے مخلص مسلمانوں کے دو قبائل بنوسلمہ اور بنوحارثہ بھی کچھ مذبذب ہوئے تھے، مگر اللہ نے ان کو ثابت قدم رکھا اور ان کے قدم پھسلنے نہیں دئے، قرآن نے فرمایا:

إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنكُمْ أَنْ تَفْشَلَا، وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. (اٰل عمران: ۱۲۲)

وہ وقت یاد کرو جب تم میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالاں کہ اللہ ان کا حامی اور ناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔(معارف القرآن:۲/۱۶۹)

آپ ﷺ کا خواب

اس سے پہلے رات میں آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ ایک محفوظ زرہ میں ہیں، اور آپ ﷺ کی تلوار ''ذوالفقار'' میں دندانے پڑ گئے ہیں، ایک گائے ذبح کی جارہی ہے، پھر ایک دنبہ ذبح ہوا ہے، آپ ﷺ نے یہ خواب صحابہ کو سنایا اور تعبیر بتائی کہ محفوظ زرہ سے مراد مدینہ ہے، ذوالفقار کے دندانے ناگہانی مصیبت کا اشارہ ہیں، دنبہ سے مراد

قریش کا قتل ہے اور گائے کا ذبح میرے صحابہ کی شہادت ہے۔(الرحیق المختوم: ۳۸۹،

بخاری: المغازی: باب من قتل من المسلمین الخ)

جبل الرماۃ

جنگ کی صبح نماز فجر کے بعد آپ ﷺ مسلمانوں کو لے کر تیزی سے آگے بڑھے، اور جبل عینین (جو بعد میں جبل الرماۃ کہلایا) پر قابض ہوگئے، میدانِ جنگ میں اس پہاڑ کا بہت اہم اور بنیادی جغرافیائی مقام تھا، دشمن کی طرف سے اس راستے سے ناگہانی حملے کا خطرہ تھا، آپ ﷺ نے اس مورچہ پر ۵۰؍تیرانداز صحابہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں تعینات کردیئے اور ان کو یہ واضح اور دوٹوک ہدایات جاری فرمائیں کہ:

''تمہارا کام دشمن کی فوج پر تیروں سے حملہ بھی کرنا ہے اور دشمن کی فوج کو اس راستے سے مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہونے سے روکنا بھی ہے، ہم غالب ہوں یا مغلوب، تم کو کسی بھی صورت میں یہ مقام نہیں چھوڑنا ہے، تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں اور ہمیں تمہاری ضرورت ہے، تب بھی تم یہاں سے مت ہٹنا، جب تک تم کو میں خود نہ بلالوں یہ جگہ خالی مت کرنا۔''

(سیرۃ ابن ھشام:۲/۶۵، فتح الباری :۷/۳۵۰، بخاری: الجھاد:باب مایکرہ من التنازع)

فوجی تنظیم

اس کے بعد آپ ﷺ نے تیزی سے میدان میں جاکر اپنی فوجیں جمادیں، ۵؍دستوں میں فوجیں تقسیم ہوئیں، ایک محفوظ دستہ بھی رکھا گیا، ۱۴؍جاں باز صحابہ آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے مامور ہوئے، آج جدید جنگی ٹکنالوجی میں ایک اہم چیز ''تیزی کے ساتھ نقل وحرکت سے دشمن کو حیرت زدہ اور پریشان کردینا'' بھی ہے، یہ ٹکنالوجی انسانیت کو محمد عربی ﷺ

کی عطا کی ہوئی ہے۔

سورج طلوع ہو چکا ہے، احد پہاڑ جس کے بارے میں آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أُحُداً جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ. (مسلم: الحج: باب فضل احد)

بلاشبہ احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس پہاڑ کے دامن میں کفر و ایمان معرکہ آرا ہیں، آقا ﷺ کے ہاتھ میں ایک تلوار اور جسم پر دو زرہیں ہیں، آغاز جنگ میں ہی آپ ﷺ نے مجاہدین میں جوش پیدا کرنے کے لئے اپنی تلوار لہرائی ہے اور فرمایا:

مَنْ يَأْخُذُ هَذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟

کون ہے جو اس کا حق ادا کرے گا؟

حضرت زبیر بڑھے، آپ ﷺ نے ہاتھ روک لیا، پھر دوبارہ اعلان فرمایا، سرفروشی کے لئے حضرت عمر و علی سمیت متعدد صحابہ آگے آئے، آپ ﷺ نے ہاتھ روک لیا، سہ بارہ اعلان ہوا، تو ہر مجاہد کی رگ حمیت بیدار ہوئی، اور جذبۂ جاں نثاری کمال تک پہنچ گیا، حضرت ابودجانہ بے تابانہ آگے آئے، عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ دشمن کے منہ پر اس سے کاری حملہ کیا جائے، کوئی کافر اس سے بچنے نہ پائے، اور کوئی مسلمان اس سے نہ مارا جائے، ابودجانہ بولے کہ آقا! میں اس کا حق ادا کروں گا، آپ ﷺ نے تلوار انہیں عطا فرمادی، یہ شمشیر آبدار ابودجانہ کے لئے مایۂ افتخار تھی، انہوں نے ماتھے پر سرخ پٹی باندھی جو دشمنوں کے لئے موت کی پگڑی ثابت ہوئی، اور وہ تلوار لے کر میدان کارزار میں جا گھسے اور تلوار کی لاج رکھ کر دکھائی، جو دشمن سامنے آیا کام تمام کر دیا، ان کی معرکہ آرائی نے ہلچل مچادی، ایک مرحلہ میں قریب تھا کہ ان کی تلوار دشمنوں کی صف کے آخر میں موجود ابوسفیان کی بیوی ہندہ پر چل جاتی، مگر وہ چیخی، تب حضرت ابودجانہ نے سمجھا

کہ یہ خاتون ہے، اس مرحلے میں بھی آپ ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ روک لیا اور ایک عورت پر حملہ شمشیر نبوی کی عظمت کے خلاف سمجھا۔(سیرت ابن ھشام: ۲/۶۹، الاصابة: ٤/٥٨، سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/۳۰۹)

عجیب دعا اور آرزو

میدانِ احد کا یہ منظر بھی قابل ذکر ہے کہ معرکہ شروع ہونے سے چند لمحے قبل حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن ابی جحش مل کر ایک کنارے پر گئے اور کہنے لگے کہ آؤ! بارگاہِ الٰہی میں دست دعا اٹھا کر اپنی دلی آرزو مانگ لیں، حضرت سعد نے دعا مانگنی شروع کی، حضرت عبداللہ نے آمین کہی، خشوع وخضوع کے عالم میں اشکوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے حضرت سعد عرض کررہے ہیں کہ:

الٰہ العالمین! جنگ شباب پر آجائے تو میری مڈبھیڑ کسی ایسے کافر سے ہو جو بہت بہادر اور مشتعل ہو، آپ کی راہ میں میں دیر تک اس سے لڑتا رہوں، یہاں تک کہ میں اس پر غالب آکر اسے جہنم رسید کردوں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش نے دست دراز کئے اور صدق دل سے گویا ہوئے، حضرت سعد نے آمین کہی، حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ:

اے زندگی اور موت کے مالک پروردگار! آج کے معرکہ میں میرا مقابلہ بھی کسی زورآور اور مضبوط کافر سے ہوجائے، میں اس سے بہت دیر لڑتا رہوں، یہاں تک کہ وہ مجھے آپ کی راہ میں شہید کردے، اسی پر بس نہ ہو، وہ میری لاش کا مثلہ کرڈالے، میرے ایک ایک عضو کو کاٹ ڈالے، پھر جب میں کل روز قیامت اسی لخت لخت حال میں آپ کے دربار میں حاضر ہوں اور آپ دریافت کریں کہ اے میرے بندے! تیرا یہ حال کیسے ہوا؟ تو

میں عرض کردوں کہ مالک! یہ جان آپ کی دی ہوئی تھی، آپ نے لی، ہاں یہ کٹی ہوئی ناک، یہ پھٹا ہوا ہونٹ، یہ کٹے ہوئے کان، یہ نکلی ہوئی آنکھیں، یہ چاک شدہ پیٹ، یہ کاٹی گئی گردن، یہ سب آپ کی اور آپ کے رسول ﷺ کی راہ میں آپ کے اس بندے کا نذرانہ ہے، سچ تو یہ ہے کہ میں یہ سب کچھ کر کے بھی حق ادا نہیں کرسکا ہوں۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور پھر اے میرے رب: یہ سن کر آپ فرما دیں کہ میرے بندے: تو واقعی سچ کہتا ہے۔

حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ جنگ احد کے ختم پر میں نے دیکھا کہ میرے دوست عبداللہ کی دعا قبول ہو چکی ہے، ان کی لخت لخت لاش ہمارے سامنے ہے، انہوں نے راہِ خدا میں اپنی شجاعت کے بے نظیر جوہر دکھائے تھے، تلوار تک ٹوٹ گئی تھی، آپ ﷺ نے انہیں اس کے بدلے کھجور کی ایک شاخ دے دی تھی، مجاہد حق کے ہاتھ میں وہ شاخ بھی شمشیر براں کا کام کر رہی تھی، راہِ خدا میں اس شان سے اعزاز شہادت پانے والے صحابی کو ''مجدع فی اللہ'' (وہ انسان جس کی ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے) کا لقب عطا ہوا تھا۔ (زرقانی: ۲/ ۵۱، المستدرک: ۳/ ۲۰۰، الاصابۃ: ۲/ ۲۸۷)

انفرادی مقابلے

پوری مجاہدین کی جماعت میں کیا جوان، کیا بوڑھا، کیا کمزور، کیا طاقت ور، ہر کوئی اسی جذبۂ شہادت و جاں نثاری سے سرشار تھا، ان کیفیات کے ساتھ جنگ احد کا آغاز ہوا ہے، پہلے انفرادی مقابلے ہوئے، سب سے پہلے کافر طلحہ بن ابی طلحہ نے دعوتِ مقابلہ دی، حضرت

علی نے اپنی تیغ آب دار سے دو ہی ضرب میں طلحہ کا کام تمام کر دیا۔(زرقانی: ۲/ ۳۱)

اس طرح انفرادی مقابلوں میں ۲۲/دشمنانِ اسلام واصل جہنم ہوئے۔(سیـــرت ابن هشام: ۲/ ۱۰۳)

عجیب ایمانی کردار

اسی دوران یہ مرحلہ بھی آیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبد الرحمٰن (جو اس موقع پر کفار کے ساتھ تھے) دشمنوں کی طرف سے میدان میں آئے، ان کے مقابلے کے لئے ان کے باپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر نکلے، آپ ﷺ نے انہیں جانے سے روکا۔(سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/ ۳۰۸)

سورۂ مجادلہ کی یہ آیت اسی جیسے موقع کے لئے نازل ہوئی ہے۔

لَا تَـجِـدُ قَوْمًا یُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَـادَّ اللّٰـهَ وَرَسُوْلَـهُ، وَلَوْ كَـانُـوا آبَاءَ هُمْ أَوْ اَبْنَاءَ هُمْ أَوْ اِخْـوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ، أُوْلَئِکَ كَتَبَ فِيْ قُلُوبِهِمُ الإِيْمَانَ، وَ أَيَّـدَهُـمْ بِـرُوْحٍ مِـنْـهُ، وَ يُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَـارُ خَـالِـدِيْـنَ فِيْهَـا، رَضِـیَ الـلّٰـهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْـهُ، أُولَئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

(المجادله/ ۲۲)

جولوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان

نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے، اور انہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہ اللہ کا گروہ ہے، یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

اجتماعی جنگ

انفرادی معرکہ آرائیاں ختم ہوتے ہی عام جنگ شروع ہو گئی، مجاہدین نے تابڑ توڑ ایسے وار کئے کہ دشمن کی فوج منتشر ہونے لگی۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

اسی دوران حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی نامی شخص ہے، وہ اپنی داستان خود بیان کرتا ہے، کہتا ہے کہ:

میں جبیر بن مطعم کا غلام تھا، میرے آقا نے احد سے پہلے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کر دو تو آزاد ہو، میں احد پہنچ کر حمزہ کے تعاقب میں رہا، آڑ میں ہو کر میں نے ایک موقع پر ان کی طرف نیزہ اچھالا، وہ گر گئے، میں نے ان کا کام تمام کر دیا، ان کا پیٹ کاٹ کر جگر نکالا، جگر ہندہ کو دیا، اس نے چبا ڈالا، نگلنا چاہا مگر نگل نہ سکی، پھر پوری لاش کا مثلہ کیا، ناک کان ہونٹ سب کاٹ کر ہندہ نے ہار بنالیا۔

شرط کے مطابق وحشی کو آزادی مل گئی۔ (سیرت ابن هشام:۲/۷۲، بخاری: المغازی: باب قتل حمزة)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں معرکۂ احد کے بعد آقا ﷺ خود نکلے ہیں، بطن وادی میں ان کا مثلہ شدہ لاشہ دیکھ کر قابو نہ رہا، دل بھر آیا، آنکھیں اشک بار ہیں ہچکی بندھ گئی ہے، زبان نبوت سے حمزہ کو ''اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ'' (اللہ و رسول کا شیر) کا لقب عطا ہوا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بعد میں اپنے عمل پر ندامت ہوتی ہے، انہوں نے آ کر بارگاہِ نبوت میں قبول اسلام کیا ہے، کسی نے اس موقع پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو حمزہ کا قاتل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

دَعُوهُ، فَإِسْلَامُ رَجُلٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ قَتْلِ أَلْفِ كَافِرٍ.

اس کو چھوڑ دو، ایک شخص کا قبول اسلام میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے زیادہ محبوب ہے۔(فتح الباری:۷/۲۸۴ الخ، نقوش: رسول نمبر:۱۱/۳۵۱)

غور فرمایئے! یہ ہے پیغمبر علیہ السلام کے دل اور ظرف کی وسعت، یہ ہے قاتلوں اور دشمنوں کو معاف کر دینا، پیغمبر ﷺ کا یہ کردار قیامت تک کے لئے نمونہ ہے۔

پہلے مرحلے میں دشمنوں کی شکست

احد کا معرکہ برپا ہے، مسلمانوں کی صفیں ایمان کی روح سے لبریز ہیں، دشمنوں کے لشکر پر مسلمان مجاہدین اس سیل رواں کی مانند ٹوٹے پڑ رہے ہیں جس کے آگے کوئی بند نہیں لگ پا رہا ہے، مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے ہیں، ان کی ہمت جواب دے گئی ہے، وہ بکھرنے لگے ہیں، اب انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا ہے، اور فرار کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی تھی، میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے تیزی سے بھاگ رہی ہیں، ان کے پازیب دکھائی دے رہے ہیں۔(بخاری: المغازی: باب غزوۃ احد)

دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

بس اسی مرحلے میں تیر انداز دستے کی طرف سے ایک ہولناک غلطی سرزد ہوئی، اور

بالآخر اسی نے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل کردی ہے، مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر ''جبل الرماۃ'' پر تعینات تیرانداز اتر کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو بہت روکا، مگر وہ نہ مانے، حضرت عبداللہ نے انہیں آپ ﷺ کی ہدایت یاد دلائی، مگر وہ بولے کہ اب تو فتح ہو چکی ہے، حضرت عبداللہ کے ساتھ صرف دس افراد بچے۔

ابوسفیان کے اشارے پر خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) نے اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھا کر اپنے دستے کے ساتھ چکر کاٹ کر پیچھے سے زوردار حملہ کیا، انہوں نے پہاڑ پر موجود صحابہ کو شہید کر ڈالا، یہ منظر دیکھ کر بھاگتے ہوئے مشرکین بھی پلٹ آئے، اس طرح اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں آ گیا، پانسہ پلٹ گیا، بہت سے مسلمان بدحواس ہو گئے۔ (دیکھئے: سیرت المصطفیٰ: ۲/۲۰۵)

آپ ﷺ کی ثابت قدمی، آپ ﷺ پر چوطرفہ حملہ اور صحابہ کی جاں نثاری

اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کی جان بچانے کا فیصلہ کیا، اور بآواز بلند صحابہ کو پکارا، دشمنوں نے تاڑ لیا کہ آپ ﷺ کہاں ہیں؟ چناں چہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ختم کرنے کا اردہ کرلیا، اور ہر طرف سے آپ ﷺ پر حملہ آور ہونے لگے، شمع رسالت کے پروانوں نے اس نازک موقع پر اپنی جاں نثاری کا فقید المثال منظر پیش کیا، حضرت مصعب، حضرت طلحہ، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم سینہ سپر ہو گئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ مِنْ رَجُلٍ يَشْرِيْ لَنَا نَفْسَهُ؟

کون ہے جو میرے لئے اپنی جان فروخت کرتا ہے؟

انصار صحابہ آگے آ گئے، اور پھر آپ ﷺ کی حفاظت میں ایک ایک کرکے جان کا

نذرانہ پیش کر دیا، ان میں آخری صحابی حضرت عمارہ بن یزید تھے، زخموں سے چور حضور ﷺ کی آغوش میں انہوں نے جان دے دی۔(دیکھئے: سیرت المصطفیٰ :۲/۲۰۷، زرقانی:۲/۳۵، البدایة والنهایة:٤/٢٦)

آقا ﷺ زخمی ہوئے

عتبہ بن ابی وقاص نے آپ ﷺ کو پتھر مارا ہے، آپ ﷺ کا نچلا داہنا دانت ٹوٹ گیا ہے، ہونٹ زخمی ہو گیا ہے، آپ ﷺ کے چہرے کو زخمی کر دیا گیا ہے، آپ ﷺ کی پیشانی خون آلود ہو گئی ہے، خود کی کڑیاں چہرے کے اندر گھس گئی ہیں، حضرت علی اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے زخم دھوئے، خون بند نہیں ہوا تو چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی گئی، تب بند ہوا۔(بخاری:المغازی: باب ما اصاب النبی من الجراح، مسلم: الجهاد: باب غزوة احد)

روایات میں آتا ہے کہ اس عالم میں آپ ﷺ اپنے زخموں سے خون صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا ہو؟ اس پر اللہ نے فرمایا:

لَيۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ. (اٰل عمران: ۱۲۸)

آپ کو کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے اور چاہے تو عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں۔(بخاري: المغازي: باب ليس لك من الامر الخ)

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دشمنوں کے حق میں دعائے ہدایت بھی فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اهۡدِ قَوۡمِي فَإِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ.

خدایا! میری قوم کو ہدایت دے، یہ نہیں جانتے۔(الشفاء:قاضی عیاض:۱/۸۱)

عاشق صحابہ کی جانبازی

اس نازک موقع پر صحابہ نے اپنی جاں بازی کی آخری مثال قائم کردی، حضرت سعد نے اپنے ترکش کے تمام تیر دفاع رسول ﷺ کے لئے وقف کردئے تھے، آقا ﷺ ان کو تیر چلاتا دیکھ کر فرماتے تھے:

اِرْمِ يَا سَعْدُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي.

اے سعد: تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔(بخاری: المغازی: باب اذ ھمت طائفتان)

اس جملہ میں جو اعزاز وشرف مضمر ہے وہ حضرت سعد کا نصیب بنا، حضرت طلحہ نے احد کے اس معرکہ میں اور دفاعِ رسول ﷺ میں بے نظیر قربانیاں پیش کیں، روایات میں آتا ہے کہ احد کے دن انہیں ۳۹/زخم آئے تھے، آپ ﷺ پر دشمن کے حملے اپنے ہاتھ پر روکتے رہنے کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہوگیا تھا۔(بخاری: المغازی: باب اذ ھمت طائفتان)

اور انگلیاں لہولہان ہوگئی تھیں، آقا ﷺ فرماتے تھے:

یہ جنگ کل کی کل طلحہ کے لئے تھی اور جو روئے زمین پر چلتا ہوا شہید دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔(فتح الباری:۳۶۱/۷، مشکوۃ المصابیح:المناقب:باب جامع المناقب)

اس معرکے میں ۷۰/صحابہ نے جام شہادت نوش کیا ہے۔

آپ ﷺ کے قتل کی افواہ

حضرت مصعب بن عمیر آپ ﷺ کی کافی شباہت رکھتے تھے، انہیں شہید کیا گیا، کسی دشمن نے یہ افواہ پھیلادی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کردئے گئے ہیں، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور مسلمانوں پر سکتہ سا طاری ہوگیا، کچھ لوگ کہنے لگے کہ اگر محمد ﷺ شہید کردئے گئے تو ہمیں جینے کا کیا حق ہے؟

بے مثال استقامت

حضرت انس بن نضر نے مسلمانوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ اگر محمد ﷺ شہید کردئے گئے تو کیا ہوا، محمد ﷺ کا رب تو شہید نہیں ہوا۔

مُوتُوا عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تم بیٹھے کیا ہو؟ جس چیز پر آقا ﷺ نے جان دی تم بھی دے دو۔

بس اس جملہ نے مجمع کا رخ موڑ دیا، پھر اسی حقیقت کو قرآن نے واضح کردیا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ. (آل عمران/ ١٤٤)

اور محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کردیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔

حضرت انس یہ کہہ کر میدان میں گھس گئے، حضرت معاذ ملے، پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: مجھے احد کے سامنے سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، بالآخر شہید ہوگئے، ان کے جسم پر ۸۰/ سے زائد زخم تھے، شناخت مشکل تھی، بہن نے انگلیوں کے پوروؤں سے پہچانا تھا۔ (زاد المعاد: ۲/ ۹۳، بخاری: المغازی: باب غزوۃ احد)

بعد میں جب اس افواہ کا غلط ہونا ثابت ہوا تو مسلمانوں حوصلے بلند ہوگئے، اور انہوں

نے دشمنوں کا گھیرا توڑ کر اپنے کوان کے نرغے سے نکالنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

ایک خاتون کا عشق رسول

اس موقع پر تاریخ نے یہ منظر بھی ریکارڈ کیا ہے کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند آپ ﷺ کی تلاش میں بے تابانہ نکلی ہیں، ہر راہ رو سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کررہی ہیں، راستے میں ان کو شوہر، بھائی اور بیٹے تینوں کی شہادت کی اطلاع ملتی ہے، مگر وہ آقا ﷺ کے لئے بے قرار ہیں، پھر جب آپ ﷺ کو زندہ سلامت دیکھتی ہیں، تو بے اختیار کہتی ہیں:

كُلُّ مُصَابٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. (سیرت ابن هشام: ۲/۹۹، طبری: ۱/۴۲۵، سیرت النبی: ۱/۲۳۹)

اے اللہ کے رسول: آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہیچ اور بے وقعت ہے۔

ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کا مکالمہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ سن کر بہت سے دشمنوں نے بھی اپنا مقصد مکمل ہوتا دیکھ کر حملہ بند کردیا اور مسلمان شہداء کی لاشوں کا مثلہ کرنا شروع کردیا، جنگ کے آخری مرحلہ میں ابوسفیان ایک پہاڑی پر کھڑا ہوا اور اس نے نعرہ لگایا:

اُعْلُ هُبُلُ، اُعْلُ هُبُلُ.

ہبل بلند ہو۔

آپ ﷺ نے حضرت عمر سے کہلوایا:

اللّٰهُ أَعْلَى وَأَجَلُّ.

اللہ ہی بڑا اور برتر ہے۔

ابوسفیان نے پھر کہا:

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ.

ہمارے پاس عزی (بت) ہے اور تمہارے پاس عزی نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت عمر سے کہلوایا:

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ.

اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں۔

ابوسفیان نے کہا:

یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ.

یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے اور اب لڑائی کا معاملہ برابر سرابر ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَا سَوَاءٌ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاکُمْ فِي النَّارِ.

ہم اور تم برابر نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین آگ میں ہیں۔

ابوسفیان نے آخر میں کہا کہ آئندہ سال بدر میں پھر ملاقات ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوادیا کہ ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوگا۔(بخاری:المغازی: باب غزوۃ احد، سیرت ابن ہشام:۲/۹۴، زرقانی:۲/۳۷ الخ)

شہداء کا مثلہ اور دشمن کی واپسی

دشمنوں کا انتقام پورا ہو چکا تھا، شہداء کی لاشوں کا مثلہ کر کے اپنی تسلی بھی انہوں نے کر لی تھی، مزید جنگ جاری رکھنا خود ان کے لئے نقصان رساں ہوسکتا تھا، اس لئے ''ہبل کی جے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے اور اپنی فتح کا اعلان کرتے ہوئے ابوسفیان اپنی فوج کے ساتھ واپس ہوگیا۔(سیرت المصطفیٰ:۲/۲۲۰)

شہداء کی تدفین: دل دوز نظارہ

اس کے بعد شہداء احد کی لاشوں کو اکٹھا کرنے اور تدفین کا مرحلہ تھا، یہ بہت صبر آزما مرحلہ تھا، دشمنوں نے شہداء حق کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ غور فرمائیے! کہ مسلمانوں نے کبھی بھی دشمنوں کی لاشوں کی یہ توہین نہیں کی ہے، بدر کی مثال سامنے ہے، خود احد میں آغاز میں یہ منظر موجود ہے، یہ بدترین حرکت اللہ کے دشمنوں نے کی، اور تقریباً تمام شہداء کی لاشوں کے مثلے کر ڈالے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے غلاموں کے لاشے ہیں، غور کیجئے کہ کیا منظر رہا ہوگا؟ دل کی کیا کیفیت رہی ہوگی؟

یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ لاش ہے، جسے دیکھ کر آقا ﷺ اپنے آنسو نہیں روک سکے ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ حضرت حمزہؓ پر جس طرح روئے، اس سے بڑھ کر روتے ہوئے ہم نے آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا، آواز بلند ہوگئی، یہ بڑا دل دوز منظر تھا۔ (مختصر السیرۃ: ۲۵۵)

یہ عاشق رسول مصعب بن عمیر کی لاش ہے، ہاتھ کٹے ہوئے ہیں، پیٹ پھٹا ہوا ہے، چہرہ خاک وخون میں غلطاں ہے، آقا ﷺ آب دیدہ ہو جاتے ہیں، سورۂ احزاب کی آیت پڑھتے ہیں:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. (الاحزاب/ ۲۳)

انہیں ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اسے سچا کر دکھایا، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور انہوں نے اپنے ارادوں میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔ (سیر الصحابۃ: ۲/ ۳۸۱)

حضرت مصعب کے جسم پر چادر ڈالی جاتی ہے، چادر اتنی چھوٹی ہے کہ سر ڈھکا جائے تو پاؤں کھل جاتے ہیں، پاؤں ڈھکے جائیں تو سر کھل جاتا ہے، بالآخر آقا ﷺ کے حکم پر سر ڈھکا جاتا ہے، پاؤں پر اذخر گھاس ڈالی جاتی ہے، دو دو اور تین تین شہداء کو ایک ایک ساتھ دفن کیا جاتا ہے، حکم نبوی پر قرآن کے زیادہ اجزاء یاد کر چکے شہید کو مقدم رکھا جاتا ہے۔

(مشکوۃ: الجنائز: باب دفن المیت)

آقا ﷺ فرماتے ہیں:

میں قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دوں گا، یہ قیامت کے روز اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے زخموں سے لہو بہتا ہوگا، رنگ تو خون کا ہوگا؛ لیکن خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ (ابن ھشام: ۲/۹۸)

قافلہ کی واپسی اور قرآن کی تسلی

۷/ شوال المکرّم ۳/ ہجری ہفتہ کے دن مغرب کے وقت یہ قافلہ مدینہ پہنچا ہے، ماحول سوگوار ہے، مگر قرآن تسلی دے رہا ہے، اور سبق بھی دے رہا ہے:

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ، وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ، وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ، وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ. (آل عمران/ ۱٤۰)

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

شہداء کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً، بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ، فَرِحِيْنَ بِمَا آتَا هُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ، أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. (ال عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے، اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ شہادت میں شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ جب وہ ان سے آ کر ملیں گے تو نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

معرکۂ احد کے ایمان افروز اسباق

احد کا یہ معرکہ اہل ایمان کے لئے ایک تربیتی تجربہ گاہ ثابت ہوا، قرآن نے سورۂ آل عمران کی ۶۰/ آیات میں اس غزوہ کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اس غزوہ نے امت کو سب سے بڑا اسبق اور پیغام یہ دیا ہے کہ مسلمانوں کی اصل کامیابی اطاعت رسول ﷺ میں مضمر ہے، پیغمبر ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور فتح کو شکست میں بدل دیا، یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ آج ہم قدم قدم پر سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات اور احکام کو نظر انداز کر دیا کرتے ہیں، سنتوں سے اعراض کرتے ہیں، ہم اس کردار کے ساتھ اس دنیا میں کامیابی کی منزل کیسے پاسکیں گے؟ احد کا یہ پیغام ہے کہ مسلمانو! کامیابی کی تلاش ہے، منزل کی طلب ہے، فلاح کی جستجو ہے، تو آقا ﷺ کے ایک ایک حکم کو ماننا ہوگا اور ایک ایک سنت کو سینے سے لگانا اور عمل میں اتارنا ہوگا۔

(۲) دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ احد کی یہ جنگ اہل ایمان کی جاں نثاری، وفاداری اور فداکاری کی بے نظیر مثال بن گئی، صحابہ نے عشق رسول ﷺ کے ایسے نمونے دنیا کے سامنے پیش کیے جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر و عاجز ہے، عافیت کدوں میں دعوائے محبت آسان ہے؛ لیکن قتل گاہوں اور رزم گاہوں میں یہ دعویٰ اور اس کا ثبوت پیش کرنا بہت عظیم مجاہدہ ہے، صحابہ نے یہ امتحان سر کر کے دکھادیا۔

(۳) پھر یہ کہ خواتین اسلام نے (جن میں حضرت فاطمہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلیم سرفہرست ہیں) اس جنگ میں زخمیوں کی خدمت، ان کے علاج اور ان کے تحفظ کی فکر وانتظام کے ذریعہ ایک مثال قائم کی، اور یہی عمل بعد میں زنانہ نرسنگ کی بنیاد ثابت ہوا۔

(۴) احد کی اس ناکامی نے اہل ایمان کو خود احتسابی، اپنی کمزوریوں کے تجزیے اور اطاعت امیر نیز عسکری انتظام کی مکمل رعایت کی اہمیت کا احساس بخشا۔

غزوہ حمراء الاسد

مدینہ منورہ پہنچنے کے اگلے دن ۸/شوال ۳/ہجری اتوار کو خبر آتی ہے کہ قریش مکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے بھول ہوگئی، ہمیں مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد مدینہ میں داخل ہو کر انہیں بالکل کچل دینا چاہئے تھا، اس لئے وہ دوبارہ حملہ کی تیاری سے آرہے ہیں، آپ ﷺ نے غایت اطمینان کا مظاہرہ کیا، یہ سن کر آپ ﷺ ۷۰/مجاہدین کے ساتھ فوراً سفر جہاد پر روانہ ہوگئے، صحابہ تھکے ہوئے تھے، زخم خوردہ تھے، مگر حکم رسول ﷺ کی اطاعت میں وہ فوراً نکل کھڑے ہوئے، آپ ﷺ مقام حمراء الاسد تک پہنچے، خلافِ معمول یہ سفر پورے اعلان اور تکبیر کے نعرے کے ساتھ ہوا، اس کا اصل مقصد مشرکین کو مرعوب کرنا تھا، تاکہ وہ مدینہ کی طرف آنے کی ہمت نہ کریں، ابوسفیان کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے کچھ مسافروں کے ذریعہ مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے یہ پیغام بھیجا کہ تمام قریش متفق ہو کر مدینہ پر حملہ آور

ہونے آرہے ہیں، یہ سن کر مسلمانوں نے بغایت اطمینان "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کہا، قرآن نے اس کا ذکر کیا ہے:

الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ، لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ، الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ، فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا، وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.(آل عمران/۱۷۲-۱۷۳)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اجر ہے، وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

مشرکین پر مسلمانوں کے ان جذبات کی خبر سن کر بڑا رعب طاری ہوا، اور وہ تیزی سے مکہ کو روانہ ہوگئے، آپ ﷺ نے حمراء الاسد میں ۳/دن قیام کیا، مگر دشمن کو حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوسکی۔(البداية والنهاية:٤/٤٨،شرح الزرقانی:٢/٥٩، فتح الباری:٧/٣٧٧)

شراب کی حرمت

ایک قول کے مطابق ہجرت کا یہ تیسرا سال شراب کی حرمت کا بھی سال ہے۔(شرح الزرقانی:٢/٦١)

شوال ۳/ہجری میں شراب کی حرمت کا حکم آیا (علامہ قسطلانی ۴/ہجری کو ترجیح دیتے ہیں) اور اسے گندگی قرار دے کر اس سے بچنے کی تاکید فرمادی گئی، صحابہ نے اس حکم کی

اطاعت میں عجیب نمونہ قائم کیا، مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب کے مٹکے بہادئے گئے اور جو صحابہ شراب لئے ہوئے تھے انہوں نے آنِ واحد میں پھینک دی۔

نواسۂ رسول حضرت حسنؓ کی ولادت

۱۵ر رمضان المبارک ۳ر ہجری کو نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔(طبری:۲۹/۳، الاکمال فی اسماء الرجال:للخطیب التبریزی:ترجمة الحسن)

حضرت حسن رسول اللہ ﷺ سے بے انتہا مشابہت رکھتے تھے، آپ ﷺ نے انہیں اس امت کا سید، نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا تھا اور دعا کی تھی کہ:

خدایا میں اس سے محبت کرتا ہوں آپ بھی اس سے محبت فرمایئے۔

(بخاری: المناقب:مناقب الحسن)

آپ ﷺ کا حضرت حفصہؓ سے اور حضرت عثمانؓ کا حضرت ام کلثومؓ سے نکاح

شعبان ۳ر ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کی صاحب زادی حضرت حفصہ سے نکاح فرمایا۔(طبری:۲۹/۳)

حضرت حفصہ کے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کا عقد حضرت عثمانؓ سے کرنا چاہا تھا، کیوں کہ حضرت عثمانؓ کی بیوی بنت الرسول ﷺ حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت عثمانؓ نے غور کرنے کا موقع مانگا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو پیش کش کی، انہوں نے سکوت اختیار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

کیوں نہ حفصہ کا نکاح ایسے شخص سے ہو جو عثمان سے بہتر ہے، اور عثمان کو ایسی بیوی ملے جو حفصہ سے بہتر ہے۔

چناں چہ حضرت حفصہ زوجۃ الرسول ﷺ بنیں، اور بنت الرسول ﷺ حضرت ام کلثوم کا

عقد حضرت عثمانؓ سے ہوا، اس طرح حضرت عثمان ذوالنورین ہو گئے۔ (الاصابة: ٤/٤٦٦)

حضرت ابو طفیلؓ کی ولادت

۳؍ہجری میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ کی ولادت ہوئی، وہ آخری صحابی ہیں، جو ۱۱۰؍ہجری میں دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہے۔ (عهد نبوت کے ماه و سال: محمد هاشم سندهی: ۱۸۷)

حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے عقد

اسی سال آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح فرمایا، ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحش (آپ ﷺ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی) احد میں شہید ہوئے تھے، حضرت زینب بہت فیاض اور غریب پرور خاتون تھیں، اسی لئے انہیں ام المساکین کہا جاتا ہے، آپ ﷺ کے نکاح میں یہ صرف ۳؍ماہ رہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہی وہ بیوی ہیں جن کا آپ ﷺ کی حیات میں انتقال ہوا، ۴؍ہجری میں وفات پائی، آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (سیرت احمد مجتبی: ۲/۳٤۰، سیر الصحابیات: مولانا سعید انصاری: ۵۵)

ہجرت کا چوتھا سال

واقعہ رجیع

صفر ۴ھ ہجری میں قبیلہ عضل وقارہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے، معلمین کی ضرورت ہے، آپ ﷺ نے مدینہ کے دس مسلمان معلم کی حیثیت سے ان کے ساتھ بھیج دئے، اور حضرت عاصم بن ثابت کو ان کا امیر نامزد فرمایا، یہ قافلہ راستے میں رجیع نامی چشمے پر پہنچا، تو بلانے والوں نے بدعہدی کی اور بنولحیان کے ۱۰۰ تیر انداز ان دس صحابہ کے پیچھے لگا دئے، یہ دیکھ کر حضرت عاصم اپنے قافلے کے ساتھ ایک ٹیلے پر چڑھ گئے، مقابلہ ہوتا رہا، ۷ صحابہ ٹیلے پر ہی شہید ہو گئے، جن میں امیر قافلہ حضرت عاصم بھی تھے، تین صحابہ بچے، تیر انداز دشمنوں نے ان کو امان دینے کا عہد کیا، وہ اتر آئے، اترتے ہی کافروں نے بدعہدی کی اور باندھ دیا، اس پر ایک صحابی (حضرت عبداللہ بن طارق) نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، کافروں نے انہیں قتل کر ڈالا، اب اس دس نفری قافلہ کے صرف دو رکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ بچے، کافروں نے دونوں کو مکہ لے جا کر فروخت کر دیا۔

مکہ کے کفار نے حضرت خبیب وزید کو الگ الگ شہید کیا، حضرت خبیب کو مقتل میں لے جایا گیا، انہوں نے پہلے دو رکعت مختصر نماز ادا کی، قتل سے پہلے دو رکعت نفل کا طریقہ انہیں کا آغاز کیا ہوا ہے، اس کے بعد انہوں نے ان مشرکین کی بربادی کے لئے بددعا کی، پھر انہیں شہید کر دیا گیا، آپ ﷺ نے مدینہ میں صحابہ سے کہا کہ تم میں کون ہے جو خبیب کی

لاش دشمنوں سے بچالائے اور جنت کا حق دار ہو جائے؟ حضرت زبیر ومقداد تیار ہوئے، مکہ پہنچے، رات کے وقت لاش لی اور روانہ ہو گئے، کافروں کو پتہ لگا تو وہ تعاقب میں نکلے، حضرت زبیر ومقداد نے لاش زمین پر رکھ کر تعاقب کرنے والوں سے نمٹنا چاہا، اتنے میں بحکم الٰہی لاش کو زمین نے نگل لیا، اس طرح خبیب ''بلیع الارض'' کہلائے۔

اسی طرح حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو بھی میدانِ قتل میں لایا گیا، ان سے ابوسفیان نے کہا کہ کیا تم پسند کرو گے کہ تم رہا کردئے جاؤ اور اس کے عوض محمد ﷺ قتل کر دئے جائیں؟ زید نے فرطِ محبت میں کہا تھا کہ خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ مجھے رہا کر دیا جائے اور آقا ﷺ کے مبارک پیروں میں کانٹا بھی چبھ جائے، یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا تھا کہ خدا کی قسم! ہم نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔

اس قافلے کے امیر حضرت عاصم کو ٹیلے ہی پر قتل کیا جا چکا تھا، انھوں نے اپنے جسم کی حفاظت کی دعا مانگی تھی، دشمنوں نے ان کا سر کاٹنا چاہا تھا مگر اللہ نے شہد کی مکھیوں کے غول کو ان کے لاشے کی حفاظت پر مامور فرما دیا تھا، چناں چہ مشرکین ان کے جسم کو نہیں پا سکے۔

(سیرت ابن هشام:۲/۱۶۹ الخ، زاد المعاد:۲/۱۰۹، بخاری: المغازی: باب غزوة الرجیع، سیرت احمد مجتبی :۲/۳۴۵)

واقعہ بئر معونہ

اس کے بعد اسی ماہِ صفر ۴ ہجری میں اس سے بھی زیادہ الم ناک واقعہ ظہور پذیر ہوا، نجد کے قبیلہ کلاب کا سردار ابوالبراء عامر بن مالک مدینہ آیا، آپ ﷺ نے اسے دعوتِ اسلام دی، اس نے اسلام قبول تو نہیں کیا، مگر اپنا تعلق ظاہر کیا، پھر بولا کہ اگر آپ ﷺ اپنے کچھ صحابہ دعوتِ دین اور تبلیغ اسلام کے لئے اہل نجد کے پاس بھیج دیں تو امید ہے کہ وہ سب

اسلام قبول کرلیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے صحابہ پر خطرہ ہے، وہ بولا کہ وہ لوگ میری امان میں رہیں گے، چناں چہ آنحضرت ﷺ نے اہل صفہ میں سے ستر قراء وعلماء صحابہ منتخب فرما کر روانہ کردیئے، اور حضرت منذر بن عمرو کو امیر بنایا۔

یہ قافلہ بیر معونہ (ایک کنواں) پہنچا تو نجد والوں نے بدعہدی کی اور صحابہ کو گھیر کر بے دردی سے شہید کرڈالا، صرف ایک صحابی کسی طرح زندہ بچ سکے، ان واقعات پر آپ ﷺ کو بے پناہ صدمہ ہوا اور مسلسل ایک ماہ یا ۴۰/دن تک آپ ﷺ ان بدعہد وظالم قبائل کے خلاف نام بنام بددعا کے لئے نمازوں میں اور بطورِ خاص فجر میں قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے، تا آں کہ یہ پوری ظالم بستی طاعون کی وباء میں ہلاک ہوگئی، اور یہیں سے اہل ایمان کے لئے ہنگامی حالات میں قنوتِ نازلہ کی سنت جاری ہوئی۔ (سیرت ابن ھشام:۲/۱۸۳ الخ، بخاری: المغازی: باب غزوة الرجیع)

یہود بنی نضیر کا انجام

مدینہ منورہ میں یہود کا ایک قبیلہ ''بنونضیر'' تھا، جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدات میں شامل تھا، اس قبیلے کے لوگوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی ایک ناپاک سازش بنائی، کسی مقدمے کے فیصلے کے لئے آپ ﷺ بنونضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے، انہوں نے ایک دیوار کے سائے میں آپ ﷺ کو بٹھایا اور چپکے سے دیوار کے اوپر ایک آدمی چڑھادیا اور بھاری پتھر آپ ﷺ پر پھینکنے کا حکم دیا، اللہ نے بذریعہ وحی یہ خبر آپ ﷺ کو بتادی، آپ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ کر آگئے اور پیغام بھجوادیا کہ دس دن کی مہلت ہے، مدینہ خالی کردو، ورنہ قتل کردیئے جاؤگے۔

شروع میں تو انہوں نے اکڑ دکھائی، مہلت ختم ہوئی، مگر نہیں نکلے، قلعوں میں بند ہوگئے، بالآخر آپ ﷺ نے محاصرہ کرلیا، محاصرے میں ان کے جو باغات رکاوٹ بن رہے

تھے کٹوادئے، بالآخر چند دنوں بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دئے، اور جلاوطن ہوگئے، جنگی سامانوں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی انہیں اجازت تھی، وہ گھروں کے دروازے اور کھڑکیاں بھی نکال کر لے گئے، اللہ نے سورۂ حشر میں اس واقعہ کی منظر کشی فرمائی ہے، یہ واقعہ ربیع الاول ۴ رہجری کا ہے۔(سیرت ابن هشام:۲/ ۱۹۰ الخ، سنن ابی داؤد: باب خبر النضیر)

غزوہ بدر ثانیہ

احد سے جاتے وقت ابوسفیان نے آئندہ سال بدر میں مقابلے کا الٹی میٹم دیا تھا، آپ ﷺ اواخر شعبان ۴ رہجری میں اس کے جواب میں ۱۵۰۰ رصحابہ کے ساتھ بدر تشریف لے گئے، آٹھ دن مقیم رہے، ابوسفیان اوراس کی فوج کا انتظار کیا، مگر قریش کی ہمت مقابلے پر آنے کی نہ ہوئی، ۸ ر دن بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے، اسے غزوۂ بدر ثانیہ اور بدر صغریٰ کہا جاتا ہے، یہ سفر بڑے دوررس اثرات ونتائج کا حامل رہا، اطراف مدینہ کے قبائل کو احد کے بعد مسلمانوں کے بارے میں کمزوری کی جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی، اس سے دور ہوگئی، اور مسلمانوں کی دھاک دوسروں پر جم گئی۔(سیرت ابن هشام:۲/ ۲۰۹، زاد المعاد :۲/ ۱۱۲)

حضرت حسینؓ کی ولادت

اسی سال شعبان ۴ رہجری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، حضرت حسین حضرت حسن سے دس ماہ چھوٹے ہیں، نواسۂ رسول ﷺ، جوانانِ جنت کے سردار، شہید کربلا، آپ ﷺ کے شبیہ ومحبوب صحابی ہیں۔(سیرت النبی: ۱/ ۲٤٥)

حضرت علیؓ کی والدہ کی وفات

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی والدہ حضرت فاطمہ اسی سال راہیٔ ملک بقاء ہوئیں، آپ ﷺ نے اپنا پیرہن ان کے کفن کے لئے عنایت فرمایا، تدفین کے لئے ان کی قبر

میں اترے، تاریخ اسلام میں صرف ۵؍خوش نصیب ایسے ہیں جن کی قبروں میں آپ ﷺ بنفس نفیس اترے ہیں: (۱) حضرت علی کی والدہ (۲) حضرت خدیجہ (۳) حضرت عائشہ کی والدہ حضرت ام رومان (۴) حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر کے ایک صاحب زادے (۵) حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہم۔(سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/۳۵۸)

مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم

مختلف ممالک سے سرکاری خطوط سمجھنے اور جواب دینے کے لئے اسی سال آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی اور سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا، چناں چہ انہوں نے فارسی، رومی، قبطی اور حبشی تمام زبانیں سیکھیں۔(سیر الصحابة: مولانا سعید انصاری: ۳/۳۵۵، سیرت النبی: ۱/۲۴۵)

اس سے اسلام کا توسع معلوم ہوتا ہے، اور یہ سبق امت کے سامنے آتا ہے کہ ہر دور میں امت کے پاس رائج الوقت تمام زبانوں میں خدمت ودعوتِ دین کی ذمہ داری نبھانے والی ٹیم موجود رہنی چاہیے، اور اس باب میں کسی تعصب، تحفظ اور تنگ نظری سے کام لینا اسوۂ نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے عقد

شوال ۴؍ہجری میں آپ ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی حضرت عبد اللہ بن الاسد (ابوسلمہ) کی بیوہ حضرت ام سلمہ سے عقد فرمایا۔(سیرت النبی: ۲/۲۴۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کو کوئی صدمہ اور مصیبت آئے اور وہ یہ الفاظ کہے:

إِنَّـا لِـلّٰـهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰهُمَّ أجُرْنِي فِي مُصِيْبَتِي وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْراً مِنْهَا.

بلا شبہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں، اور ہمیں اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، خدایا: میری اس مصیبت میں مجھے اجر عطا فرمایئے اور مجھے بہتر بدل عطا فرمایئے۔

تو اللہ تعالیٰ اس کو نعم البدل ضرور عطا فرماتا ہے، حضرت ابوسلمہ کے انتقال کے بعد میں نے یہ دعا پڑھی، لیکن سوچتی رہی کہ ابوسلمہ کا نعم البدل کیا ہوسکتا ہے، لیکن پھر آپ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا اور اللہ نے مجھکو ابوسلمہ سے بہتر شوہر عطا فرمادیا۔ (مسلم: الجنائز: باب ما يقال عند المصيبة)

ہجرت کا پانچواں سال

غزوہ دومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ھ ہجری میں ایک اہم جنگی کاروائی سرکار دو عالم ﷺ کی قیادت میں مقام دومۃ الجندل کے علاقے میں عمل میں آئی، اس علاقے میں رومن حکومت سے متعلق عیسائیوں کا اقتدار تھا، اس کا حاکم اکیدر بن عبدالملک نامی نصرانی تھا، عربوں اور رومن حکومت کے درمیان وہ واسطے کا مقام رکھتا تھا، آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس علاقے کے لوگوں نے مسلمان قافلوں کو چھیڑنا شروع کر دیا ہے، اوران کا ارادہ مدینہ پر حملے کا بھی ہے، آپ ﷺ نے اول وہلہ ہی میں ان کی سرکوبی کا ارادہ فرمایا اور ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ دومۃ الجندل پہنچے، آپ ﷺ کی اس غیر متوقع آمد نے ان قبائل کے حوصلے پست کر دیئے، وہ منتشر ہوگئے، آپ ﷺ نے وہاں ایک ماہ قیام فرمایا، اس سفر سے ایک تو دعوتی مہم کو فروغ ہوا، دوسری طرف سیاسی رابطے بڑھے، تیسری طرف عسکری اعتبار سے آپ ﷺ کا رعب غیروں پر قائم ہوا۔ (المغازی للواقدی: ۱/۴۰۳، طبقات ابن سعد: ۲/۶۲)

غزوہ بنی المصطلق

آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑی فوج جمع کر رہا ہے، آپ ﷺ نے تحقیق کرائی، رپورٹ صحیح معلوم ہوئی، آپ ﷺ نے صحابہ کو سفر جہاد کی تیاری کا حکم دیا، سات سو مسلمانوں کے ساتھ شعبان

۵ھ ہجری میں آپ ﷺ سفر پر نکلے، بنی المصطلق کے ٹھکانوں پر پہنچے، اور ان پر یلغار کر دی، دشمن بھاگ کھڑے ہوئے، ان کے دس افراد قتل ہوئے، اور ان کے چھ سو مرد و عورت گرفتار ہوئے، انہیں قیدیوں میں سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، جویریہ باندی تھیں، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا، انہوں نے چند دن پہلے خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے ایک چاند آیا ہے اور ان کی گود میں اتر گیا ہے، اب اس کی تعبیر ظاہر ہوئی کہ آپ ﷺ نے ان سے عقد فرمایا، دیگر تمام صحابہ نے تمام اسیروں کو رہا کر دیا، کیوں کہ اب یہ سب آپ ﷺ کے سسرالی عزیز ہو گئے تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے:

فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ اَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَىٰ قَوْمِهَا مِنْهَا أُعْتِقَ فِيْ سَبَبِهَا مِأَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِيْ الْمُصْطَلِقِ.

جویریہ سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے حق میں بابرکت ثابت نہیں ہوئی، ایک دن میں ۱۰۰ر گھرانے آزاد ہوئے۔ (ابو داؤد: کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب، المستدرک: ۴/۲۷، اسد الغابة: ۵/۲۳۴)

اخلاق کریمانہ کی فتح

غزوۂ بنی المصطلق تاریخ اسلام میں ۳ر پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے، اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ذکر ہوا کہ آپ ﷺ نے سردار زادی سے عقد فرمایا، پھر تمام قیدی آزاد کر دئے گئے، اور اس حسن سلوک اور اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے تقریباً سب حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

تعصب پر قدغن

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس موقع پر منافقین نے مسلمانوں میں باہم تفریق اور خوں ریزی کی خطرناک سازش رچی، غزوہ کے بعد مسلمان ابھی مریسیع کے چشمے پر ہی تھے کہ پانی لیتے

وقت ایک انصاری صحابی اور ایک مہاجر صحابی کے درمیان جھگڑا ہو گیا، مہاجر نے "یَـــا لَلْمُهَاجِرِيْنَ" کہہ کر مہاجروں کو اور انصاری نے "يَـا لَلْأَنْصَارِ" کہہ کر انصار کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا، بات بڑھنے لگی، قریب تھا کہ ہاتھا پائی ہو جائے، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ:

مَا بَالُ دَعْوَىٰ الْجَاهِلِيَّةِ؟ دَعُوْهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ.

یہ جاہلانہ تعصب کے نعرے کیسے؟ یہ باتیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو، یہ بہت بدبودار اور گندی باتیں ہیں۔ (بخاری: التفسیر: باب قولہ "سواء علیهم" الخ)

اس طرح آپ ﷺ نے قبائلی، علاقائی، قومی، خاندانی، نسلی، نسبی اور لونی سب تعصّبات پر قدغن لگا دی، یہ پیغام نبوت آج بھی زندہ ہے، تا قیامت زندہ رہے گا، اور تعصّبات کے منحوس سائے میں جینے والوں کو سبق دیتا رہے گا۔

منافقین کا کردار اور قرآن کی صراحت

یہ واقعہ منافقوں کو معلوم ہوا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے لوگوں کو شہ دی اور کہا:

ان مہاجرین کی یہ ہمت، ہماری وجہ سے مضبوط ہوئے، اور ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں، یہ تو ایسا ہوا کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو؛ تا کہ وہ تم کو ہی کھا جائے، خدا کی قسم! جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلت والے (حضور ﷺ اور صحابہ) کو نکال باہر کرے گا۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۴۶، نبئ رحمت: ۳۵۱)

یہ باتیں کم سن صحابی حضرت زید بن ارقم نے سن لیں، آپ ﷺ کو بتایا، حضرت عمر نے عرض کیا کہ اس منافق کو قتل کرا دیجئے، آپ ﷺ نے ٹال دیا۔ (بخاری: المناقب: باب ما ینهی عنه من دعوة الجاهلية)

واپسی کا سفر شروع ہو گیا، عبداللہ بن ابی کو پتہ چلا کہ اس کی باتیں آپ ﷺ کو پتہ چل گئی ہیں، وہ آیا اور کہنے لگا کہ زید بن ارقم نے آپ ﷺ تک غلط خبر پہنچائی ہے، میں نے کچھ نہیں کہا ہے، بہت سے لوگ کہنے لگے کہ زید کم سن ہیں، ان سے سننے اور سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو گی۔

آپ ﷺ واپسی کے سفر میں اونٹ پر سوار ہیں، خلافِ معمول قافلہ پوری رات اور پورا دن چلتا رہا ہے، دوسرے دن دوپہر میں آرام کی اجازت ملتی ہے، پھر اسی موقع پر سورۃ المنافقون نازل ہوئی، عبداللہ بن ابی کے حیثیانہ بیان کو اللہ نے ریکارڈ کر دیا اور پھر فیصلہ فرما دیا:

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ، وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ. (المنافقون: ۸)

یہ منافق کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زید بن ارقم کی موافقت فرمائی ہے، اس طرح حق واضح ہو کر رہا، عبداللہ بن ابی کے بیٹے مخلص مسلمان حضرت عبداللہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے میرے باپ کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اگر ایسا ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ میں ان کا سر اتار لاؤں، کوئی دوسرا یہ کام کرے گا تو کہیں مجھ کو اندھا جوشِ انتقام گناہ میں مبتلا نہ کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، میں تمہارے باپ کے ساتھ نرمی اور درگذر کروں گا۔

قافلہ مدینہ منورہ کی سرحد پر پہنچا ہے، بیٹے نے اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا راستہ روک لیا، کہا کہ جب تک آقا ﷺ آپ کو اجازت نہیں دیتے میں مدینہ میں آپ کو داخل نہ ہونے دوں گا، آپ اپنی زبان سے اقرار کیجئے کہ محمد ﷺ تمام انسانوں میں سب سے معزز اور آپ سب سے ذلیل ہیں، اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے، ابن ابی بولا کہ میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑو، جانے دو، تب ابن ابی مدینہ میں داخل ہوسکا، آپ ﷺ کے اس حسن سلوک کا دوسروں پر بہت اچھا اثر پڑا اور ابن ابی کی پوزیشن بہت خراب ہوگئی۔ (سیرت ابن هشام:۳/۴۰۵ الخ، المغازی للواقدی:۱/۳۵۴ الخ، مختصر السیرة:۲۷۷)

آپ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اگر میں ابن ابی کو اسی وقت قتل کرڈالتا تو کچھ لوگ سمجھ سکتے تھے کہ میں نے زیادتی کی ہے؛ لیکن آج تو خود ان کے بیٹے ہی ان کو قتل کرنے کے لئے تیار ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

بَارَکَ اللّٰهُ فِيْ رَأيِ رَسُوْلِهِ. (سیرت ابن هشام:۲/۲۹۳)

اللہ نے اپنے رسول کی رائے میں برکت رکھی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں قبل از وقت کوئی اقدام غلط فہمیوں کا باعث ہوتا ہے، اور اس کا نتیجہ نقصان کی صورت میں نکلتا ہے، صحیح موقع کا انتظار اور ضبط نفس پیغمبر ﷺ کا اسوہ ہے۔

واقعۂ افک

تیسرا پہلو واقعۂ افک ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ ہیں، واپسی میں لشکر نے مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام پر قیام کیا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے ہودج سے باہر ویرانے کی طرف جاتی

ہیں، ہار ٹوٹ کر گر جاتا ہے، اسے تلاش کرنے میں دیر ہو جاتی ہے، واپس آتی ہیں تو قافلہ جا چکا ہوتا ہے، چوں کہ آپؓ ہلکے بدن کی ہیں اور ہودج پر پردہ پڑا ہوا ہے، اس لئے کسی کو خیال بھی نہیں ہوتا کہ آپؓ ہودج میں نہیں ہیں، پریشان ہو کر چادر لپیٹ کر اسی مقام پر لیٹ جاتی ہیں کہ تلاش کرنے والے کو آنے پر دقت نہ ہو۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ جو قافلے سے پیچھے چلنے اور بھولے بھٹکے لوگوں کی خبر گیری پر مامور ہیں، آتے ہیں، قریب پہنچ کر ام المؤمنین کو پاتے ہیں، حیرت واستعجاب سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں، اپنا اونٹ بٹھاتے ہیں، ام المؤمنین سوار ہو جاتی ہیں، حضرت صفوان پیدل اونٹ کی نکیل تھامے چلتے ہیں، بالآخر قافلے سے آملتے ہیں، بس کینہ پرور منافقوں کو موقع مل جاتا ہے اور وہ اسے افسانہ بنا ڈالتے ہیں، اور مدینے کی پرسکون فضا میں ناموسِ رسول ﷺ کے خلاف افتراء والزام کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں، چند مسلمان بھی ان کے جھانسے میں آکر وہی باتیں دہراتے ہیں، پورا مسلم معاشرہ ناقابل بیان اذیت میں مبتلا ہے۔

آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا، اور یہ واقعہ اور اپنی شدید تکلیف کا ذکر کیا، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر اس طرح کا الزام لگانے والے قبیلہ اوس کے ہیں تو ہم ان سے نمٹ لیتے ہیں، خزرج کے ہیں تو آپ ﷺ حکم دیجئے کہ ان کی گردن اڑا دیں، اس پر خزرج کے سردار سعد بن عبادہ جوش میں آگئے، قریب تھا کہ باہم تفرقہ ہو جاتا؛ لیکن آپ ﷺ نے مداخلت فرمائی، مجلس برخاست کردی، مختلف ذرائع سے آپ ﷺ نے تصدیق کرائی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں سنا۔

ایک مہینہ گذر گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہ تھا،

آپ ﷺ مجھ سے رسمی بات تو کر رہے تھے، مگر سابقہ بشاشت نہیں تھی، بالآخر انہیں صورتِ حال معلوم ہوئی، یہ خبر سن کر روتے روتے آنسو خشک ہوگئے، میکے آئیں، والدین نے صبر کی تلقین کی، اسی حالت میں آپ ﷺ تشریف لائے، اور حضرت عائشہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ مجھے ایسی اطلاع ملی ہے، اگر تم بری ہو تو اللہ برأت ظاہر فرمادے گا، اور اگر خدانخواستہ کوئی گناہ صادر ہوگیا ہے تو توبہ کرلو، اللہ توبہ قبول کرلیتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے والدین سے کہا کہ جواب دیجئے، مگر وہ خاموش رہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا کہ میں اس مرحلے میں ہوں کہ اگر میں سچ بول دوں کہ میں بری ہوں تو آپ کو یقین نہیں آئے گا، اور اگر میں جھوٹ بولوں اور جرم کا اقرار کرلوں تو آپ یقین کرلیں گے، میرا تو بس یہی کہنا ہے کہ:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُوْنَ.

صبر ہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

بس اسی وقت وحی الٰہی کا نزول ہوا، اور قرآنِ کریم کی صریح و دوٹوک آیات کے ذریعہ دو رکوع میں ام المؤمنین کی برأت اور ریشہ دوانی میں مصروف دشمنوں کی سازشوں کا مکمل بیان سامنے آیا، اس کے بعد الزام لگانے والوں پر سزائیں جاری کی گئیں، عبداللہ بن ابی جو اس فتنے کا سردار تھا، اس پر ڈبل حد جاری ہوئی۔ (واقعۂ افك کی مکمل تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بخاری: المغازی: حدیث الافك، زاد المعاد: ۲/۱۱۳ الخ)

مقام غور ہے:

(۱) اس واقعہ سے امت کے سامنے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام عظمت ظاہر ہوا کہ یہ وہ خاتونِ جنت ہے جس کی عفت کی گواہی میں خدا بول اٹھا، اور قرآن نے برأت ظاہر فرمادی۔

(۲) سازشی ٹولہ ''منافقوں'' کا نفاق آشکارا ہو گیا، اور ان کی سازش ناکام ہو گئی۔

(۳) کان کے کچے بعض اہل ایمان کی تادیب و اصلاح کا انتظام بھی کر دیا گیا۔

(۴) اللہ کی طرف سے اعلان فرما دیا گیا کہ پاک باز عورتیں پاک باز مردوں کے لئے اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کے لئے ہیں، اللہ کا پیغمبر پاک بازی کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے، ان کے حرم میں وہی خواتین آئیں گی جو پاک بازی کا شاہ کار ہوں گی، بدکار عورت کا نبی کے حبالۂ عقد میں آنا اللہ گوارا ہی نہیں کر سکتا۔

غزوۂ خندق

یہود کی سازش

سیرتِ نبویہ کا انتہائی اہم باب غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب ہے، اس موقع پر خندق کھودی گئی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں نے متحدہ محاذ بنا کر حملہ کیا، اس لئے اسے خندق و احزاب کہا جاتا ہے، یہ اسلام کی تاریخ میں سب سے سخت غزوہ ہے، اس کے اصل محرک یہود تھے، وہ مختلف قسطوں میں اپنے کرتوتوں کے خمیازے میں ذلیل ہو چکے تھے، انہیں اپنا مستقبل بالکل تاریک نظر آ رہا تھا، اس لئے انہوں نے اسلام کے خلاف اپنی سازشوں کے جال بہت قوت اور تیزی کے ساتھ بُنے، ان کے سامنے اب یہی نشانہ تھا کہ پورا عرب متحد ہو کر اسلام کو کچل ڈالے۔

غور فرمایا جائے! زمانہ بدل گیا، نسلیں بدل گئیں اور طور طریقے بدل گئے؛ لیکن آج بھی یہود کا یہی ذہن ہے، ان کی تمام کوششوں کا محور اس وقت بھی اسلام کو مٹانا تھا، آج بھی یہی مشن ہے، وہ اس وقت بھی ناکام رہے، اللہ اب بھی ان کو ناکام ہی فرمائے گا۔

دشمنوں کا متحدہ محاذ

دشمنوں کے بس میں اب اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں رہ گئی تھی کہ مختلف قبائل کا متحدہ محاذ (الائنس) تیار کر کے پوری قوت سے سے مدینہ پر دھاوا بول دیا جائے، مدینے کے یہودی مکمل ان کے حمایتی اور منافق اندر سے مسلمانوں کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے تھے۔

ابوسفیان کی قیادت میں قریش مکہ، غطفان، بنو اسد، بنو سعد سمیت متعدد قبائل پر مشتمل دس ہزار مسلح اور تیار فوجیوں کا یہ جتھا مدینہ روانہ ہوا ہے۔

خندق کا مشورہ

آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے، آپ ﷺ مشورہ طلب فرماتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں ایران میں ایسے نازک موقعوں پر خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا جاتا ہے، مدینہ کے تین جانب مکانات اور کھجور کے باغات تھے، جو فصیل کا کام پورا کرتے تھے، صرف شام کی سمت کھلی ہوئی تھی، اُدھر خندق کھودی جاتی ہے تو حفاظت ہو جاتی ہے، حضرت سلمان کی رائے متفقہ طور پر بہ نگاہِ تحسین دیکھی گئی اور آپ ﷺ نے اسی کا فیصلہ فرمادیا۔(طبقات ابن سعد:۲/۴۷،الرحیق المختوم:۴۶۸-۴۷۰، سیرت ابن ھشام:۲/۲۲۴)

اب صحابہ کی جماعت خندق کھودنے میں مصروف ہے، آپ ﷺ نے حدود قائم فرمادی ہیں، خط کھینچ کر دس دس گز زمین تقسیم فرمادی ہے۔(فتح الباری:۷/۳۰۵)

ساڑھے پانچ کلومیٹر لمبی، ساڑھے تین میٹر گہری اور چار میٹر چوڑی خندق کھودی گئی ہے، اتنی گہرائی ہے کہ پانی نکل آیا ہے۔(تاریخ طبری:۳/۴۵)

موسم سرد ہے، ہوائیں تیز ہیں، زمین پتھریلی ہے، مسلمان فاقے میں ہیں؛ لیکن ان کے جوش وخروش اور جذبہ وولولہ کا عجب عالم ہے۔

ایمانی جذبہ

آقائے نامدار سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں مصروف ہیں، صحابہ جذبۂ ایمانی سے سرشار یہ شعر پڑھتے ہیں:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّداً

عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَداً

ہم ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر زندگی کی آخری سانس تک جہاد اور سرفروشی کا سچا عہد کیا ہے۔

آقا ﷺ غلاموں کے جواب میں فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ لاَ عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ

فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

خدایا: آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے، آپ انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔

اس طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کی سوچ کا رخ دنیا کے بجائے آخرت کی طرف موڑ دیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام حوصلہ بلند کرنے کے لئے یہ رجزیہ اشعار بھی پڑھ رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا

وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا

وَثَبِّتِ الأَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

اِنَّ الأُلٰی قَدْ بَغَوا عَلَیْنَا

وَاِنْ أَرَادُو فِتْنَۃً أَبَیْنَا

اے اللہ! اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو نہ ہم کو ہدایت ملتی، نہ ہم صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے، خداوندا! ہم کو تسکین عطا فرمائیے، دشمن کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدم رکھئے، انہوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے، جب

کبھی یہ فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ہم اس کو قبول نہیں کرتے۔(بخاری: المغازی: باب غزوۃ الخندق،مسلم:الجھاد: باب غزوۃ الاحزاب)

ان اشعار کے ذریعہ صحابہ کے جسم وجان کو آسودگی مل رہی ہے، بوجھ ہلکا معلوم ہورہا ہے،فضا ان اشعار سے اور آپ ﷺ کی پرسوز آواز سے معمور ہورہی ہے،حوصلوں میں جان پڑگئی ہے، بقول شاعر ؎

سنگ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزل چھپی ہوئی تو مرے حوصلوں میں ہے

اسی لئے تو اتنا مشکل کام آقا ﷺ کی ولولہ انگیز عملی قیادت میں صرف دو ہفتوں میں؛ بلکہ ایک روایت کے مطابق صرف ٦ ؍دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔(طبقات:۲/ ٤٨، شرح الزرقانی :۲/ ١١٠)

اہم واقعہ

روایات میں آتا ہے کہ کھدائی کے دوران ایک موقع پر ایسی چٹان آ گئی جو کسی بھی صورت میں نہیں ٹوٹ رہی تھی، آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے، آپ ﷺ کدال لے کر بسم اللہ پڑھتے ہیں اور ضرب لگاتے ہیں، چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ جاتا ہے، اور چمک پیدا ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰہُ أَکْبَرُ: أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ، وَاللّٰہِ إِنِّی لأُبْصِرُ قُصُوْرَهَا الْحَمرَاءَ السَّاعَةَ.

اللہ سب سے بڑا ہے، مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئیں، خدا کی قسم میں اس وقت ملک شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ ﷺ دوبارہ بسم اللہ پڑھتے اور ضرب لگاتے ہیں تو دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ جاتا

ہےاور پھر چمک ہوتی ہے،آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اللّٰہُ أَکْبَرُ: أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسَ،وَاللّٰهِ إِنِّی لأُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الأَبْیَضَ.

اللہ سب سے بڑا ہے، مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئیں، بخدا میں مدائن کا قصر ابیض دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ ﷺ سہ بارہ بسم اللہ پڑھتے اور ضرب لگاتے ہیں، پوری چٹان ریت کے تودے کی طرح بکھر جاتی ہے، تیز چمک ہوتی ہے،آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اللّٰہُ أَکْبَرُ: أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ، وَاللّٰهِ إِنِّی لأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَکَانِي هٰذِهِ السَّاعَةَ.

اللہ سب سے بڑا ہے، مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں، بخدا میں اپنے اسی مقام سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔

مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میری امت ان علاقوں کو فتح کر کے رہے گی ،اور یہ تمام حکومتیں اسلام کے زیر نگیں آ کر رہیں گی۔(مسند احمد:۳۰۳/٤، سیرت ابن هشام:۲۱۹/۲، سیرت ابن کثیر :۱۹٤:۳)

چناں چہ ایسا ہی ہوا، اور یہ سب علاقے اسلام کے مفتوح ہوئے۔

آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کے محلات کی تفصیل بتائی، انہوں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس رب کی جس نے آپ کو نبی بنایا ہے، قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ ﷺ نے بتایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔(طبقاتِ ابن سعد، و سیرت ابن کثیر: ۱۹٤/۳)

مدائن کا یہ قصر ابیض عہد فاروقی میں فتح ہوا، اس پر اسلام کا پرچم لہرایا، آج کی سپر پاور

امریکی حکومت جس کی زیر سرپرستی پوری دنیا میں ظلم و بربریت کا طوفان آیا ہوا ہے، اس کا قصر ابیض (وہائٹ ہاؤس) بھی ان مجاہدین اسلام کے سچے جانشینوں کے انتظار میں ہے۔

بے مثال مجاہدہ

روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ ﷺ خندق کھود رہے تھے، آپ ﷺ دو دن کے فاقے سے تھے، شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے، بعض بھوک سے بے حال صحابہ نے آقا ﷺ کو اپنے پیٹ دکھائے کہ پتھر بندھا ہوا ہے، آقا ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے اپنا پیٹ کھولا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (بخاری: المغازی: باب غزوة الخندق)

یہ تھا آقا ﷺ کا کردار، دنیا کی تاریخ گفتار و کردار میں اس طرح مطابقت رکھنے والے غازی کردار قائد کی مثال کہاں پیش کرسکتی ہے؟

آقا ﷺ کا ایک معجزہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا، گھر میں بکری کا ایک بچہ تھا، اور کچھ جَو تھے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کر دیا، کھانا تیار ہونے لگا، میں آقا ﷺ کی خدمت میں آیا، عرض کیا کہ مختصر سا کھانا ہے، دو چار ساتھیوں کو لے لیں اور تناول فرمالیں، آپ ﷺ نے اعلانِ عام کر دیا:

يَاأَهْلَ الْخَنْدَقِ: إِنَّ جَابِراً قَدْ صَنَعَ سُوْراً، فَحَيَّهَلاً بِكُمْ.

خندق والو! چلو جابر کے ہاں دعوت ہے۔

حضرت جابر حیران و پریشان گھر آتے ہیں، بیوی سے بتاتے ہیں، بیوی کہتی ہے کہ آپ نے شور مچایا ہوگا، بولے نہیں، میں نے تو دھیرے سے کہا ہے، بیوی کہتی ہے کہ جب

آ قا ﷺ نے خود اعلان کیا ہے تو فکر کی کوئی بات نہیں، اللہ مالک ہے، وہی عزت رکھے گا، حضور اکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ روٹی ابھی تیار مت کروانا، اور دیگچی پر سے ڈھکن مت ہٹانا، آ قا ﷺ تشریف لائے، خود دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر دم کیا، آٹے پر دم کیا، روٹی پکنی شروع ہوئی، آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے سالن اور روٹی صحابہ کو دیتے رہے، باری باری تمام صحابہ شکم سیر ہو گئے، کل ایک ہزار افراد تھے، پھر آپ ﷺ نے کھایا، پھر گھر والوں نے کھایا، آپ ﷺ نے پڑوسیوں کو بھی بھجوایا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کھانا حسب سابق پورا موجود تھا، دیگچی بھری ہوئی تھی، یہ آ قا ﷺ کا معجزہ تھا۔(بخاری: المغازی: باب غزوۃ الخندق، رحمۃ للعالمین: د/عائض القرنی: ۱۹۶ الخ)

یہ معجزہ دیکھ کر اہل ایمان کے ایقان وایمان اور عزم وحوصلہ میں کس درجہ اضافہ ہوا ہوگا محتاج بیان نہیں ہے۔

دشمنوں کی آمد اور حیرانی

مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے کہ دشمنوں کا لشکر جرار آ پہنچا، دشمنوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کا راستہ بند ہے، وہ خندق کے اس پار مقیم ہو گئے، دوسری طرف آپ ﷺ نے خندق میں جگہ جگہ سبھی محاذوں پر چوکیاں قائم فرمادیں، اور ۲۴ر گھنٹے پہرے کا نظام بنا دیا، خواتین اور بچوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے اوپر کی جانب ایک قلعے میں منتقل کر دیا گیا۔

دشمن خندق اور یہ انتظام دیکھ کر حیران رہ گئے، وہ تو اس عزم سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالیں گے، آپ ﷺ سمیت تمام مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دیں گے؛ لیکن قائد اعظم محمد عربی ﷺ کی اس جنگی تدبیر نے ان کے تمام عزائم خاک میں ملادئے، آپ ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے لئے اہل فارس کے طریقے خندق کو اپنایا، اس طرح یہ پیغام بھی دیا

کہ حکمت وافادیت کی جو بات یا چیز جہاں سے بھی ملے حاصل کر لینا چاہیئے، اسلام اس باب میں کوئی تنگ نظری نہیں رکھتا۔

محاصرہ اور مقابلہ

بہرحال خندق کی دوسری طرف اہل کفر ہیں، جو خندق کے پار سے مدینہ منورہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، اہل ایمان اپنی ذمہ داریوں پر مامور ہیں، ایک گروہ دشمنوں کے بالمقابل ڈٹا ہوا ہے، دوسرا گروہ آپ ﷺ کی حفاظت پر مامور ہے، تیسرا گروہ مدینہ میں موجود یہودیوں اور منافقین کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہے، دشمن بار بار خندق پار کرنے کی کوشش کرتا تھا، جہاں خندق کی چوڑائی نسبۃً کم تھی کچھ سورماؤں نے وہ حصہ عبور کیا، مگر اہل ایمان نے ان کو آگے نہیں بڑھنے دیا، ایسے دو دشمنوں کو حضرت علی نے کیفر کردار تک پہنچا دیا، دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔(شرح الزرقانی:۲/۱۱٤، ابن کثیر:۳/۲۰۲)

ایک دن اسی مشغولیت میں عصر کی نماز قضا ہوئی، اور ایک دن تو ایسا سخت گذرا کہ ظہر وعصر ومغرب تینوں نمازیں قضا ہوئیں، اور عشاء بہت تاخیر سے ادا ہو سکی، اس وقت تک صلاۃ الخوف کا حکم نہیں آیا تھا، اس لئے جنگی ضرورت کی وجہ سے نمازیں مؤخر کرنی پڑیں۔(مختصر السیرۃ:۲۸۷)

بنو قریظہ کی عہد شکنی

محاصرہ طویل تر ہو گیا، اسی نازک مرحلے میں بنو قریظہ نے بھی عہد شکنی کر دی، دشمنوں سے جا ملے، آپ ﷺ نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ ان کو اس سے روکا، مگر وہ بولے کہ:

لاَ عَقْدَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَلاَ عَهْدَ.

ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد وپیمان نہیں ہے۔(سیرت ابن ہشام:۲/۱٤۰، شرح الزرقانی:۲/۱۱۱، سیرت سرور عالم:۳/۲۲٤)

قرآنی منظر کشی

اللہ نے اس صورتِ حال کا بہت بلیغ اور مؤثر نقشہ کھینچا ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا. (الاحزاب: ۱۰-۱۱)

یاد کرو جب دشمن تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے، اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے، اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔

حضرت سعد بن معاذؓ پر جان لیوا حملہ اور شہادت

اسی دوران دشمنوں کا ایک زہر آلود تیر سردارِ اوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا، جس نے ان کی شہ رگ کاٹ دی، ان کی حالت نازک ہوگئی، انہوں نے دعا مانگی:

بار الٰہا! اگر آپ کے علم میں اب بھی قریش سے کوئی معرکہ باقی ہے تو مجھے زندہ رکھئے اور اگر آئندہ کوئی معرکہ باقی نہ ہو تو مجھے اپنے حضور بلا لیجئے۔

(بخاری: المغازی: باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب)

مسجد نبوی یا اس موقع پر بنائی گئی عارضی نماز گاہ کے صحن میں اسلام کی پہلی خاتون سرجن حضرت رُفیدہ رضی اللہ عنہا نے ان کا علاج کیا، مگر مرض بڑھتا گیا۔ (خطبات سیرت: مولانا سید سلمان حسینی ندوی/۲۴۸)

بالآخر چند دنوں بعد انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، آپ ﷺ کے بیان کے مطابق ۷۰؍ ہزار فرشتے ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے، عرشِ الٰہی ان کی وفات پر حرکت میں آ گیا۔ (مشکوۃ المصابیح: باب اثبات عذاب القبر)

حضرت نعیم رضؓ کا انقلابی کردار

محاصرہ کو تقریباً ایک ماہ گذر گیا، اللہ نے غیبی انتظام فرمایا، غطفان کے سردار نعیم بن مسعود کسی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور اسلام قبول کرلیا، انہوں نے اپنی خدمات پیش کرنی چاہیں، آپ ﷺ نے انہیں دشمن کی طاقت توڑنے کا حکم دیا، انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر اختیار کروں، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ. (بخاری: الجهاد: باب الحرب الخدعة)

(جنگ حیلہ وتدبیر کا نام ہے) تمہیں اجازت ہے۔

حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تدبیروں میں لگ گئے، پہلے بنو قریظہ کے یہودیوں سے ملے، کہنے لگے کہ: میں تمہارا دوست ہوں، تم دیکھ رہے ہو کہ حالات بدل رہے ہیں، قریش وغطفان دور سے آئے ہیں وہ چلے جائیں گے، پھر تم اکیلے رہ جاؤ گے اور مسلمان تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے، یہودی بولے کہ پھر ہم کیا کریں؟ حضرت نعیم نے کہا کہ اب قریش وغطفان کے لوگ تمہارے پاس مدد کے لئے آئیں تو ان میں سے دس لوگوں کو گروی رکھو؛ تاکہ وہ تم کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں، یہ بات بنو قریظہ کے دماغ میں بیٹھ گئی۔

اس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے پاس گئے اور بولے کہ: بنو قریظہ پر بھروسہ مت کرو، وہ تو محمد ﷺ سے عہد شکنی پر پریشان ہیں، اب وہ مسلمانوں سے دوبارہ رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں، مسلمانوں سے انہوں نے اِس شرط پر مصالحت کرلی ہے کہ وہ تمہارے دس لوگوں کو محمد ﷺ کے حوالے کردیں گے اور انہیں قتل کردیا جائے گا۔

اس کے بعد قریش نے بنوقریظہ کو پیغام بھیجا کہ کل ہم مسلمانوں پر زوردار حملہ کریں گے، اندر سے تم مسلمانوں پر دھاوا بول دو، بنوقریظہ نے پیغام بھیجا کہ جب تک آپ اپنے دس آدمی ہمارے پاس نہیں بھیجیں گے اس وقت تک ہم ساتھ نہیں دیں گے، اب قریش کو بنوقریظہ کے ساتھ چھوڑنے کا یقین ہوگیا، حضرت نعیم کی اس جنگی چال سے اتحادیوں میں پھوٹ پڑگئی، حوصلے پست ہوگئے، بدگمانی کا زہر اپنا کام کرگیا، اور مدینہ منورہ کی فتح کی آخری امید بھی ختم ہوگئی۔ (سیرت ابن هشام:۳/۲۴۰الخ، المغازی للواقدی:۱/۴۰۹، شرح الزرقانی:۲/۱۱۷الخ)

اللہ کی مدد

تمام اسباب کے بعد آقا ﷺ نے اور مسلمانوں نے اپنے ہاتھ اپنے رب کی بارگاہ میں اٹھادئے اور بے انتہاء الحاح وزاری سے نصرتِ الٰہی کے نزول کی دعائیں مانگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ ھَازِمَ الأَحْزَابِ، اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ.(بخاری: المغازی: باب غزوة الخندق)

اے اللہ: کتاب اتارنے والے: جلد حساب لینے والے: لشکروں کو شکست دینے والے: انہیں شکست دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

اللہ نے اپنی نصرت اُتاردی، تیز ہوا چلی، طوفان باد وباراں آیا، دشمنوں کے خیمے اکھڑنے لگے، طنابیں ٹوٹنے لگیں، اونٹ بھاگنے اور گھوڑے بدکنے اور چولہے الٹنے لگے، ہنگامہ برپا ہوگیا، اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے:

یَـٰأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَجُنُوْدًا لَمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا. (الأحزاب: ۹)

اے ایمان والو: یاد کرو اللہ نے اس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی، اور ایسے لشکر بھی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے، اور تم جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔(شرح الزرقانی:۲/۱۲۲)

حضرت حذیفہؓ کو مفوضہ خدمت

طوفان کچھ رکا تو آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ کون ہے جو دشمن کی خبر لائے؟ ۳/بار اعلان ہوا، سردی کی شدت میں کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی، ابھی لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جاؤ، یہ بہت خطرناک مہم تھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چپکے سے گئے، دشمنوں کے خیموں میں پہنچے، ابوسفیان کی زبانی کوچ کرنے کا اعلان سنا، واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو خبر دی، آپ ﷺ سجدہ میں گر گئے، پھر اپنی چادر میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سلا دیا اور فجر میں "قُمْ يَا نَوْمَانُ" (اے بہت سونے والے اٹھ جا) کہہ کر پیار سے جگایا۔(مسلم: الجهاد: باب غزوة الاحزاب، شرح الزرقانی:۲/۱۱۸)

آپ ﷺ کا واضح اعلان اور واپسی

اس کے بعد آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

اَلآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ.(بخاری: المغازی: باب غزوة الخندق)

اب تاریخ بدل گئی ہے، نیا دور شروع ہو رہا ہے، اللہ نے کفر کی کمر توڑ دی ہے، اب وہ ہم پر اقدام وحملہ نہیں کر سکیں گے؛ بلکہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، حق غالب آ کر رہے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (بخاری: المغازی: باب غزوة الخندق)

اللہ نے پروا ہوا کے ذریعہ میری مدد کی ہے اور پچھوا ہوا کے ذریعہ قوم عاد کو تباہ کیا گیا ہے۔

یہ فرما کر آپ ﷺ مسجد نبوی کی طرف واپس ہوئے ہیں، زبان پر یہ کلمات ہیں:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ نَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ. (بخاری: المغازی: باب غزوة الخندق)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی اور تن تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی۔

غزوہ خندق کا پیغام آج کی امت کے نام

غور فرمایا جائے:

جنگ خندق میں یہود و مشرکین و منافقین تینوں باطل طاقتیں اسلام کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع تھیں، اور ان کو یہودی دماغوں نے یکجا کیا تھا، آپ ﷺ نے بے مثال جرأت و ہمت، بے نظیر تدبر و حکمت اور جوش و ہوش دونوں کے توازن کے ساتھ یہ معرکہ سر کیا تھا، آج بھی عالمی سطح پر امت مسلمہ کی صورتِ حال یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تینوں باطل قوتیں اسلام کے خلاف متحد ہیں، اور ان کی قیادت شاطر یہودی دماغ کر رہے ہیں، گویا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے سامنے غزوۂ احزاب والے حالات ہیں، اور قرآنی صراحت کے مطابق "مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُم" اوپر اور نیچے ہر طرف سے دشمن تاک میں ہے، حالات پر خطر ہیں، آزمائش کا موقع ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو اسوۂ

نبوی اور اسوۂ صحابہ اختیار کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کی طرح متحد ومنظّم اور تمام تعصّبات،فرقہ بندیوں،تحفظات اور کدورتوں سے نفور وگریزاں ہونا پڑے گا،اور دوسری طرف نبوی حکمت عملی سامنے رکھتے ہوئے اپنی بساط کے مطابق دشمنوں کی تنظیم اوران کے اتحاد واشتراک میں دراڑ پیدا کرنے،ان کو کمزور وکھوکھلا کرنے اوران کے باہمی اختلاف کو ہوا دینے اور نمایاں کرنے کی سمت میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

ایسے حالات میں موجودہ مسلم ممالک جو ۵۰ر سے بھی زائد ہیں،ایک دوسرے کے لئے مشترک دشمن کے مقابلے میں ایک خندق اور فاصل اور روک کا مقام رکھتے ہیں،غزوۂ احزاب میں خندق کی تدبیر استعمال کی گئی تھی،اس کا سبق یہی ہے کہ تمام مسلم ممالک صرف اپنی اپنی سرحد اور مفاد کو پیش نظر نہ رکھیں؛ بلکہ پوری امت اور عالم اسلام کے مشترک اور وسیع تر مفاد کو سامنے رکھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے متحدہ ومشترکہ نظام ولائحۂ عمل طے کریں، ورنہ احادیث کی صراحت کے مطابق ٹکڑیوں میں بٹے رہنے والے ان ممالک کو دشمن بھیڑیا ایک ایک کر کے لقمہ بناتا چلا جائے گا۔

غزوۂ خندق کے اس مرحلے سے گذرنے کے بعد اہل ایمان کو نبوی پیش گوئی کے ذریعہ یہ یقین ہوگیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت ان کو مغلوب نہیں کرسکے گی،اور اسلام کی یہ تحریک اب ہمہ جہت انقلاب لانے کے مرحلے میں داخل ہورہی ہے،اب اس کی پرواز کسی طوفان سے روکی نہ جاسکے گی۔

غزوہ بنی قریظہ

خندق سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے غسل کیا،اورآرام کا ارادہ فرمایا،اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے اور بولے:

قَدْ وَضَعْتَ السِّلاحَ، وَاللّٰهِ مَا وَضَعْنَاهُ، فَاخْرُجْ اِلَيْهِمْ.

آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے، ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے ہیں، اٹھئے اور بنوقریظہ کا رخ کیجئے۔(بخاری: المغازی: باب مرجع النبی من الاحزاب)

یہ سن کر آپ ﷺ نے ۲۳ ذی قعدہ ۵ ہجری بدھ کے دن ظہر کے بعد صحابہ کو بنوقریظہ کے علاقے میں جانے کا حکم دے دیا، اور فرمایا کہ عصر کی نماز وہیں ہوگی، عصر کے بعد بنوقریظہ کا محاصرہ ہوا، محاصرہ ۲۵ روز تک طویل ہوگیا، بالآخر بنوقریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے، اور قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو اپنے لئے حکم تجویز کیا، حضرت سعد موت وحیات کی کشمکش میں تھے، خندق میں وہ زخمی ہوئے تھے، جس کا ذکر آچکا ہے، انہوں نے فیصلہ سنایا کہ بنوقریظہ کے لڑنے والے مردوں کو قتل کردیا جائے، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرلیا جائے، اور ان کے اموال کو غنیمت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم کردیا جائے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے سعد! تمہارا یہ فیصلہ بالکل اللہ کی منشاء کے مطابق ہے۔(بخاری: المغازی: باب مرجع النبی)

چناں چہ اسی فیصلے کے مطابق عمل کیا گیا اور یہود کا یہ قبیلہ اپنی مسلسل سازشوں، عہد شکنی اور جرائم کے نتیجے میں کیفر کردار تک پہنچا۔(دیکھئے: ابن ہشام:۲/۲۳۳الخ، زاد المعاد:۲/۱۷۲الخ)

حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح اور جاہلیت کی رسم کا ابطال

۵ ہجری میں ہی آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے عقد فرمایا، پہلے آپ ﷺ نے ہی حضرت زینب کا نکاح اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ سے کیا تھا، مگر توافق نہ ہوسکنے کی وجہ سے طلاق کی نوبت آ گئی، جاہلیت کی رسم کے مطابق متبنیٰ بیٹا سگے بیٹے کی طرح ہوتا تھا، اور اس کی مطلقہ سے شادی ممنوع تھی، اسلام نے اس جاہلانہ رسم کو توڑا، آپ ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے عقد فرما کر عملاً اس رسم کا ابطال فرمایا۔ (سیرت النبی:۱/۲۷۱-۲۷۲، سیرت المصطفی:۲/۳۳۲)

مختلف احکام شرعیہ کی مشروعیت

اسی سال عورتوں کے تعلق سے متعدد اصلاحی احکام مثلاً پردہ، اور غیروں کے سامنے زینت کی نمائش کی حرمت وغیرہ اتارے گئے، زنا کی سزا بھی اسی سال نازل ہوئی، اور تیمّم کی سہولت بھی اس امت کو امتیازی تحفہ کی شکل میں اسی سال ملی۔(سیرت النبی: ۱/ ۲۷٤)

ہجرت کا چھٹا سال

سریہ محمد بن مسلمہ

مسلمانوں کے خلاف فتنہ پروری میں پیش پیش اور خندق میں دشمنوں کے متحدہ محاذ کے شریک قبیلہ بنی بکر بن کلاب کی سرکوبی کے لئے آپ ﷺ نے ۱۰؍محرم الحرام ۶؍ہجری کو نجد کے علاقے میں حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس سواروں کا ایک لشکر بھیجا، یہ سریہ محمد بن مسلمہ کہلاتا ہے، مخالفین سے مڈبھیڑ ہوئی، دشمن کے ۱۰؍افراد قتل ہوئے، مسلمانوں کو فتح ملی۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ۳۷۸)

ثمامہ بن اثال کی اسیری اور رہائی

واپسی میں مسلمانوں نے قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو گرفتار کرلیا، یہ مسیلمہ کذاب کی طرف سے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے، آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے ستون سے باندھنے کا حکم دے دیا، اس طرح مسجد سے قید خانہ کا کام بھی لیا جارہا تھا، اس حکم میں حکمت یہ تھی کہ ثمامہ مسلمانوں کی عبادت اور اللہ کے سامنے عاجزی کی کیفیات دیکھیں، تین دن ثمامہ بندھے رہے، روزانہ آپ ﷺ ان سے دریافت کرتے کہ ثمامہ! میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ان کا یہی جواب ہوتا:

إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ، فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ.

آپ احسان فرمائیں تو یہ شکر گذار پر احسان ہوگا، قتل کا حکم دیں تو یہ مستحق کا قتل ہوگا، فدیہ مطلوب ہے تو جتنا چاہیں نذر کر دوں۔

تیسرے دن آپ ﷺ نے ان کو معاف کر کے رہا کر دیا، اخلاقِ نبوت نے ثمامہ کے دل کو فتح کر ڈالا، ثمامہ نخلستان میں گئے، غسل کر کے بارگاہِ نبوی ﷺ میں آئے اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے، عرض کیا:

وَاللّٰہِ مَا کَانَ عَلَی الأَرْضِ وَجہٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْھِکَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْھُکَ أَحَبَّ الْوُجُوْہِ إِلَيَّ، وَاللّٰہِ مَا کَانَ مِنْ دِیْنٍ اَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِیْنِکَ، فَأَصْبَحَ دِیْنُکَ أَحَبَّ الدِّیْنِ اِلَيَّ، وَاللّٰہِ مَا کَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِکَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُکَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ.

یا رسول اللہ! آج سے پہلے آپ کے رخ مبارک، دین اسلام، اور شہر مدینہ سے بڑھ کر کوئی چیز مجھے مبغوض نہ تھی، مگر اب روئے زمین پر آپ کے رخ انور، آپ کے دین برحق، اور آپ کے اس شہر سے بڑھ کر مجھے کچھ محبوب نہیں ہے۔ (بخاری: المغازی: باب وفد بنی حنیفة الخ، سیرت حلبیة: ۲/۲۹۷، مختصر السیرة: ۲۹۲، زاد المعاد: ۲/۱۱۹)

غزوہ غابہ

مدینہ منورہ میں کوہِ سلع کے قریب مقام غابہ کے اطراف ایک سرسبز چراگاہ تھی، جہاں آپ ﷺ کی ۲۰/ اونٹنیاں رکھی گئی تھیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت ذر اس کے نگراں تھے، قبیلہ غطفان کا عیینہ بن حصن فزاری ۴۰/ سواروں کے ساتھ حملہ آور ہوا، اور حضرت ذر کو قتل کر کے اونٹنیاں ہانک لے گیا، یہ منظر حضرت سلمہ بن اکوع

رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا، ٹیلے سے خطرے کا اعلان کیا اور تیر لے کر دشمن کا پیچھا کیا، دشمن نے ڈر کر تمام اونٹ اور اپنے سامان چھوڑ دئے، آپ ﷺ نے ان کی مدد کے لئے کچھ افراد فوراً روانہ فرمائے، اس کے بعد خود آپ ﷺ بھی بنفس نفیس ۵۰۰ یا ۷۰۰/افراد کے ساتھ نکلے، تیزی سے سفر کر کے مقام ''ذی قرد'' پہنچے، دشمن دہشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، یہ غزوۂ غابہ یا ذی قرد کہلاتا ہے، اسی سفر سے واپسی پر آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے، جس کی وجہ سے داہنا بازو اور ران سخت زخمی ہوئے، مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔(شرح الزرقانی: ۱۵۳/۲، سیرت احمد مجتبیٰ:۱۴۵/۲ الخ)

صلح حدیبیہ

مبارک خواب

سیرتِ نبویہ کا بہت اہم باب ''صلح حدیبیہ'' ہے، جو قرآنِ کریم کی زبان میں ''فتح مبین'' کا مصداق ہے۔(الفتح: ۱)

اسلام کی انقلابی تحریک پر اس واقعہ کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

شوال ۶ رہجری میں آپ ﷺ خواب دیکھتے ہیں، آپ ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، رفقاء کی جماعت آپ ﷺ کے ہمراہ ہے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں کلید کعبہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال منڈوایا کٹوا لئے ہیں، سب قربانی کر رہے ہیں، نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، گو اس میں وقت متعین نہ تھا، مگر صحابہ کا جذبہ شوق یہ خواب سن کر فراواں ہو جاتا ہے، زیارتِ کعبہ کا اشتیاق دلوں میں بڑھ جاتا ہے۔

آغاز سفر

صحابہ کے اصرار پر آپ ﷺ یکم ذی قعدہ ۶ رہجری (مارچ ۶۲۸ء) احرام کا لباس پہنتے ہیں، قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہوتے ہیں، سفر شروع ہو جاتا ہے، آپ ﷺ کے ہمراہ ۱۴۰۰ رصحابہ عمرہ کے احرام میں ہیں، ہمراہ بہت مختصر سامان ہے، صرف تلواریں ساتھ ہیں، اہل ثروت صحابہ نے قربانی کے جانور ساتھ لے رکھے ہیں، علامتی طور پر جانوروں کے گلوں میں قلادہ ہے۔(شرح الزرقانی: ۲/ ۱۸۰)

حدیبیہ میں قیام

مکہ والوں کو اس سفر کا علم ہوتا ہے، وہ آپس میں طے کر لیتے ہیں کہ ہم کسی بھی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، کئی سو مشرک ہتھیار بند حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑائی کے ارادہ سے راستے میں آ گئے ہیں، آپ ﷺ کا ٹکراؤ کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے، اس لئے آپ ﷺ نے راستہ بدل دیا، آگے بڑھے تو قصویٰ اونٹنی مقام ''حدیبیہ'' پر بیٹھ گئی، اسے اٹھانے کی کوشش کی گئی، مگر وہ نہ اٹھی، آپ ﷺ اللہ کی منشاء سمجھ گئے اور فرمایا کہ یہ خود نہیں بیٹھی؛ بلکہ اسے اللہ نے روک دیا ہے، بخدا آج کفار قریش مجھ سے جس بات کا بھی سوال کریں گے اگر وہ حرام نہ ہوئی تو میں منظور کر لوں گا۔(بخاری: الشروط: باب الشروط فی الجھاد)

عروہ بن مسعود کا تاثر اور پیغام

آپ ﷺ حدیبیہ میں مقیم ہیں، مکہ پیغام بھیجا ہے کہ ہمارا ارادہ صرف عمرہ ہے نہ کہ لڑائی، بنو ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود حالات کا جائزہ لینے مسلمانوں کے کیمپ میں آیا ہے، اس نے تمام مسلمانوں کو حالت احرام میں دیکھا، قربانی کے جانور بھی دیکھے اور ساتھ ہی صحابہ کی طرف سے آپ ﷺ کے لئے محبت وعقیدت، فدا کاری واحترام کے ناقابل یقین مناظر بھی دیکھے ہیں، اس نے آ کر قریش سے کہا کہ مسلمان لڑنے نہیں آئے ہیں، ان سے مصالحت ہی میں عافیت ہے۔(البدایة والنھایة: ۵۵۳/٤)

ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اے لوگو! میں نے کسریٰ کا دربار اور اس کا جلوہ بھی دیکھا ہے، قیصر کا ایوان اور اس کی شوکت بھی دیکھی ہے، نجاشی کا دبدبہ اور رعب بھی دیکھا ہے، لیکن قسم بخدا! جیسی عزت ومحبت محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں، کوئی درباری اپنے بادشاہ کی اتنی عزت نہیں کرتا، یہ منظر کہیں اور نظر نہیں آتا، ہر مسلمان محمد ﷺ کے اشارۂ

چشم کا منتظر رہتا ہے، وہ ان کے وضو کا پانی اور لعابِ دہن تک زمین پر گرنے نہیں دیتے، ان کے حکم کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں، ان کی مجلس میں اس درجہ مؤدب اور پر سکون اور سر جھکائے رہتے ہیں جیسے سروں پر پرندے ہوں جو حرکت سے اڑ جائیں گے، اس لئے محمد ﷺ کی پیش کش قبول کر لینی چاہئے۔ (شرح الزرقانی: ۲/۱۹۲ الخ، بخاری: الشروط)

بیعت رضوان

قریش مکہ سے مذاکرات کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، وہ مکہ پہنچے تو قریش نے انہیں طواف کی اجازت دے دی، مگر ان کے دل نے آقا ﷺ کے بغیر طواف کرنے کو گوارا نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ جب تک آقا ﷺ طواف نہیں کرتے، میں بھی طواف نہیں کروں گا، یہ سن کر قریش کو غصہ آیا، انہوں نے حضرت عثمان غنی کو روک لیا۔ (سیرت ابن ھشام: ۳/۳۲۹)

یہ خبر اس افواہ کی شکل میں مسلمانوں تک پہنچی کہ حضرت عثمان غنی کو مکہ میں قتل کر دیا گیا ہے، مسلمان مشتعل ہو گئے، آپ ﷺ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور یہ عہد لیا کہ لڑنے کا موقع آیا تو پیٹھ نہیں پھیریں گے، اور جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے یہاں سے نہیں ہٹیں گے، یہ ''بیعت رضوان'' کہلاتی ہے۔ (سیرت ابن اسحاق: ۲/۴۶۰)

جماعت صحابہ میں ان شرکاء بیعت صحابہ کو امتیازی مقام عطا ہوا ہے، اور قرآن میں اللہ نے ان سے اپنی رضا کا اعلان کیا ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا، وَمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا. (الفتح: ۱۸-۱۹)

یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم
سے بیعت کررہے تھے، اوران کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا،
اس لئے اس نے ان پر سکینت اتاردی اوران کوانعام میں ایک قریبی فتح عطا
فرمادی، اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جوان کے ہاتھ آئیں
گے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

بعد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی واپسی کی اطلاع آئی اور اس افواہ کا غلط ہونا ثابت ہوا، اس خبر نے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑادی۔(فتح الباری:۷/۳۴۵)

مذکرات اور مصالحت

اس کے بعد مختلف قسطوں اور مرحلوں میں قریش کے مختلف نمائندوں کے ذریعہ مذاکرات اور بات چیت کا عمل ہوتا رہا، بالآخر قریش کا نمائندہ سہیل بن عمرو آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانو! اب معاملہ آسان ہوجائے گا۔(بخاری: الشروط:باب الشروط فی الجهاد)

معاہدے کی دفعات وشرائط طے ہوئیں، قریش کے نمائندے اس موقع پر بڑی بداخلاقی اور سختی کا مظاہرہ کرتے رہے، بار بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پیمانۂ صبر لبریز ہوجاتا تھا، مگر آپ ﷺ نے صحابہ کو قابو میں رکھا اور خود صبر وضبط کے کوہِ گراں بنے رہے۔

صلح نامہ لکھا جارہا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کاتب ہیں، وہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے آغاز کرتے ہیں، سہیل نے اعتراض کردیا ہے کہ "بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ" لکھا جائے، ہم "رحمن ورحیم" نہیں مانتے، ایسا ہی کیا گیا، پھر حضرت علی نے "محمد رسول اللّٰہ" کے الفاظ لکھے ہیں، سہیل نے کہا کہ: "رسول اللّٰہ" کا لفظ کاٹ دو، اگر ہم تم کو رسول مانتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی؟ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ کاٹ دو، وہ بولے کہ: "وَاللّٰہِ لَا أَمْحُوْہُ أَبَدًا" بخدا میں تو کبھی نہ کاٹوں گا، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر خود مٹادیا، اور ''رسول اللہ'' کی جگہ ''عبد اللہ'' لکھا گیا۔ اس کے بعد معاہدہ کی دفعات لکھی گئیں:

(۱) باہمی لڑائیاں دس سال تک بند رہیں گی۔

(۲) قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ آجائے اسے واپس کرنا ہوگا۔

(۳) جو مسلمان مدینہ منورہ سے مکہ آجائے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اس سال عمرہ نہیں ہوگا، محمد ﷺ اور ان کے ساتھی آئندہ سال آئیں اور صرف ۳ر دن مکہ میں قیام کر کے عمرہ کر کے واپس ہو جائیں۔

(۵) قبائل کو اختیار ہے کہ وہ جس کے ساتھ معاہدہ ومصالحت میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے یہ تمام شرطیں یک طرفہ طور پر تسلیم کرلیں، معاہدے پر دونوں فریقوں کے دستخط ہوئے۔ (بخاری: الشروط: باب الشروط فی الجهاد، المعاهدات فی الشریعة الاسلامية: د/محمد ديك: ۲۷۰ الخ)

حضرت ابوجندلؓ وابوبصیرؓ کی مظلومیت اور آپ ﷺ کا ایفاء عہد

ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ پہلے حضرت ابوجندل پھر حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہما روتے ہوئے آئے، یہ وہ مسلمان تھے جنہیں مکہ والوں نے بیڑیاں ڈال کر ظلم وستم کی حد کردی تھی، یہ اپیل کرتے ہیں کہ ہمیں رہا کرا دیجئے، آپ ﷺ ان کی آزادی چاہتے تھے، مگر سہیل نے کہا کہ یہ معاہدہ کی دفعہ ۳ر کے خلاف ہے، بالآخر بادل ناخواستہ آپ ﷺ نے ان قیدیوں کو واپس کردیا، اس نازک موقع پر بھی آپ ﷺ نے ایفاء عہد کی مثال قائم کی اور معاہدے کو متأثر نہیں ہونے دیا۔

صحابہ کا اضطراب

ان حضرات کو جاتا دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آب دیدہ ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ اے اللہ کے رسول! آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں نبی برحق ہوں، عرض کیا کہ: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہم حق پر ہیں، عمر بولے: پھر ہم یہ ذلت آمیز معاہدہ کیوں قبول کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں، وہی کرتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے، اللہ میرا عمل ضائع نہیں فرمائے گا۔ حضرت عمر واپس ہو گئے، مگر رہا نہ گیا، تو اسی طرح کے سوالات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کئے اور بالکل رسول اللہ ﷺ کے جوابات سے ملتے جلتے جوابات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی دئے، جو فکر نبوت سے صدیق اکبر کی کامل ہم آہنگی اور بے انتہاء قرب کی دلیل ہیں۔ (بخاری: الشروط)

احرام کھولنا اور قربانی

اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ سب اپنے احرام کھول کر بال منڈوالیں اور قربانی کرلیں، صحابہ پر غم والم کی ایسی کیفیت تھی کہ کوئی نہ اٹھا، آپ ﷺ نے دوبارہ پھر سہ بارہ یہی حکم دیا، صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید اب ہمیں عمرہ کی اجازت مل جائے، عمرہ کئے بغیر واپسی انہیں گوارا نہیں ہو رہی تھی، دوسری طرف معاہدے کی بعض ہتک آمیز یک طرفہ شرطیں انہیں غم زدہ کر رہی تھیں، آپ ﷺ کے لئے صحابہ کا یہ انداز بالکل نیا تجربہ تھا، آپ ﷺ کے چہرے پر افسردگی طاری ہو گئی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ صحابہ صدمے میں ہیں، آپ ﷺ انہیں کچھ کہنے کے بجائے خود اپنی قربانی فرمائیں اور بال منڈوالیں، آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، اب صحابہ سمجھ گئے کہ یہی کرنا ہوگا، سب نے قربانی کی،

بال منڈوائے، اور سب نے مل کر آقا ﷺ کے بال بطور تبرک تقسیم ومحفوظ کر لئے۔ (المغازی للواقدی:۲/۹۹، سبل الهدیٰ والرشاد:۵/۵۶)

صلح حدیبیہ: فتح مبین

صلح کے بعد آپ ﷺ نے ۳/دن قیام فرمایا، پھر واپسی کا سفر شروع ہوا، راستے میں سورۂ فتح کی ابتدائی آیات اتریں، جن میں اس واقعہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کے سامنے یہ آیات سنائیں، اور فرمایا کہ یہ وہ آیات ہیں جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، تو صحابہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا یہ صلح ہی فتح ہے؟ یہ کیسی فتح ہے کہ ہم بیت اللہ جانے سے روک دئے گئے، اور اپنے مظلوم بھائیوں تک کو رہا نہ کرا سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حقیقت میں بہت بڑی فتح ہے، تم کافروں کے گھر تک پہنچ گئے، انہوں نے آئندہ سال عمرہ کی درخواست پر تمہیں واپس جانے پر راضی کیا، خود جنگ بندی کی خواہش ظاہر کی، ان کے دل میں تمہارا بغض بھرا ہوا ہے، مگر اللہ نے تم کو ان پر غلبہ عطا فرمایا، چناں چہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح ہی تھی۔ (پورے واقعہ کی جملہ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری:۵/۲۴۵-۲۵۶، کتاب الشروط)

صلح حدیبیہ کے مبارک ثمرات وپیغامات

غور فرمایئے:

(۱) اس صلح نے دس سال تک کے لئے مشرکین کو پابند کر دیا کہ نہ وہ خود مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے، نہ کسی حملہ آور کی مدد کر سکتے تھے۔

(۲) اس صلح کے نتیجے میں مکہ کے اطراف میں آباد قبیلہ بنی خزاعہ نے مسلمانوں کی حلیفی کا اعلان کیا، جو آگے چل کر فتح مکہ کا باعث بنا، اس طرح دیگر قبائل سے تعلقات قائم کرنے کا حق تحریری طور پر تسلیم کیا گیا۔

(۳) قریش اور یہود میں تفریق پیدا ہوگئی، آپ ﷺ کی اصل منشاء یہی تھی۔

(۴) قریش نے مسلمانوں کی مساوی حیثیت تسلیم کرلی، یہ بہت بڑی سیاسی فتح تھی، نیز قریش کی کعبہ پر اجارہ داری ختم ہوئی اور بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کرالیا گیا۔

(۵) پھر اس صلح نے آگے آنے والے ایام میں اسلام کی دعوت اور تحریک کی توسیع کے لئے پر امن راستہ اور بے خطر ماحول فراہم کیا، منافرت اور کشیدگی دور ہوئی تو قرب بڑھا، احساسِ رواداری پروان چڑھنے لگا، لوگوں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ بعثت نبوی سے اب تک اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان افراد میں حضرت خالد بن الولید بھی ہیں، جنہیں "سیف اللہ" کا لقب ملا، حضرت عمرو بن العاص بھی ہیں، حضرت حاتم بن عدی بھی ہیں، حضرت عثمان بن ابی طلحہ بھی ہیں، حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ ۱۴۰۰ر مسلمان تھے، اس کے صرف دو ہی سال بعد فتح مکہ میں مسلمان دس ہزار سے متجاوز تھے، اور اس کے دو سال بعد حجۃ الوداع میں یہ تعداد سوا لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اشاعت اسلام میں حدیبیہ کی صلح کا یہ وہ عظیم کردار ہے جو پوری امت مسلمہ کو دعوتی فرض کی ادائیگی کے لئے حساس وفکر مند ہونے کا پیغام دیتا ہے۔

نبوت کے آخری چار سالوں میں اسلام کی یہ برق رفتار پیش رفت صلح حدیبیہ کی برکت ہے، افسوس کہ ہم نے یہ سبق بھلا دیا ہے، اور داعی قوم غیروں کی مدعو اور بھکاری بن کر رہ گئی ہے۔

(۶) دنیا کے مختلف سربراہوں کو دعوتی خطوط لکھے گئے، سفارتی مشن پر قاصد وسفیر بھیجے گئے، اس طرح اسلام کا بین الاقوامی دور شروع ہوا۔

(۷) صلح حدیبیہ کا ایک نمایاں سبق یہ ہے کہ امت ہر مرحلۂ زندگی میں جذباتیت پر شعور کو اور جوش پر ہوش کو غالب رکھے، حدیبیہ کے مقام پر بار بار دشمنوں کی طرف سے

جذبات برانگیختہ کرنے والی باتیں آتی تھیں، مگر آپ ﷺ نے صحابہ کو ہر موقع پر قابو میں رکھا اوران کو جذباتیت کی رَو میں بہنے سے روکے رکھا، کسی بھی عظیم مقصد کا حصول اور کسی بھی اعلیٰ تعمیری ہدف تک رسائی اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ انسان اشتعال دلانے والی باتیں نظرانداز کردے اوراپنے شعور کواور ہوش کو جذبات اور جوش پر مقدم رکھے۔

(۸) قائد اعلیٰ کی بہرصورت اطاعت کا سبق بھی یہ واقعہ امت کو دیتا ہے، صلح حدیبیہ کی بعض دفعات مسلمانوں کے لئے خلافِ مزاج؛ بلکہ ناقابل قبول تھیں، مگر قائداعظم ﷺ کا رخ دیکھ کر صحابہ نے نے سر تسلیم خم کردیا تھا، آج یہ وصف امت میں نایاب ہے، کوئی بھی قیادت ماتحتوں کی اطاعت کے بغیر کامیابی کی منزل طے نہیں کرسکتی، اگر امت کا ہر فرد اپنی رائے کو اصل سمجھنے لگے تو امت کا اجتماعی وجود بکھر جائے گا۔

(۹) اس موقع پر مختلف صحابہ کے امتیازی جوہر نکھر کر نمایاں ہوئے، چناں چہ فکر نبوت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کامل ہم آہنگی اور قرب ظاہر ہوا، اوران کا مزاج دانِ نبوت ہونا ثابت ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی کی جرأت کا مظہر سامنے آیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق واحترامِ رسول ﷺ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کمالِ ادب، اور حضرت ام سلمہ کی فراست اوراصابت رائے کے نمونے امت کے سامنے آئے، اور قیامت تک آنے والی امت کو ان کرداروں کے سانچے میں ڈھلنے کا سبق ملا۔

مظلوم مسلمانوں کے مسئلے کا حل

آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، مکہ سے حضرت ابوبصیر کسی طرح بھاگ کر مدینہ آ گئے، قریش نے دو قاصدوں کو لینے مدینہ بھیجا، آپ ﷺ نے وعدہ کے مطابق انہیں واپس بھیج دیا، بالآخر واپس ہوئے، راستے میں ابوبصیر نے ایک کافر کو قتل کردیا، دوسرا کافر بھاگ کھڑا ہوا، اس کے بعد ابوبصیر ساحل سمندر کے قریب مقام ''عیص'' میں مقیم

ہوگئے، ابوجندل اور کچھ اور مسلمان ان سے آملے، اور چھاپہ مار جنگوں کے ذریعہ وہاں سے گذرنے والے ہر مشرک قافلے کا ناطقہ بند کردیا، یہ ایک طرح کی گوریلا جنگ ہوتی تھی، ابوبصیر اس کے بانی ہیں، بالآخر مکہ کی مشرکانہ قیادت پریشان ہوئی اور معاہدے سے یہ دفعہ خارج کردی، جس میں مکہ کے کسی مسلمان کے مدینہ جانے کی صورت میں واپس کئے جانے کی بات تھی، اس طرح وہ دفعہ جو سب سے زیادہ ذلت آمیز سمجھی جاتی تھی خود دشمنوں کے ذریعہ ختم کردی گئی، چناں چہ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو مدینہ بلوایا اور ان کی آرزو پوری ہوئی۔

(بخاری: الشروط،فتح الباری:۵/ الشروط، شرح الزرقانی:۲/۲۰۳ الخ)

حضرت ام حبیبہؓ سے عقد

ذی الحجہ ۶ ؍ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے عقد فرمایا، یہ سردار قریش ابوسفیان کی بیٹی تھیں، حبشہ ہجرت کے بعد غریب الوطنی کے عالم میں ان کے سابق شوہر کا انتقال ہوگیا تھا، شاہِ حبشہ نجاشی کی وساطت سے آپ ﷺ نے ان سے عقد فرمایا، نجاشی نے کمال احترام سے انہیں مدینہ روانہ کیا۔ (الاکمال فی اسماء الرجال: للخطیب التبریزی: ترجمة ام حبیبة، پیغمبر اعظم وآخر: ڈاکٹر نصیراحمد ناصر:۵۸۵)

سلاطین عالم کو دعوتی خطوط

چوں کہ اللہ رب العالمین نے اپنے آخری رسول ﷺ کو ''رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِیْنَ'' (سارے جہان کے لئے رحمت) قرآنِ مجید کو ''ذِکْرٌ لِلْعَالَمِیْنَ'' (پوری دنیا کے لئے نصیحت نامہ) بنایا ہے۔ (سورة الانبیاء:۱۰۷، سورة التکویر:۲۷)

آپ ﷺ کی بعثت بعثت عامہ ہے، اس لئے اب وہ وقت آچکا تھا کہ اسلامی تحریک اپنے اس سفر میں بین الاقوامی مرحلے میں داخل ہوجائے، ۶ ؍ہجری کے اخیر میں حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ:

اے لوگو! اللہ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے، دیکھو تم عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا، اٹھو اور میری طرف سے پیغامِ حق پہنچا دو۔ (تاریخ طبری: ۳٤٦/۱)

اس کے بعد آپ ﷺ نے دنیا کے مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط لکھ کر روانہ فرمائے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر مہر بنانے کا مشورہ دیا، اور عرض کیا کہ: سلاطین مہر کے بغیر خط کو معتبر نہیں سمجھتے، اس پر آپ ﷺ نے چاندی کی انگشتری تیار کرائی، اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، جس میں ۳؍سطروں میں ''محمد رسول اللہ'' اس طرح کندہ تھا کہ ''اللہ'' سب سے اوپر، درمیان میں ''رسول'' اور ''محمد'' سب سے نیچے تحریر تھا۔ (بخاری: العلم: باب ما یذکر فی المناولة) تمام مکاتیب میں یہ مہر استعمال ہوئی۔

یہ خطوط صرف عرب کے قریب کے حکمرانوں قیصر و کسریٰ اور نجاشی تک ہی نہیں پہنچے؛ بلکہ شاہِ چین کو بھی آپ ﷺ نے خط بھیجا، اور ان مساعی کے نتیجہ میں جزیرۃ العرب کے متعدد قبائل حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، خود شاہ حبش نجاشی مشرف باسلام ہوئے۔

یہ خطوط ذی الحجہ ٦ ؍ہجری کے اواخر اور محرم ۷ ؍ہجری کے اوائل میں تحریر کئے گئے، اور قاصدوں کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ (سیرت احمد مجتبی: ۸۱/۳ بحوالہ ابن اسعد)

خط بنام نجاشی

(۱) روایات میں آتا ہے کہ شاہِ حبش نجاشی (اصحمہ) کے پاس یہ گرامی نامہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پہنچا، انہوں نے بے حد اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، جواب میں اپنے قبولِ اسلام کا ذکر کیا اور بیش قیمت تحائف بھیجے، آپ ﷺ نے ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے، اور ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ (البدایة والنهایة: ٦٥٥:٤، مشکوۃ المصابیح: الجنائز: باب الصلوۃ علی المیت)

خط بنام مقوقس

(۲) مصر کے فرماں روا مقوقس کے نام مکتوبِ نبوت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے بدست بھیجا گیا، اس نے خط کا بہت احترام کیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں دو باندیاں بھیجیں، ایک باندی حضرت ماریہ قبطیہ تھیں، جنہیں آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھا اور آپ ﷺ کے تیسرے فرزند حضرت ابراہیم انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے، اور دوسری باندی ''سیرین'' تھیں، جو آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کے حوالے کر دی۔(البداية والنهاية: ٤/٦٦٥)

خط بنام کسریٰ

(۳) اس دور کی سپر پاور ''ایران'' (فارس) کے مطلق العنان بادشاہ کسریٰ (خسرو پرویز) کے نام آپ ﷺ کا دعوتی مکتوب حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی لے کر پہنچے، اس نے بڑی نخوت کا معاملہ کیا، خط میں سنت کے مطابق مکتوب الیہ (کسریٰ) سے پہلے کاتب (محمد ﷺ) کا نام دیکھ کر بولا کہ اچھا! ان کی یہ جرأت کہ میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھ دیا، غصہ میں خط فوراً پھاڑ کر پھینک دیا۔

آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح اس نے میرے خط کے ٹکڑے کئے ہیں، اللہ اس کی حکومت کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے، آپ ﷺ کی یہ بددعا قبول ہوئی اور کچھ ہی عرصے میں اس کی حکومت کا نام ونشان مٹتا چلا گیا۔ (بخاری: العلم: باب ما يذكر في المناولة)

کسریٰ نے اپنے ماتحت یمن کے گورنر باذان کو حکم دیا کہ محمد ﷺ کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، باذان نے اپنے دو اہلکار اس کام کے لئے مدینہ بھیجے، آپ ﷺ نے ان دونوں سے کہا کہ واپس چلے جاؤ، کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے، چناں چہ وہ دونوں یمن پہنچے تو تصدیق ہو گئی کہ خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔(فتح الباری:۸/۱۲۷ الخ)

خط بنام ہوذہ

(۴) یمامہ کے حاکم ''ہوذہ'' کے نام آپ ﷺ نے اپنا مکتوب حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا، اس نے بہت عزت واحترام کا رویہ اپنایا۔(زاد المعاد:۳/۶۳)

خط بنام حارث

(۵) حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دعوتی مکتوب حاکم دمشق ''حارث بن ابی شمر غسانی'' کے پاس لے کر پہنچے، اس نے کہا کہ میں خود محمد ﷺ پر یلغار کرنے والا ہوں، میری بادشاہت کون چھین سکتا ہے؟(الرحیق المختوم:۵۶۲)

خط بنام جیفر وعبد

(۶) عمان کے بادشاہ ''جیفر'' اور اس کے بھائی ''عبد'' کے نام آپ ﷺ نے خط لکھوایا، اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا، ان دونوں بھائیوں کی حضرت عمرو سے مختلف مرحلوں میں طویل گفتگو ہوئی، بالآخر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔(زاد المعاد: ۳/۶۲، الرحیق المختوم:۵۶۲)

خط بنام منذر

(۷) بحرین کے حاکم ''منذر بن ساویٰ'' کے نام آپ ﷺ کا گرامی نامہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا، اس نے بہت اکرام اور حسن سلوک کا برتاؤ کیا، اور آپ ﷺ کو بڑے ادب کے ساتھ جواب لکھا۔(زاد المعاد: ۳/۶۱، الرحیق المختوم: ۵۶۰)

خط بنام قیصر

(۸) سپر پاور روم کے فرماں روا قیصر (ہرقل) کے نام آپ ﷺ نے اپنا مکتوب

حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا، آپ ﷺ نے اسے قبول اسلام کا حکم دیتے ہوئے آگاہی بھی دی کہ تم ہمارے اور اپنے درمیان قدر مشترک کلمہ توحید کو بصدق دل قبول کرلو، ورنہ سب کی گمراہی کا وبال تم پر ہوگا، یہ خط بیت المقدس میں اس کے پاس آیا، اس نے عرب کے کسی تجارتی قافلے کی تلاش کرائی؛ تاکہ آپ ﷺ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر سکے، ابوسفیان (اس وقت کافروں کے سردار) اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ اسی علاقے میں تھے، انہیں ہرقل کے دربار میں لایا گیا، ہرقل نے ان سے ۱۱/سوالات کئے، ابوسفیان نے جواب دئے، پھر ہرقل نے ہر جواب پر ایسا نپا تلا تبصرہ کیا جو بجائے خود اس کی مذہبی وتاریخی معلومات اور ذہانت کا ثبوت ہے۔

(۱) ہرقل نے پوچھا: اس مدعیٔ نبوت کا نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان بولے: بہت اعلیٰ واشرف۔

(۲) ہرقل نے پوچھا: کیا ان کے خاندان میں پہلے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان بولے: نہیں۔

(۳) ہرقل نے پوچھا: ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان بولے: نہیں۔

(۴) ہرقل نے پوچھا: ان کے پیروکار قوم کے ذی وجاہت لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟

ابوسفیان بوے: کمزور لوگ۔

(۵) ہرقل نے پوچھا: ان کے پیروؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟

ابوسفیان بولے: بڑھ رہی ہے۔

(۶) ہرقل نے پوچھا: کیا ان کے دین میں داخل ہوکر دین سے متنفر ہوکر کوئی پھرا ہے؟

ابوسفیان بولے: نہیں۔

(۷) ہرقل نے پوچھا: کیا ان پر کبھی جھوٹ کا الزام لگا ہے؟ ا

ابوسفیان بولے: نہیں۔

(۸) ہرقل نے پوچھا: کیا انہوں نے عہد شکنی کی ہے؟

ابوسفیان بولے: اب تک تو ایسا نہیں ہوا، ہاں اب ہمارا ان سے ایک معاہدہ ہوا ہے، دیکھئے وہ کیا کرتے ہیں؟

(۹) ہرقل نے پوچھا: تمہارا ان سے قتال ہوا ہے؟

ابوسفیان بولے: ہاں۔

(۱۰) ہرقل نے پوچھا: لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان بولے: کنویں میں ڈول کی طرح، کبھی وہ غالب، کبھی ہم غالب۔

(۱۱) ہرقل نے پوچھا: ان کا حکم اور تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان بولے: توحید، شرک سے بچنا، نماز، راستی، پاک دامنی، صلح رحمی وغیرہ۔

ہرقل ان جوابات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں نے نسب پوچھا کیوں کہ نبی کا نسب قوم میں سب سے عالی ہوا کرتا ہے۔

خاندان میں سے کسی نے دعوائے نبوت کیا ہوتا تو سمجھا جا سکتا تھا کہ یہ اس کی نقل کر رہے ہیں۔

خاندان میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ نبوت کے بہانے بادشاہت مقصود ہے۔

ہر نبی کے پیروکار ابتداء میں کم زور لوگ ہی ہوتے ہیں اور پھر ان کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

ایمان جب دل کی گہرائی میں اتر جاتا ہے، تو کوئی اس سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔

اللہ کا نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

نہ ہی کبھی عہد شکنی کرتا ہے۔

ان کی تعلیم تم نے مجھے سنائی، یادرکھو جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو ایک روز وہ اس خطۂ زمین کے مالک ہوں گے جہاں اب میرے پاؤں ہیں، کاش میں ان کے پاس حاضر ہوتا اور ان کے پیر دھوتا۔(بخاری شریف، کتاب الوحی)

اس تبصرے سے ابوسفیان کو یقین سا ہو گیا تھا کہ محمد عربی ﷺ عنقریب غالب ہو کر رہیں گے، اور کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک پائے گی۔

ہرقل نے آپ ﷺ سے عقیدت کا اظہار کیا، مگر وہ قبول اسلام نہ کرسکا، اس نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ آپ ﷺ کا یہ خط روم کے اسقف اعظم (سب سے بڑے پادری) ضغاطر کے پاس بھی بھیجا، اس اسقف نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور اعلان کردیا، مگر اس کی قوم اس پر ٹوٹ پڑی، اور سنگ باری کر کے اسے مار ڈالا، ہرقل پر بھی یہی خوف طاری ہوا، اس سے پہلے وہ اپنے درباریوں کو جمع کر کے ان کے جذبات کا اندازہ کر چکا تھا، اس نے بند محل میں درباریوں کو جمع کر کے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی، مگر درباری بدل گئے تھے، اس پر اس نے داؤں بدلا تھا اور کہا تھا کہ میں تو تم کو آزما رہا تھا کہ تم اپنے مذہب میں کس درجہ مضبوط ہو؟ گمراہی میں ڈوبے درباری اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے تھے، بالآخر ہرقل کے مقدر میں ایمان سے محرومی تھی، اسے یہ اعزاز نہیں مل سکا کہ وہ دامن اسلام میں داخل ہو سکے اور سلامتی کا حق دار بن جائے۔(کشف الباری:شرح بخاری: ۱/ حدیث ھرقل)

یہ آپ ﷺ کے چند نامہائے مبارک تھے، ان کے علاوہ آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف افراد اور حکام کے نام خطوط تحریر فرمائے ہیں، اور ان کے ذریعہ اسلام کا پیغام دور دور تک پہنچا اور حلقہ بڑھتا چلا گیا۔

ہجرت کا ساتواں سال

غزوہ خیبر

صلح حدیبیہ کے بعد اللہ عزوجل نے وحی الٰہی میں ''فتح خیبر'' کی بشارت دے دی تھی، فرمایا تھا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ. (الفتح/ ۲۰)

اللہ نے تم سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے جو تم حاصل کرو گے، اب فوری طور اس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے۔

اور یہ بھی طے کر دیا تھا کہ غزوۂ خیبر میں صرف شرکاء بیعت رضوان ہی شریک ہوسکیں گے، آپ ﷺ کو ہدایت تھی کہ منافقین اور وہ ضعیف الایمان جو حدیبیہ میں نہیں تھے، وہ خیبر جانے کی اجازت چاہیں گے، مگر آپ ﷺ کی طرف سے انہیں اجازت نہیں ملنی چاہئے۔

(المغازی: للواقدی: ۳۱۱)

حدیبیہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کو اطلاع ملتی ہے کہ خیبر کے یہودی بنوغطفان کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کی پیش قدمی روکنے اور سرکوبی کے لئے محرم ۷ھ ہجری میں ایک لشکر ترتیب دیا، جس میں صرف شرکاء حدیبیہ کو شامل فرمایا، ۱۴۰۰ مجاہدین کا لشکر پورے جوشِ ایمانی کے ساتھ آگے بڑھا، شرکاء میں حضرت عامر بن اکوع بھی تھے، ان کا جذبہ بہت نمایاں تھا، رجزیہ اشعار ان کی زبان پر تھے، آپ ﷺ نے

ان کے اشعار سن کر ان کے لئے دعاء مغفرت ورحمت فرمائی، آپ ﷺ کے مزاج شناس صحابہ نے اس دعا کا مفہوم حضرت عامر کی شہادت سمجھا، بالآخر ایسا ہی ہوا۔ (مسلم: الجهاد: غزوة ذی قردو غیرها)

خیبر کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الأَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا أَضْلَلْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا.

اے اللہ: ساتوں آسمانوں کے رب اور ان تمام چیزوں کے رب جن پر آسمان سایہ فگن ہیں، ساتوں زمینوں کے رب اور ان تمام چیزوں کے رب جن کو زمینیں سمیٹے ہوئے ہیں، شیطانوں کے رب اور ان تمام کے رب جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں، ہم آپ سے اس بستی، یہاں کے رہنے والوں اور یہاں موجود تمام چیزوں کا خیر مانگتے ہیں اور اس بستی، یہاں کے رہنے والوں اور یہاں موجود تمام چیزوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(ابن هشام: ۳۲۹/۲)

آپ ﷺ صبح کے وقت خیبر پر حملہ آور ہوئے، دشمنوں نے اچانک آپ ﷺ کو دیکھ کر شور مچایا:

مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ وَالْخَمِيْسَ.

بخدا یہ تو محمد اور ان کا لشکر آ پہنچا۔

آپ ﷺ نے زور سے نعرہ لگایا:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ. (بخاری:الجهاد:باب دعاء النبی الی الاسلام الخ)

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، خیبر برباد ہو گیا، ہم جب بھی کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بری ہوتی ہے۔

خیبر میں سات یا دس قلعے تھے، یہودی ان میں نظر بند ہو گئے، آپ ﷺ ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا، وہاں عارضی نمازگاہ بنائی گئی، پھر محاصرہ کی ترتیب بنائی گئی، اس طرح تسبیح ومناجات اور تکبیر و جہاد دونوں کو جمع کیا گیا، قلعے ایک ایک کر کے فتح ہوتے رہے۔

قلعہ قموص کی فتح

سب سے مستحکم قلعہ ''قموص'' تھا، اس کا محاصرہ کئی دنوں سے تھا، مگر وہ قابو میں نہیں آرہا تھا، صحابہ میں اضطراب تھا، آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

لَأُعْطِيَنَّ الرَّأْيَةَ غَداً رَجُلاً يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ.

کل صبح میں فوج کا جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ و رسول کا عاشق بھی ہوگا اور محبوب بھی ہوگا، اسی کے ہاتھوں فتح ہوگی۔

یہ مقام بہت بڑا اعزاز تھا، جو عطا ہونے والا تھا، ہر صحابی اس کی تمنا میں تھا، حضرت عمر کا بیان ہے کہ:

مجھے کبھی منصب کی آرزو نہیں ہوئی، مگر اس اعزاز کی وجہ سے اس دن مجھے یہ آرزو ہوئی کہ مجھے یہ منصب عطا ہو۔

بالآخر صبح ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پکارا، معلوم ہوا کہ وہ یہاں

موجود نہیں ہیں، آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں، انہیں بلایا گیا، آئے، آقا ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا، معجزہ ظاہر ہوا، درد فوراً ختم ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں علم دیا، فتح کی بشارت سنائی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ حملہ سے پہلے دعوت حق ضرور دینا:

فَلأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ. (بخاري:المغازي: غزوة خيبر)

اگر اللہ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اس جملہ سے دعوت دین کی اہمیت اور اولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ سبق ملتا ہے کہ امن و جنگ، نارمل و ایمرجنسی ہر حال میں امت کو محرومِ ایمان لوگوں میں دعوت کا فرض پورا کرنا چاہئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم لے کر بڑھے، مقابلے میں مشہور سردار پہلوان مرحب دندناتا ہوا آیا، اور یہ شعر پڑھا:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیار پوش بہادر و تجربہ کار۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس کے جواب میں آگے آئے، حضرت علی کی زبان پر یہ شعر تھا:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِى أُمِّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں جنگل کے شیر کی طرح خوفناک ہوں۔

یہ کہہ کر مرحب کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ گردن الگ ہوگئی۔(مسلم:الجهاد: غزوة ذی قردو غیرھا)

تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ قلعہ قموص فتح ہوگیا، اس طرح مسلمانوں کو فتح خیبر کی نعمت حاصل ہوئی، خیبر کا محاصرہ ایک ماہ جاری رہا، ۹۳؍یہودی ہلاک اور ۱۵؍مسلمان شہید ہوئے۔(فتوح البلدان:للبلاذری:٤٨، الرحيق المختوم:٥٨٩)

یہودیوں کی التجا

یہودیوں نے آپ ﷺ سے منت سماجت کی کہ ان کی جان بخشی کردی جائے، جلاوطن نہ کیا جائے، آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ خیبر یہودیوں کے قبضے میں رہے گا اور وہ بطور خراج خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ مدینہ کو ادا کریں گے، اس جنگ میں بے شمار اموالِ غنیمت مسلمانوں کے حصہ میں آئے۔(بخاری: المغازی: باب معاملة النبی اهل خيبر، الرحيق المختوم:٥٨٥، زاد المعاد:٢/١٣٧ الخ)

حضرت صفیہؓ سے نکاح

خیبر کے قلعے ''بنوالحقیق'' سے وہاں کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ گرفتار ہوئی تھیں، یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، صحابہ نے عرض کیا کہ یہ یہودی سردار کی بیٹی ہیں، مناسب یہ ہے کہ انہیں آپ اپنے حصہ میں رکھیں، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کرکے اپنے عقد میں لیا۔(بخاری:الصلوة: باب ما يذكر فی الفخذ)

خیبر سے واپسی پر دورانِ سفر آپ ﷺ نے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا، انہوں نے چند روز قبل خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں آگیا ہے، شوہر سے ذکر کیا تھا تو اس نے طمانچہ رسید کیا اور بولا کہ تم بادشاہِ یثرب کی تمنا کرتی ہو، اس خواب کی تعبیر یہ ظاہر ہوئی کہ آپ ﷺ

نے انہیں اپنے حرم میں شامل فرمایا۔(سیرت ابن هشام:۳/۳۵۱،البداية و النهاية:٤/٤١٥الخ)

حضرت جعفرؓ کی آمد

فتح خیبر کے بعد مہاجرین حبش کا قافلہ حضرت جعفر کی قیادت میں خیبر آ پہنچا، ان کے ہمراہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ ﷺ نے ان کی آمد پر بے انتہا مسرت محسوس کی اور یہاں تک فرمایا کہ:

بخدا! میں نہیں جانتا کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کی آمد کی۔(زاد المعاد:۲/۱۳۹، السنن الکبری:للبیهقی:۷/۱۰۱)

پھر آپ ﷺ نے ان سب کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔(فتح الباری:۷/٤٨٤)

حضرت ابوہریرہؓ کی حاضری

اسی دوران حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے، پھر آخر تک آپ ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہے، اور دنیا نے دیکھا کہ احادیث رسول ﷺ کے سب سے بڑے ناقل وہی بنے اور ۵۳۷۴ حدیثیں ان کی سند سے امت کو ملیں۔ (بخاری: المغازی: باب غزوة خیبر، کشف الباری:۲/ کتاب الایمان)

زہر خورانی کا واقعہ

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے چند دن خیبر میں قیام فرمایا، ایک رات یہودی ''سلام بن مشکم'' کی بیوی ''زینب بنت حارث'' نے آپ ﷺ کے پاس بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا، یہ زہر آلود بکری تھی، آپ ﷺ نے پہلا لقمہ کھاتے ہی زہر محسوس کرلیا، فوراً اگل دیا، کھانے میں آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت بشر بن براء بھی شریک تھے، انہوں نے ایک لقمہ حلق سے نیچے اتارلیا تھا، اس زہر کی وجہ سے ان کی موت ہوگئی، اس کے بعد آپ ﷺ نے رؤساء یہود کو

طلب کیا، فرمایا کہ تم نے زہر ملایا ہے؟ یہود بولے: ہاں ملایا ہے، آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں؟ یہودی بولے: ہم نے سوچا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو زہر آپ پر اثر انداز نہ ہوگا، اور آپ جھوٹے ہوں گے تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی، اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا، اس نے بھی اقرارِ جرم کرلیا۔

آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا، چناں چہ آپ ﷺ نے اس عورت کو معاف کردیا، مگر بعد میں حضرت بشر کے انتقال پر ان کے ورثہ نے اسے قصاصاً قتل کیا۔ (البداية النهاية:٤/٢٢٤، ابو داؤد، الديات: باب في من سقى رجلاً سماً او اطعمه)

فدک کی فتح

فتح خیبر کے بعد قریبی علاقہ ''فدک'' کے یہود نے مرعوب ہو کر اہل خیبر کی طرح فدک کی نصف پیداوار دینے کا معاہدہ کیا، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا، یہ آمدنی ''مال فئ'' کا درجہ رکھتی تھی اور آپ ﷺ کی ازواج واولاد واقارب نیز ضرورت مندوں کی ضروریات پر صرف ہوتی تھی۔ (سیرت ابن هشام:٢/٣٣٧و٣٥٣)

وادی القریٰ اور تیماء کی فتح

اسی طرح ''وادی القریٰ'' (موجودہ نام العلا) کے یہودیوں نے شروع میں جنگی کارروائی کرنے کے بعد بالآخر ہتھیار ڈال دیئے، اور اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ہاتھوں اسے فتح کرادیا۔ (المغازی:للواقدی:٢/١٦٧ الخ)

اس کے بعد مقام ''تیماء'' کے یہودیوں نے بھی پر امن مصالحت کرلی۔ (زاد المعاد:٢/١٤٧)

ایک دیہاتی کا ایمان افروز واقعہ

معرکہ خیبر کے ایمان افروز حالات میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک دیہاتی اسی دوران حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہے، پہلے قلعے کی فتح کے بعد مالِ غنیمت میں اس کو بھی حصہ دیا جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ میں اس لالچ میں اسلام نہیں لایا تھا، پھر وہ اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ میرے یہاں دشمن کا تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں پہنچ جاؤں، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کرے گا، دوبارہ معرکہ شروع ہوتا ہے، تو اللہ نے اس کی آرزو پوری کردی ہے، آپ ﷺ کے سامنے اس کا لاشہ آتا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، پھر اپنا جبہ مبارک کفن کے لئے دیتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، اور دست دعا بلند کرکے فرماتے ہیں کہ اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیری راہ میں ہجرت کے لئے نکلا، تیری راہ میں شہید ہوا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔(زاد المعاد: ۱/۳۹٤)

اس دیہاتی کی خوش نصیبی کا کیا عالم ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں دست دعا دراز کرکے اس کے اخلاص کی گواہی دی ہے۔

فتح خیبر کی برکت

خیبر کی فتح معاشی نقطہ نظر سے بھی بہت دور رس نتائج کی حامل ہے، اس کے بعد طاقت کا پلڑا مسلمانوں کے حق میں جھک گیا اور عرب کی سیاست میں سب سے بڑی طاقت مسلمانوں کو حاصل ہوگئی۔

لیلۃ التعریس

اسی سفر سے واپسی میں رات بھر چلتے رہنے کے بعد اخیر شب ایک مقام پر قیام ہوا،

قافلہ سو گیا، فجر میں جگانے کی ذمہ داری حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے لی، مگر ان کی بھی آنکھ لگ گئی، سورج نکل آیا، دھوپ پڑی تو آپ ﷺ اٹھے، نماز قضاء ہوگئی، پھر اجتماعی طور پر اذان واقامت کے بعد نماز فجر آپ ﷺ کی امامت میں قضا کی گئی، یہ رات ''لیلۃ التعریس'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ (زاد المعاد: ۱۴۷/۲ الخ)

عمرۃ القضاء

ذی قعدہ ۷ھ ہجری کا ایک اہم واقعہ ''عمرۃ القضاء'' ہے، ۶ھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر آپ ﷺ اور صحابہ کو عمرہ سے روک دیا گیا تھا اور معاہدے میں آئندہ سال قضا کی بات آئی تھی، عمرہ کی قضا کے لئے آپ ﷺ ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں تقریباً دو ہزار صحابہ کے ساتھ عمرہ کے سفر پر تشریف لے گئے، قریش نے شہر خالی کر دیا تھا، آپ ﷺ نے عمرہ فرمایا، قریش دور سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے معاہدے کے مطابق ۳ر دن قیام فرمایا، چوتھے دن مشرکوں نے کہلوایا کہ مدت پوری ہوچکی ہے، آپ ﷺ نے واپسی فرمائی۔ (بخاری: المغازی: باب عمرۃ القضاء)

یہ سفر ایک خاموش دعوتی مشن بھی تھا، کفار نے خاموشی سے آپ ﷺ اور صحابہ کے اخلاق، سیرت، کردار واطوار، ان کے باہمی وحدت واجتماعیت، مساوات واخوت اور زہد وتقویٰ کے اوصاف اور اس دین برحق کے فطری احکام کا مشاہدہ ومعائنہ بغور کیا، جس نے دلوں اور دماغوں میں اسلام کی حقانیت کی تخم ریزی کی، دوسری طرف مسلمانوں کی قوت وشوکت نے ان کے دلوں میں رعب وہیبت بھی پیدا کردی، اس سفر میں آپ ﷺ چاہتے تو مکہ پر قبضہ کر لیتے مگر آپ ﷺ نے عہد کی پاس داری فرمائی۔

حضرت میمونہؓ سے عقد

اسی سفر میں آپ ﷺ نے حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے عقد فرمایا، یہ

آپ ﷺ کے عقد میں آنے والی آخری خاتون ہیں، ان کے بعد آپ ﷺ نے کسی اور خاتون سے عقد نہیں فرمایا۔ (جوامع السیرۃ: لابن حزم:۲۳۶، سیرالصحابۃ:۸۷/۶)

غزوہ ذات الرقاع

مشہور قول کے مطابق اسی سال غزوۂ ذات الرقاع پیش آیا، یہ غزوہ موقع بموقع لوٹ مار، ڈکیتی، قتل کرنے اور شورش پھیلانے والے صحرائی بدؤوں (جو غطفانی قبائل کے زیر اثر تھے) کی سرکوبی اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے ہوا، آپ ﷺ ۴۰۰ر صحابہ کے ساتھ سفر جہاد پر نکلے۔ (سیرت ابن ہشام:۲۱۳/۳، المغازی للواقدی:۳۳۳/۱)

پیدل چلنے کی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں پھٹ گئے تھے، ایڑیاں چھل گئی تھیں، بعض کے ناخن تک گر گئے تھے، صحابہ نے ان پر پٹیاں باندھ لی تھیں، اس لئے اس کا نام ''ذات الرقاع'' (چیتھڑوں والی لڑائی) ہوگیا، اس معرکہ میں ایک موقع پر دشمن کا سامنا ہوا، مگر جنگ نہیں ہوئی، اسی موقع پر ''صلوٰۃ الخوف'' مشروع ہوئی۔ (بخاری:المغازی: باب غزوۃ ذات الرقاع)

مقصد حاصل ہو چکا تھا اور دشمن مرعوب ہو چکا تھا، آپ ﷺ واپس ہوئے، راستے میں ایک جگہ رات کا قیام ہوا، دشمن کے خطرات تھے، دو پہرے دار متعین ہوئے: (۱) عباد بن بشر (۲) عمار بن یاسر، حضرت عباد اپنی باری میں تہجد ادا کرنے لگے، سورۂ یوسف کی تلاوت فرما رہے تھے؛ تاک کر دشمن نے تیر مارا، کئی تیر لگے، خون بہہ پڑا، مگر نماز و تلاوت کی لذت و کیف نے عباد کو نماز نہ توڑنے دیا، حضرت عمار بن یاسر نے اٹھ کر دیکھا تو مرہم پٹی کی۔ (زاد المعاد:۱۱۲/۲ الخ)

ہجرت کا آٹھواں سال

اب ہم ہجرت کے آٹھویں سال میں ہیں، سیرتِ نبویہ میں یہ سال بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

غزوہ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں غزوۂ موتہ پیش آیا ہے، آپ ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ گرامی نامۂ نبوت لے کر حاکم بصریٰ کے پاس جا رہے ہیں، حاکم بصریٰ شرحبیل غسانی نے سفارتی آداب کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت حارث کو قتل کر دیا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۱/ ٤٢٢)

یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، دوسرے ذرائع سے آپ ﷺ کو یہ اطلاع بھی ملی کہ یہ دشمنانِ اسلام مدینہ پر حملے کے لئے بھاری جمعیت بھی اکٹھا اور منظّم کر رہے ہیں، بالآخر آپ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا، آپ ﷺ کو بخوبی علم تھا کہ اس معرکے میں ہزاروں کی فوج کا مقابلہ لاکھوں سے ہوگا، لیکن آپ ﷺ نے عزیمت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ۳؍ ہزار افراد کا لشکر منتخب کیا۔ (فتح الباری: ۷/ ٥١١)

اور اپنے انتہائی قریب وعزیز افراد کو قائد بنایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

سپہ سالار زید بن حارثہ رہیں گے، اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے، وہ بھی شہید ہو جائیں تو جس کو چاہو امیر بنالینا۔ (بخاری: المغازی: باب غزوة موتة)

اس فرمان سے تمام حاضرین نے سمجھ لیا تھا کہ اس معرکے میں ان تینوں صحابہ کو شہادت کا اعزاز حاصل ہوگا۔

حیات نبوی ﷺ میں یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ نے کسی معرکے کے لئے تین سپہ سالار منتخب فرمائے اور ان کی ترتیبِ قیادت طے فرمادی، یہ انتخاب وترتیب بجائے خود صورتِ حال کی ہول نا کی اور حساسیت کی علامت تھی۔

بہرحال یہ لشکر روانہ ہوا، طویل مسافت طے کرکے جب لشکر اردن کے علاقے میں مقام ''معان'' پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ کی فوج مقابلے کے لئے آرہی ہے، اور مزید ''ہرقل'' نے ایک لاکھ کی کمک اور بھیجی ہے، گویا تین ہزار افراد پر مشتمل اسلامی فوج کو دشمن کی دولاکھ نفری سے مقابلہ درپیش ہے، چناں چہ مسلمانوں نے اس صورتِ حال پر غور کیا، طے ہورہا تھا کہ آگے بڑھنے سے قبل یہ پوری کیفیت مدینہ منورہ لکھ کر بھیج دی جائے، اور حکم نبوی ﷺ کا انتظار کیا جائے؛ لیکن شاعر اسلام حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اس موقع پر انتہائی ولولہ انگیز خطاب کیا، اور فرمایا کہ:

> مسلمانو! کس بات سے ڈرتے ہو؟ ہم تو شوقِ شہادت میں نکلے ہیں، منزل سامنے ہے، ہم کبھی تعداد کے بل پر اور اسلحہ کے بھروسے پر نہیں لڑتے، ہم تو دین حق کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں، دو میں سے ایک سعادت ہماری منتظر ہے، فتح یا شہادت۔ (السیرة النبویة الصحیحة، د/اکرم ضیاء العمری: ۲/۴٦۸)

یہ خطاب سن کر پورا مجمع جہاد کے لئے چل پڑا، اب مقابلہ شروع ہوگیا، ایک طرف ۳ر ہزار ایمان وتوکل کے سرمائے سے مالا مال نفوسِ قدسیہ ہیں، دوسری طرف دولاکھ کا لشکر جرار، گھمسان کی لڑائی ہورہی ہے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے ہیں، علم حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے لیا ہے، وہ مردانہ وار مقابلہ کررہے ہیں، دشمنوں نے ان کا

دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے، انہوں نے علم بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا ہے، حریف نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا ہے، تو حضرت جعفر نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم نبوی کو سینے سے لگا لیا ہے، پھر کسی دشمن نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ جسم کو دو ٹکڑوں میں کاٹ دیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم پر ۹۰ رسے زائد زخم شمار کیئے گئے ہیں۔(سیرت ابن هشام: ٤/ ٢٠، بخاری: المغازی: باب غزوة موتة)

اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آیا ہے، بالآخر انہوں نے بھی جام شہادت نوش کرلیا ہے، اس کے بعد ہنگامی حالات میں حضرت خالد بن الولید کو کمانڈر منتخب کیا گیا اور علم ان کے ہاتھ میں آیا، انہوں نے نئی ترتیب، صف بندی اور جنگی حکمت عملی سے دشمنوں کے نرغے سے اسلامی فوج کو باہر نکال لیا، اس دن دشمنوں کے خلاف حملے میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے ۹ رتلواریں توڑ ڈالیں۔(بخاری: المغازی: باب غزوة موتة)

اور حکمت سے دشمنوں کو ہر ممکن نقصان پہنچا کر اور ان پر دھاک جما کر بحفاظت لشکر اسلامی کو واپس لے آئے۔

زبان نبوت سے مدینے میں میدان جنگ کی منظر کشی

اسی غزوہ کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اُدھر موتہ کے میدان میں گھمسان کا رن ہو رہا ہے، اِدھر مسجد نبوی میں دیوار قبلہ پر آپ ﷺ کے سامنے پوری جنگ کا منظر دکھایا جا رہا ہے، گویا فاصلوں کے حجابات ہٹا دئے گئے ہیں، آپ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہیں، اور آپ ﷺ صحابہ کو بتا رہے ہیں کہ زید شہید ہو گئے ہیں، جعفر نے علم لیا ہے، وہ بھی لڑتے لڑتے اپنے رب سے جا ملے ہیں، اللہ نے انہیں جنت میں اڑنے کے لئے دو پر اور بازو عطا کر دئے ہیں، اسی لئے ان کو "ذُوُ الْجَنَاحَیْن" (دو بازوؤں والا) اور "طَیَّارُ" (اڑنے والا) کہا جاتا ہے،

اب علم عبد اللہ بن رواحہ نے لیا ہے، انہوں نے بھی جام شہادت نوش کرلیا ہے، اب علم ''سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) خالد بن ولید نے لے لیا ہے، اور ایسی جنگ لڑی ہے کہ اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ (بخاری: المغازی: باب غزوۃ موتۃ، الخصائص للسیوطی: ۱/ ۲۶۰)

آپ ﷺ کو اپنے ان قریبی صحابہ کی شہادت کا بے حد صدمہ تھا۔

آپ ﷺ کا حوصلہ بڑھانے کا انداز

معرکہ موتہ کے مجاہدین کا آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر استقبال کیا اور کچھ جوشیلے افراد سے ان مجاہدین کے بارے میں ''فَرَّارُوْنَ'' (بھاگ آنے والے) کا لفظ سن کر آپ ﷺ نے ''لَا بَلْ کَرَّارُوْنَ'' (یہ بھاگنے والے نہیں، بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں) فرمایا۔ (طبقات: ۱/ ۴۲۳ الخ)

شہداء کے پسماندگان کو آپ ﷺ نے تسلی دی۔

جنگ موتہ کا اثر

اس جنگ نے رومیوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھادی، اور دوسری طرف تمام عرب انگشت بدنداں رہ گئے، رومی اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑی قوت تھے، ان سے مسلمانوں کا ٹکرا جانا محیر العقول کام تھا، پھر اسی معرکے سے رومیوں کے ساتھ خوں ریز مقابلہ شروع ہوا، جو آگے چل کر رومی ممالک کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اب ہم اس مجلس کی آخری منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں، تاریخ اسلامی میں ''فتح مکہ'' کا واقعہ بے انتہا اہمیت کا حامل اور فکر انگیز واقعہ ہے۔

مشرکین کی عہد شکنی

حدیبیہ کے معاہدہ نامے کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ عرب کے جو قبائل مسلمانوں سے اتحاد کرنا چاہیں کر لیں، اور جو قریش کے ساتھ شامل ہونا چاہیں شامل ہو جائیں، چناں چہ قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگ مسلمانوں کے اتحادی بن گئے اور قبیلہ بنوبکر قریش کے ساتھ رہا۔

ابھی اس معاہدے کو دو برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ کے ۲۰ر افراد کو شب خون مار کر قتل کر ڈالا، یہ مظلومین حرم میں پناہ گزیں ہوئے، تو وہاں بھی ان پر ظلم ہوا، انہوں نے اللہ کا واسطہ بھی دیا تو اس پر یہ گستاخانہ جواب بھی ملا:

لَاإِلٰهَ الْيَوْمَ.

آج خدا کوئی چیز نہیں۔

قریش نے اس پورے قضیہ میں بنوبکر کی پوری مدد کی۔(سیرۃ المصطفیٰ:۳/۳۳ الخ بحوالہ شرح معانی الآثار: للطحاوی، الرحیق المختوم:٦١٦)

بنوخزاعہ نے داستانِ مظلومیت مدینہ آکر آپ ﷺ کو سنائی، اور مدد کے طلب گار ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی مدد کی یقین دہانی کرائی، اور اس کے بعد قریش کو پیغام بھجوایا، جس میں ان کے سامنے تین صورتیں رکھیں:

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے۔

(۲) بنوبکر سے لاتعلقی کا اعلان کردیا جائے

(۳) معاہدۂ حدیبیہ کو منسوخ قرار دے دیا جائے۔

قریش کے بعض سرداروں نے اس کے جواب میں پہلی اور دوسری صورت نامنظور کردی اور معاہدہ کے فسخ پر رضامندی ظاہر کردی۔ (المغازی: للواقدی: ۲/ ۲۳۳ الخ)

لاحاصل ندامت

آپ ﷺ کے قاصد نے پوری صورتِ حال آپ ﷺ کو بتادی، آپ ﷺ نے حملہ کا ارادہ فرمالیا، دوسری طرف مکہ کے سرداروں کو معاہدہ فسخ کرنے کی بات پر بڑا افسوس ہوا، چنانچہ ابوسفیان معاہدہ کی تجدید کے لئے مکہ سے مدینہ آئے، سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المؤمنین سیدتنا حضرت ام حبیبہ کے پاس پہنچے، بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا، ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ سید الطاہرین پیغمبر علیہ السلام کا بستر ہے، کوئی نجس مشرک اس پر نہیں بیٹھ سکتا، ابوسفیان کو یہ بات برداشت نہیں ہوسکی، بولے کہ تمہارے اخلاق یہاں آ کر بگڑ گئے، اور پھر باہر نکل گئے۔ (البدایة والنهایة: ٤/ ١٤٦)

ابوسفیان آپ ﷺ سے بات کرنے آئے، آپ ﷺ نے رخِ انور پھیرلیا، انہوں نے باری باری حضرت ابوبکر، عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سب سے مدد چاہی، مگر کہیں سے مدد نہیں ملی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی درخواست کی، نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسن کا حوالہ دیا، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور بے نیل مرام واپس ہونا پڑا۔ (طبقات ابن سعد: ٢/ ١٣٤، سیرت ابن هشام: ٤/ ٣٨)

جنگ کی تیاری

آپ ﷺ نے پوری رازداری قائم رکھتے ہوئے صحابہ کو تیاری کا حکم فرمادیا، مکہ و مدینہ

کے درمیانی حلیف قبائل کو راستے میں آ کر شامل ہونے کی ہدایت فرمادی گئی۔

حضرت حاطب کی ایک چوک

اسی دوران یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک چوک ہوئی، ان کے بال بچے مکہ میں تھے، انہیں مکہ پر حملے کی خبر ملی تو انہیں یہ خدشہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے مکہ پر حملہ کے نتیجے میں مکہ والے وہاں مقیم میرے اہل وعیال کو قتل نہ کردیں، ان کے دل میں بچاؤ کی یہ تدبیر آئی کہ میں سردارانِ مکہ کو آپ ﷺ کی اس فوج کشی کی اطلاع دے کر ان پر احسان کردوں اور اس کے نتیجے میں وہ میرے اہل وعیال کو نقصان نہ پہنچائیں، اور اس سے مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اللہ نے فتح آپ ﷺ کا مقدر بنادی ہے۔

چناں چہ انہوں نے مکہ جانے والی ''سارہ'' نامی عورت کے ذریعہ مکہ کے سرداروں کو ایک خفیہ خط حوالے کردیا، آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی، آپ ﷺ نے حضرت علی وعزیر ومقداد وابومرثد غنوی رضی اللہ عنہم پر مشتمل سریع الحرکت دستہ اس خط کو حاصل کرنے کے لئے مدینہ سے ۱۲؍میل دور مقام ''خاخ'' بھیجا، اس عورت کو گھیرا گیا، پہلے تو اس نے انکار کیا، پھر تلاشی لئے جانے کی بات آئی، تو اس نے خط حوالے کیا، آپ ﷺ کو خط ملا، حضرت حاطب طلب ہوئے، فرطِ غضب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے حاطب کے قتل کی اجازت چاہی، مگر آپ ﷺ نے حاطب کی مجبوری اور صدق بیانی کے اظہار کے بعد فرمایا کہ یہ بدری صحابہ میں سے ہیں، اللہ نے اہل بدر کے لئے اعلانِ مغفرت فرمادیا ہے۔

(بخاری:المغازی:باب غزوۃ الفتح)

سفر کا آغاز

۱۰؍رمضان المبارک ۸؍ہجری کو مدینہ منورہ سے ۷؍ہزار افراد کے ساتھ آقا ﷺ نکلے ہیں،

درمیان میں مختلف قبائل شامل ہوتے رہے؛ تا آں کہ تعداد ۱۰؍ ہزار ہوگئی ہے۔ (فتح الباری:۲/۸)

مقام ''مَرُّ الظَّھْرَانْ'' پر یہ قافلہ خیمہ زن ہوتا ہے، آپ ﷺ کے حکم سے دس ہزار کی یہ فوج دور دور تک پھیل جاتی ہے، ہر گروہ نے الگ الگ چولہے سلگائے ہیں، مکہ کے سردار دور سے یہ آگ دیکھ کر حیران ہیں، تجسس میں قریب آتے ہیں، تو لشکر اسلام کو خیمہ زن دیکھ کر ان کے حواس مختل ہوجاتے ہیں، ابوسفیان بھی تجسس میں آئے ہیں، ان کی ملاقات حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہوجاتی ہے، حضرت عباس ان کو امان میں لے لیتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ پڑتی ہے، وہ ابوسفیان کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ابوسفیان کی امان مانگ لی ہے، ابوسفیان نے رات وہیں گذاری اور صبح کو کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ (الرحیق المختوم:۶۲۵الخ)

فتح مبین

۲۰؍ رمضان المبارک ۸؍ ہجری مطابق ۱۱؍ جنوری ۶۳۰ء جمعہ کا دن اسلام کی تاریخ کا وہ دن ہے کہ ؏

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لئے

۱۰؍ سال پہلے مظلومیت کے ساتھ مکہ سے رخصت ہونے والا پیغمبر اور اس کا کاروانِ حق آج فتح مبین کے ساتھ مکہ میں داخل ہورہا ہے۔

آپ ﷺ کے کہنے پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلامی کی شوکت دکھانے کے لئے ابوسفیان کو ایک اونچے مقام پر کھڑا کردیا ہے، مسلمانوں کی فوجیں پوری وادی میں خاص ترتیب کے ساتھ چل رہی ہیں، ابوسفیان نے یہ جاہ وجلال دیکھ کر کہا تھا:

اے ابوالفضل: (عباس) تمہارے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے؟

اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

ابوسفیان! یہ اقتدار نہیں، نبوت کا معجزہ ہے۔(ایضاً)

مسلمانوں کے فوجی دستے نعروں کے ساتھ جوش وولولے کے عجیب جذبات لئے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ ﷺ کی بے مثال تواضع اور انکسار

انصار کے سب سے بڑے لشکر کے قائد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ نعرہ ہے:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃُ

اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَۃُ

آج خوں ریزی اور انتقام کا دن ہے، آج کعبہ میں سب کچھ جائز ہوگا۔

آخر میں آپ ﷺ کا قافلۂ نور گذرا ہے، آپ ﷺ کے جسم پر مجاہدانہ لباس ہے، آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں، زبان پر اللہ کی حمد وتقدیس ہے، سر پر کالا عمامہ ہے، شانوں پر چادر ہے، جبین مبارک عجز وتواضع سے اس درجہ جھکی ہوئی ہے کہ بار بار اونٹ کی کوہان سے لگ جاتے ہیں۔(مستدرك حاكم:۳/۴۷)

فاتح اعظم ﷺ مکہ میں فاتحانہ نہیں، عاجزانہ ومتواضعانہ داخل ہورہے ہیں، آپ ﷺ کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا نعرہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے نکیر فرمائی اور ارشاد ہوا ہے:

اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃُ

اَلْیَوْمُ تَکْسٰی الْکَعْبَۃُ

اَلْیَوْمُ یَوْمُ بِرٍّ وَوَفَاءٍ

آج رحمت کا دن ہے، آج تعظیم کعبہ کا دن ہے، آج حسن سلوک ووفاء کا دن ہے۔ (بخاری:المغازی: باب این رکز النبی الخ، سیرت ابن هشام:٤/٤٤ الخ)

اس کے بعد آپ ﷺ نے جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ان کے صاحب زادے کو دے دیا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سفارش پر آپ ﷺ نے حضرت ابوسفیان کو اعزاز عطا کیا ہے، اور اعلان فرمایا ہے کہ:

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ. (مسلم:الجهاد: باب فتح مكة)

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ:

مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ.

جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے۔ (جوامع السيرة:لابن حزم:٢٤٨)

آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ جو ہمارے راستے میں حائل ہوگا اس کا صفایا کر دیا جائے گا، کچھ لوگوں نے رکاوٹ پیدا کرنی چاہی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا، بالآخر مکہ فتح ہوا۔

بیت اللہ میں داخلہ

آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں، حجر اسود کا بوسہ لے رہے ہیں، طواف کر رہے ہیں، خانۂ کعبہ کی چابی منگوا کر اندر داخل ہوئے ہیں، کعبہ کے اندر موجود ۳۶۰ ربتوں کو گرایا اور پھینکا جا رہا ہے، مشرکانہ نقش و نگار دیواروں سے مٹائے جا رہے ہیں، زمزم سے کعبہ کو غسل دیا جا رہا ہے، زبانِ نبوت پر یہ الفاظ ہیں:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، حق غالب آ گیا اور

باطل مٹ گیا، بلا شبہ باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (فتح الباری:۸/۱۴،الخصائص الکبری:۱/۲۶۴،سیرت المصطفیٰ ۳/۲۷)

کلید کعبہ: حق بہ حقدار رسید

مختلف لوگ کلید بردار کعبہ ہونے کا شرف چاہتے ہیں، ان میں عم رسول سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں؛ لیکن آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور یاد دلایا کہ ہجرت سے قبل ایک بار تم نے میرے مانگنے پر یہ کلید نہیں دی تھی، میں نے کہا تھا کہ ایک دن آئے گا یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی، میں جسے چاہوں گا دوں گا، پھر آپ ﷺ نے وہ کنجی انہیں کو دی، اور فرمایا کہ یہ تمہارا حق ہے، یہ قیامت تک تمہارے پاس رہے گی اور ظالم کے سوا تم سے کوئی اسے چھین نہ سکے گا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی:۸۳۹۵، المغازی:للواقدی:۲/۸۳۸)

خطاب نبوی

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر خطبہ دے رہے ہیں، زبانِ نبوت سے حمد وثنا کے بعد یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالآبَاءِ، النَّاسُ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا، إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ.

اے قریش کے لوگو! بلا شبہ اللہ نے جاہلیت کا غروراور آباء واجداد پر فخر تم سے ختم کردیا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں، آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اللہ فرماتا ہے: اے لوگو! بلا شبہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں شناخت کے

لئے بانٹا ہے، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ (البداية والنهاية: ٣٠١/٤، سيرت المصطفیٰ: ٢٩/٣)

عمومی پروانۂ عفو و درگذر

آپ ﷺ خطبہ دے رہے ہیں، حرم کے صحن میں جہاں آپ ﷺ کو گالیاں دی گئی تھیں، نجاستیں پھینکی گئی تھیں، ظلم کیا گیا تھا، قریش کے تمام سردار مؤدبانہ کھڑے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکے تھے، آپ ﷺ کے رخ انور پر تھوکا تھا، آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے، آپ ﷺ پر تلواریں چلائی تھیں، آپ ﷺ کے عزیز اصحاب کا خون ناحق کیا تھا، ان کے سینے چاک کئے تھے، ان کے دل وجگر کے ٹکڑے کئے تھے، ان کو جلتی ریت پر لٹایا تھا، دہکتے کوئلوں سے ان کا جسم داغا تھا، نیزوں سے ان کا بدن چھیدا تھا، یہ سب سر جھکائے کھڑے ہیں۔

آپ ﷺ ان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ؟

تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟

بس اسی ایک سوال نے ان ظالموں کے سامنے گذشتہ تیرہ سالہ مکی زندگی کا پورا منظر رکھ دیا تھا، انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا:

خَيْراً، أَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيْمٍ.

ہم آپ سے بھلائی ہی کی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس ہیں اور کریم زادے ہیں۔

آقا ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ.

جاؤتم سب آزاد ہو، اب تم پر کوئی الزام وگرفت نہیں۔

یک لخت سب کو معاف کر دیا۔(دلائل النبوة: للبیهقی:۵/۵۸، طبقات ابن سعد:۲/۱۴۱)

یہ ہے دشمنوں سے پیار، یہ ہے کانٹوں کا جواب پھولوں سے، سچ کہا کہنے والے نے ؎

سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی

سلام اس پر ابوسفیاں کو جس نے اماں دے دی

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

معافی کے اس اعلانِ عام نے دشمنوں کے دل نرم کر دیئے، ان کے دماغ حق کے لئے مسخر ہونے لگے، نہ جانے کتنے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

ایک اہم واقعہ

ظہر کا وقت ہو گیا ہے، آقا ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد حرام کی چھت پر اذان دے رہے ہیں، فتح مکہ کے بعد اللہ کی کبریائی اور عظمت ووحدانیت کے اعلان کی یہ پہلی روح پرور صدا ہے، قریش کے سردار بلال کے اس بلند نصیب کو بنگاہِ حسرت دیکھ رہے ہیں، وہ بلال جنہیں ذلیل غلام سمجھ کر مکہ والے ظلم وستم کا طوفان کھڑا کرتے آئے تھے، اس کا یہ مرتبہ دیکھ کر ان کو غم وحسرت نے گھیر لیا ہے، وہ تبصرے کر رہے ہیں، اللہ پیغمبر ﷺ کو وحی کے ذریعہ ساری خبر دے رہا ہے، پیغمبر ﷺ ان تبصرہ کرنے والوں کو بتا رہے ہیں، اس طرح حق بالکل کھلی شکل میں ان کے سامنے آ گیا ہے، اور ان کے دل وزبان توحید ورسالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ (شرح الزرقانی:۲/۳۴۶، البداية والنهاية:۴/۷۲۳)

خطاب و بیعت

دوسرے دن کوہِ صفا پر آ قا ﷺ نے حرم مکہ کی عظمت وتقدس کے موضوع پر خطبہ دیا ہے، اورتا ابداس کی حرمت کا اعلان فرما دیا ہے، صفا ومروہ کے تمام بت ختم کر دیئے گئے ہیں۔

(البداية والنهاية: ٤/٣٢٧)

پھر عام بیعت لی گئی ہے، مردوں سے بھی اور عورتوں سے بھی، عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی ہیں، جنہوں نے معرکہ احد میں عم رسول سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی عجیب بے حرمتی کی تھی، مگر آ قا ﷺ نے سب کچھ بھلا کر انہیں دامن عضو میں جگہ دے دی ہے۔(الکامل: لابن الاثیر: ٢/٩٦، القرطبی: ١٨/٧١: سورة الممتحنه، سیرت المصطفیٰ: ٣/٣٧)

انصار کو یقین دہانی

انصارِ مدینہ نے آ قائے نامدار ﷺ کا یہ اندازِ عفو ورحمت دیکھا تو ان کے دلوں کا یہ خیال زبان پر بھی آیا کہ اب کہیں آ قا ﷺ یہیں مقیم نہ ہو جائیں، اور مدینہ واپس نہ جائیں، بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر ملی، انصار کو بلایا، فرمایا کہ:

اے گروہِ انصار! میں تمہارے ساتھ کیا ہوا اپنا عہد کیسے نہیں نبھاؤں گا؟ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں، میں اللہ کے حکم سے تمہاری طرف ہجرت کر کے آیا ہوں، ”اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَ الْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ“ اب میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور موت بھی تمہارے ساتھ ہے۔

یہ سن کر انصار زاروقطار رونے لگے، رقت وگریہ کے عالم میں بولے:

یارسول اللہ! ہم نے سمجھا تھا کہ کہیں ہم سے یہ دولت کونین چھین نہ لی جائے، ہم کہیں آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے محروم نہ ہوجائیں۔

(مسلم: الجهاد: باب فتح مكة)

حضرت ابوقحافہ کا قبول حق

اسی دوران حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بھی مشرف باسلام ہوئے، آقا ﷺ نے اس پر بے حد مسرت محسوس کی۔ (مسند احمد:٦/٣٤٩، المستدرك:٣/٤٦)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے گھرانے کی چار پشتیں مقام صحابیت پر فائز ہوئیں، ایک تو ان کے والد حضرت ابوقحافہ، دوسرے خود حضرت صدیق اکبر، تیسرے ان کے صاحب زادگان اور صاحب زادیاں، چوتھے ان کی اولاد کی اولاد، جن میں حضرت عبداللہ بن زبیر سرفہرست ہیں۔

عدل اسلامی

اسی دوران عدل ومساوات کا یہ منظر بھی دنیا نے دیکھا کہ بنومخزوم کی فاطمہ نامی خاتون نے چوری کرلی، یہ معزز خاندان کی عورت تھی، قبیلے کے لوگوں نے سوچا کہ اگر اسلامی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہماری توہین ہوگی، انہوں نے سفارش کی کوشش کی، اورمحبوبِ رسول حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنایا، آپ ﷺ نے سفارش سنی تو رخ انور کا رنگ بدل گیا اور فرمایا:

أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا.

کیا تم اللہ کی متعین کردہ سزا میں سفارش کرتے ہو؟ بخدا اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ (بخاري: الحدود: باب كراهية الشفاعة)

واقعہ فتح کے روح پرور پیغامات اور گوشے

فتح مکہ کا یہ عظیم واقعہ اپنے دامن میں عبرت وموعظت کے بہت سے پہلو رکھتا ہے:

(۱) اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو مکہ کے اپنے مکانات سے دست بردار ہونے کی بھی تلقین کی تھی اور خود اپنے مکان میں بھی اترنے سے گریز فرمایا تھا۔

(پیام سیرت:مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:۱۵۹)

یہ آقا ﷺ کی معاملہ فہمی، تدبر اور حکمت عملی کا بہت واضح نمونہ ہے، اگر ایسا کیا جاتا تو خانہ جنگی کی صورتِ حال پیدا ہوسکتی تھی اور اہل مکہ کو ایمان کے قریب لانے کی کوششیں متاثر ہوجاتیں، اس طرح یہ پیغام دیا گیا کہ حکمت ومصلحت اور دعوتِ دین کے تقاضے پر مسلمانوں کو اگر اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہونے اور دوسروں کے لئے ایثار کا موقع آئے تو ایسا کرنا چاہئے۔

(۲) اس سفر میں ایک طرف آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان کو یہ اعزاز بخشا کہ یہ اعلان فرمادیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان ملے گی، دوسری طرف انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ایک نعرے کو ناپسند فرما کر علم قیادت ان سے لے کر ان ہی کے فرزند کو عطا فرمایا۔

آپ ﷺ کا یہ عمل یہ پیغام دیتا ہے کہ ملت کے قائد اعلیٰ کو ماتحتوں کی نفسیات کی رعایت رکھنی چاہئے اور حسب مقام ومرتبہ معاملہ ہونا چاہئے، چناں چہ ابوسفیان کو اعزاز دیا گیا اور مصلحۃً حضرت سعد سے اعزاز لیا گیا، تو انہیں کے صاحب زادے کو دیا گیا۔

(۳) اس فتح عظیم کے موقع پر فاتحانہ وشاہانہ انداز کے بجائے عاجزانہ ومتواضعانہ انداز میں آپ ﷺ کا مکہ مکرمہ میں داخلہ خوشی اور کامیابی کے ہر موقع پر امت کے ہر فرد کو تعلّی وتکبر اور فخر وغرور کے بجائے تواضع اور عجز کی روش اختیار کرنے کا سبق دیتا ہے۔

(۴) احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور غسل فرمایا، پھر نماز ادا کی۔ (بخاری: الجزیة:باب امان النساء)

یہ نماز اشراق بھی تھی اور نماز شکر بھی، اس طرح یہ سبق ملا کہ مسرت و کامیابی کا موقع خدا فراموشی کا نہیں، خدا کو مزید یاد کرنے اور اس کی بارگاہ میں جبین نیاز خم کرنے کا موقع ہے۔

(۵) فتح مکہ کا سب سے بڑا پیغام عفو و درگذر کا پیغام ہے، تمام جانی دشمنوں کو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے معاف کر دیا؛ بلکہ ایک نگاہِ خشمگیں بھی ان پر نہیں ڈالی، پھر ان کو مسلمان ہونے پر بھی مجبور نہیں کیا، دنیا کی تاریخ مفتوحین کے ساتھ ایسے حسن سلوک اور عفو و درگذر کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ فتح مکہ کے موقع پر ڈر کے مارے یمن بھاگ گئے تھے، بیوی کی فرمائش پر ڈرتے ڈرتے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ انتقام کیا لیتے، کھڑے ہو کر استقبال کیا اور مَرحبًا کہہ کر گلے سے لگایا، اور مزید کرم یہ فرمایا کہ مسلمانوں کو بلا وجہ ابوجہل کو برا کہنے اور کوسنے سے روک دیا اور فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ ایک کافر باپ کی وجہ سے اس کے مسلمان بیٹے کو ایذا پہنچائی جائے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۳۲۳، السیرة النبویة: د/صلابی: ۲/۵۴۱)

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو دہشت گردی اور تشدد کی طرف منسوب کرنے والے معاندین اسلام اگر صرف فتح مکہ ہی کی مثال سامنے رکھیں، تو ان کی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں، رحمت عالم ﷺ نے اپنی شانِ رحمت سے دلوں اور دماغوں کو مسخر کر لیا تھا، اور ع

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

یہ مجلس ختم ہوتی ہے بس یہی پیغام رحمت یاد رکھئے، اسے دوسروں تک پہنچایئے، خدا

ئے رحمٰن ورحیم کا پیغامِ رحمت قرآن ہے، نبیٔ رحمت ﷺ کا پیغامِ رحمت سنت اور اسوۂ حسنہ ہے، اسی کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور اسی سے انسانیت کو وابستہ کرنا ہے، اور یہ بتانا ہے کہ:

بشر کو راہِ صداقت دکھانے آئے تھے ❖ وہ درسِ مہر واخوت پڑھانے آئے تھے

وہ دشمنوں کو گلے سے لگانے آئے تھے ❖ وہ لے کے رحم وکرم کے خزانے آئے تھے

تھیں جتنی خوبیاں اُس ذات پہ تمام ہوئیں

بلندیاں سبھی میرے نبی کے نام ہوئیں

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ.

❑❑❑

باب چہارم

حیاتِ نبوی ﷺ

غزوۂ حنین - تا - وصال (مدنی زندگی)

حیاتِ نبوی ﷺ

غزوۂ حنین - تا - وصال (مدنی زندگی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

ذکر خیر البشر ﷺ

حضرات گرامی! ہماری زبانوں کے لئے سب سے عظیم سعادت یہ ہے کہ وہ ذکر رسول ﷺ سے شاداب ہوجائیں، ہمارے کانوں کے لئے سب سے بڑی خوش بختی یہ ہے کہ ان میں اس رسولِ رحمت ﷺ کا ذکر جمیل گونجتا رہے جس کا لایا ہوا انقلاب پورے عالم کی تقدیر بدل گیا اور جس نے اپنی مقدس حیات وسیرت کے ہر پہلو سے ذاتی اور انفرادی طور پر بھی، جماعتی واجتماعی طور پر بھی، امن میں بھی اور جنگ میں بھی، نارمل حالات میں بھی اور ایمرجنسی صورت حال میں بھی، فرحت ومسرت کی فضا میں بھی اور غم والم کے ماحول میں بھی انسانیت کے سامنے انتہائی معتدل، متوازن، کامل، مثالی اور بے نظیر نمونہ اور اسوہ پیش کردیا، اور

دین و دنیا کو بہم جس نے سمویا وہ رسول
جس نے باطل کے سفینے کو ڈبویا وہ رسول
مالکِ کل تھا مگر خاک پہ سویا وہ رسول
فکرِ امت میں نمازوں میں جو رویا وہ رسول

آج تک جس کے نشاناتِ قدم روشن ہیں
اُس کے جلووں سے عرب اور عجم روشن ہیں

اور

جس نے مظلوموں کو انصاف دلایا وہ رسول
جس نے ناداروں کو سینے سے لگایا وہ رسول
آدمیت کا سبق جس نے پڑھایا وہ رسول
فرقِ سلطان و گدا جس نے مٹایا وہ رسول
جس نے چرواہوں کو توقیرِ شہنشاہی دی
خود فراموش کو تہذیبِ خود آگاہی دی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ.

ہماری اس مجلس کا موضوع حیاتِ مقدسہ کے مدنی دور کا وہ حصہ ہے جو غزوۂ حنین سے شروع ہو کر کائنات کے محسن اعظم ﷺ کے سفر آخرت پر ختم ہوتا ہے، یہ تقریباً ڈھائی سالہ مدت ہے، اور اپنے دامن میں سیرتِ مقدسہ کے متعدد اہم پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

غزوہ حنین

حنین کا غزوہ تاریخ اسلامی کا انتہائی اہم باب ہے، قرآنِ مجید میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام تھا، موجودہ نقشے میں یہ بستی نہیں ملتی ہے، مگر عہد نبوت میں یہ ایک معروف بستی تھی جہاں بازار بھی لگتے تھے، حنین میں عرب کا قبیلہ ہوازن آباد تھا، جو تیراندازی کی مہارت میں مشہور تھا، اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنوسعد بن بکر ہے، حضرت حلیمہ سعدیہ اسی سے تعلق رکھتی تھیں، جو حضور اکرم ﷺ کی رضاعی والدہ ہیں، اور جن کے گھر میں آپ ﷺ کا بچپن گذرا ہے۔

دشمن کی تیاری

قبیلہ ہوازن وثقیف کے لوگ طلوعِ اسلام کے وقت ہی سے اسلام کے بدترین دشمن تھے، فتح مکہ کا واقعہ پیش آنے کے بعد انہیں یہ گمان ہوا کہ اب ہماری باری آ سکتی ہے، انہوں نے یہ طے کیا کہ قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں، ہم کو خود ان پر اقدامی حملہ کر دینا چاہئے، چناں چہ اپنے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں دونوں قبیلوں کی فوجیں چار ہزار کی تعداد میں وادیٔ اوطاس میں جمع ہوئیں، مالک بن عوف کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر صرف مرد جنگ کے لئے جائیں گے تو ان کے دل اپنی خواتین اور مال وعیال کی طرف متوجہ رہیں گے، چناں چہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ تمام عورتیں، بچے، مویشی اور مال ودولت کے تمام خزانے بھی لے لئے؛ تاکہ ان کی موجودگی میں تمام جنگجو تندہی سے لڑیں اور ان کی حفاظت کی خاطر کسی بھی قربانی میں دریغ نہ کریں۔

لشکر میں ایک تجربہ کار ماہر حرب ایک سو بیس سالہ ''درید بن صمہ'' نامی شخص بھی تھا، اس نے سردار کو خواتین، اہل وعیال اور مال ودولت ساتھ لے جانے سے سختی سے روکا؛ لیکن سردار اور اس کے ہم نوا جذبات سے مغلوب تھے، انہوں نے خود درید کو احمق قرار دیا۔ (سیرت ابن هشام :٤/١٨٠، البداية و النهاية:٤/٣١٦)

اس طرح گویا من جانب اللہ مسلمانوں کے لئے سب سے بڑے مالِ غنیمت کا انتظام ہو رہا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کو اس جنگی پیش قدمی کی اطلاعات موصول ہوئیں، آپ ﷺ نے سفر کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت عتابؓ کی امارت

نومسلم نوجوان صحابی حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر بنایا، یہاں یہ پہلو

قابل غور ہے کہ ۱۸ر سالہ عتاب کو اسلام قبول کرتے ہی مرکزی علاقے مکہ کا گورنر بنایا جارہا ہے۔(سیرت احمد مجتبی :۳/ ۲٤۰)

پرانی قیادت کو ذمہ داری نہیں سونپی جارہی ہے، حضرت ابوسفیان کو یہ ذمہ داری نہیں ملی، حضرت عباس کو یہ منصب نہیں ملا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان پرانے اور بزرگ افراد کے تجربات سے آپ ﷺ مدینہ منورہ میں فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، اور مکہ مکرمہ کے حالات پر عزم، حوصلہ منداور جوان قیادت کے طالب تھے۔(خطبات سیرت: مولانا سید سلمان ندوی:۳۱۵)

حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کی امارت کا یہ واقعہ تمام جوانانِ امت کے لئے اپنی صلاحیتوں کو دین کے لئے وقف کردینے، مقصدیت اور ذمہ داری کا احساس وشعور بیدار کرنے اور اپنے مقام کو سمجھنے کا نمایاں پیغام دے رہا ہے۔

لشکر اسلام کی پیش قدمی اور تیاری

۶ر شوال المکرّم ۸ر ہجری کی صبح ہے، آقا ﷺ کی قیادت میں بارہ ہزار افراد پر مشتمل لشکر اسلامی پورے جوش وخروش کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکل رہا ہے، اس لشکر میں غیر تربیت یافتہ نومسلموں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، کچھ ایسے غیر مسلم بھی شامل ہیں جن کو صرف مالِ غنیمت کی حرص لے جارہی ہے، آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے ہیں) بطور عاریت اچھے خاصے ہتھیار بھی لئے ہیں، مکہ کے مختلف افراد سے ایک لاکھ تیس ہزار درہم کی خطیر رقم جنگی وسائل واسباب کے لئے بطور قرض حاصل کی ہے، سیرتِ نبویہ کے اب تک کے غزوات میں سب سے زیادہ تیاری اور کثرت تعداد کے ساتھ اس غزوہ کے لئے لشکر اسلام حنین کی جانب محوِ سفر ہے۔(تاریخ ابن خلدون:۱/ ۱٦۸، نقوش رسول نمبر:۱۱/ ٤۷۵، زاد المعاد:۲/ ۳۱۹)

بعض جوشیلے افراد کا ناز اور اس کی سزا

اب تک کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ لشکر اسلام دشمن سے ۳ر گنا بھاری ہے، مسلمان ۱۲ر ہزار اور دشمن ۴ر ہزار ہیں، طبعی طور پر کثرتِ تعداد اور مضبوط تیاری نے مسلمانوں کو خود اعتمادی اور اطمینان سے لبریز کر دیا ہے، کچھ جوشیلے نومسلم افراد کی زبانوں پر یہ فخریہ جملہ آ گیا ہے:

لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ.

آج ہم تعداد کی قلت کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔

(سیرت المصطفیٰ :۳/۵۷، بحواله طبقات ابن سعد)

اس جملہ میں فخر و ناز کا وہ جذبہ شامل ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔

چناں چہ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں اس کی سزا ملی، ۱۰ر شوال کو یہ لشکر وادی پہنچا، اور رات میں وہیں مقیم ہوا، دشمنوں نے راتوں رات پہاڑوں پر اپنے مورچے جما لئے، ہر گھاٹی کے سرے پر ماہر تیر انداز بٹھا دئے، اور مسلمانوں کا لشکر جب صبح کو وہاں سے گذرا تو خفیہ تیر اندازوں نے مسلسل تیروں کی بارش برسا دی، حملہ اِس قدر غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہونے لگیں، حواس باختگی اور سراسیمگی پھیل گئی، قدم اکھڑنے لگے، فوج کے اگلے حصہ میں بھگدڑ مچنے لگی، غیر تربیت یافتہ نومسلموں کی وجہ سے یہ صورتِ حال سامنے آئی، حالات بہت نازک تھے۔ (تاریخ طبری: ۱/۴۱۳، تاریخ ابن خلدون: ۱/۱۶۸، البداية و النهاية : ۴/۳۱۸)

شجاعت نبوی

مگر اس خطرناک مرحلے میں آقائے نامدار سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ثابت قدمی، دلیری اور شجاعت کا فقید المثال نمونہ سامنے آیا، آپ ﷺ اپنے چند جاں نثار اصحاب

کے ساتھ کوہِ استقامت بن کر میدان میں ڈٹے رہے۔

آپ سیرت پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سفید خچر پر سوار ہیں، حضرت عباس خچر کی لگام پکڑے ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے حکم پر حضرت عباس آواز لگا رہے ہیں:

یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ! یَا لَلأَنْصَارِ! یَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ!

اے مہاجرین: کہاں جارہے ہو؟ انصار کہاں ہیں؟ اے کیکر کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو: تم کہاں ہو؟ (مسلم: الجهاد: باب غزوة حنين، سيرت احمد مجتبیٰ: ۳/ ۲۵۰)

یہ صدا سنتے ہی مجاہدین عزم وولولہ سے لبریز جذبات کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں، آقا ﷺ سواری سے اتر کر عالم جلال میں یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبُ

میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ وغلط بیانی نہیں ہے، میں عبد المطلب کی اولاد میں ہوں۔ (بخاری: المغازی: باب قول الله تعالیٰ: ویوم حنين الخ)

زبردست معرکہ اور فتح مبین

اس کے بعد گھمسان کا مقابلہ ہوا ہے، لشکر اسلام نے دشمنوں کے کشتے کے پشتے لگادیئے ہیں، اللہ نے ایک آزمائش سے گذارنے کے بعد اپنی غیبی نصرت کے ذریعہ فتح مبین عطا فرمادی ہے، اس معرکہ میں ۴؍مسلمانوں کو اعزازِ شہادت ملا ہے، دشمن کے ۷۰؍افراد قتل ہوئے ہیں، ۶؍ہزار مرد عورتیں اور بچے قید ہوئے، ۲۴؍ہزار اونٹ، ۴۰؍ہزار سے زائد بکریاں، ۶؍کوئنٹل سے زائد چاندی، اتنی خطیر وبیش قیمت دولت مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملی ہے۔ (جوامع السيرة: لابن حزم: ۲۶۲، تاريخ طبری: ۱/ ۴۲۷)

قرآن نے حنین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ، اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ، فَلَنْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ، وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ، ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ، ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلَى رَسُوْلِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ، وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَمْ تَرَوْهَا، وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا، وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ، ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ.

(التوبة: ٢٥-٢٦)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے، اور خاص طور پر حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے ان کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے، پھر اللہ جس کو چاہے اس کے بعد توبہ نصیب کرے، اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

قرآنی تنبیہ

غور فرمایئے! اللہ عزوجل نے کثرتِ تعداد پر ناز کو ناپسند کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی ہے، اس سے یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اسباب ووسائل اور تعداد پر کبھی بھی عجب وپندار اور فخر وناز کی کیفیت نہیں پیدا ہونی چاہئے، صاحب ایمان کو ہمیشہ تمام ممکنہ اسباب اختیار کرنے کے

بعد عددی کثرت اور اسباب پر غرور میں مبتلا ہوئے بغیر اپنے رب پر بھروسہ اور اسی کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔

بدر وحنین کا موازنہ اور سبق

یہاں رک کر ذرا غزوۂ بدر اور حنین کا موازنہ بھی فرمائیے، بدر کا میدان ہے، صرف ۳۱۳ر مسلمان ہیں، فاتح بدر پیغمبر علیہ السلام اپنے رب کی بارگاہ میں زار وقطار گریہ کناں ہیں، دوسری طرف حنین کی وادی ہے، مسلمان کثیر تعداد میں ہیں، کثیر تعداد پر ناز نے پہلے مرحلے میں افراتفری مچادی ہے، مگر اللہ کا پیغمبر مورچے پر ڈٹا ہوا ہے، اور پورے حوصلے سے دشمن سے ٹکرا رہا ہے۔

مقامِ غور ہے کہ بدر کی فتح نے غرور نہیں پیدا کیا اور حنین کی ابتدائی ہزیمت نے مایوسی پیدا نہیں کی، اس طرح یہ پیغام امت کو دیا گیا ہے کہ کارزار حیات میں تم کو یہ دونوں تجربے ہوں گے، کبھی فتح ملے گی، کبھی شکست بھی ہوسکتی ہے، مگر تمہارے نبی ﷺ کا یہ اسوہ تمہارے سامنے رہنا چاہئے کہ فتح پر تکبر کا شکار مت بننا، شکست پر ناامیدی کا شکار مت بننا، قوموں کی زندگی میں یہ دونوں مرحلے آتے رہتے ہیں۔ **وَتِلْکَ الایَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ.**

غزوہ طائف

آگے بڑھئے! بنوثقیف کا مسکن طائف تھا، حنین کی شکست کے بعد انہوں نے طائف کا رخ کیا، فوج کے سردار مالک بن عوف اور ثقیف کے باقی لوگ طائف میں قلعہ بند ہوگئے، آپ ﷺ نے پوری فوج کے ساتھ طائف کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، یہ محاصرہ طویل ہوتا گیا، تقریباً ۲۰ر دن گذر گئے۔ (البدایۃو النھایۃ: ۴/ ۱۵۷)

اسی دوران حضرت طفیل بن عمرو دوسی ایک دبابہ اور منجنیق لے کر پہنچ گئے، آپ ﷺ نے یہ ہتھیار بھی استعمال کئے۔ (شرح الزرقانی: ۳/ ۲۸)

قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کی مختلف تدبیریں اور کوششیں بھی ہوئیں، افہام وتفہیم کے مرحلے بھی آئے، دشمنوں نے قلعے کے اوپر سے تیروں کی سخت بارش کی، جس سے ۱۲ر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی کرایا کہ جو طائف کے قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد و رہا کر دیا جائے گا، دس سے زائد افراد اتر آئے اور انہیں آزادی دے دی گئی، انہیں میں حضرت نفیع بن الحارث بھی تھے، جنہیں بعد میں ابوبکرہ کے نام سے شہرت ہوئی۔(فتح الباری:۸/۴۵)

بہرحال یہ قلعہ فتح نہیں ہوسکا، اشارۂ غیبی بھی یہ ہوا کہ اس وقت یہ مہم ختم کردی جائے۔(شرح الزرقانی:۳/۲۸، طبری:۱/۴۲۳)

چناں چہ آپ ﷺ نے واپسی کا سفر شروع فرمادیا، اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اہل طائف کے حق میں بددعا کی درخواست کی، مگر آپ ﷺ نے اس کے بجائے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَائْتِ بِهِمْ.

خدایا ثقیف کو ہدایت عطا فرمایئے اور میرے پاس پہنچا دیجئے۔

بالآخر ایسا ہی ہوا تھا، بعد میں یہ قلعہ خود فتح ہوا اور سبھی لوگ مدینہ منورہ آکر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، جن میں سردار مالک بن عوف بھی تھے۔(طبقات ابن سعد:۲/۱۱۵)

تقسیم اموال غنیمت

واپسی میں آپ ﷺ مقام ''جعرانہ'' پہنچے، یہاں حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کا عمل انجام پایا، اس سے پہلے تقریباً دس دن آپ ﷺ نے اہل ہوازن کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے اموال کی واپسی کے لئے آئیں، مگر ان کے نہ آنے پر سارا مال تقسیم کردیا گیا، اس کے بعد وہ آئے اور مال کی واپسی کی درخواست اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا، آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، جس میں یہ طے ہوا کہ مال تو واپس نہیں کیا جائے گا؛ البتہ قیدی واپس کردئے جائیں گے، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔(بخاری:فرض الخمس: باب و من الدلیل علیٰ ان الخمس لنوائب المسلمین،سیرت ابن ہشام:۴/۱۳۵، فتح الباری:۸/۳۸)

رضاعی بہن حضرت شیماء کی آمد

اسی دوران آپ ﷺ کے سامنے بنوسعد بن بکر کی ایک خاتون ''شیماء'' گرفتار کر کے لائی گئیں، انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ثبوت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ بچپن میں جب آپ میری والدہ حضرت حلیمہ کے ہاں تھے، کھیل میں آپ ﷺ نے میری پشت پر کاٹ لیا تھا، اب بھی اس کا نشان موجود ہے، آپ ﷺ کو واقعہ فوراً یاد آ گیا، ازراہِ کرم آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی، حضرت حلیمہ کے بارے میں پوچھا، بتایا گیا کہ وہ فوت ہو چکی ہیں، آپ ﷺ انہیں یاد کر کے آب دیدہ ہو گئے، پھر فرمایا کہ میرے پاس رہنا چاہو تو عزت سے رکھا جائے گا، واپس جانا چاہو تو اس کا انتظام کیا جائے گا، انہوں نے واپسی کو ترجیح دی، اور اسلام قبول کیا، آپ ﷺ نے انہیں ایک غلام، ایک باندی اور اونٹ بکری کے تحفے دے کر واپس کیا۔(اسد الغابة:۷/۱٦٦، الاصابة:۸/۲۰۵ الخ)

تالیف قلب

مالِ غنیمت کی تقسیم میں نومسلموں کی تالیف قلب اور ان کو اسلام پر جمانے کی حکمت سے آپ ﷺ نے مکہ کے نومسلموں کو زیادہ تر مال عطا فرمایا، عام مہاجرین وانصار کو اس مال میں کوئی خاص حصہ نہیں دیا گیا۔

انصار کے بعض جوشیلے جوانوں کے جذبات اور مؤثر ترین خطاب نبوی

قریش کے نومسلم سرداروں کے ساتھ اس فیاضانہ سلوک پر انصار کے کچھ جوشیلے

نوجوانوں کی طرف سے ناگواری کا اظہار سامنے آیا کہ جب خون کی ضرورت پڑتی ہے تو ہم بلائے جاتے ہیں اور جب غنیمت کا مسئلہ آتا ہے تو اپنوں کو ترجیح دی جاتی ہے، آپ ﷺ کو یہ خبر ملتی ہے، بے چین ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ کے حکم پر تمام انصار کو چمڑے کے ایک بڑے خیمے میں جمع کیا جاتا ہے، کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہے، اس موقع پر آپ ﷺ کی زبانِ صداقت ترجمان سے عجیب بلیغ ومؤثر، سحر آفریں، جادو اثر، انقلاب انگیز اور معجزانہ خطاب جاری ہوا ہے:

يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ! مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِيْ عَنْكُمْ؟ وَجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ؟ أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالاً فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ، وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ، أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَلَصَدَقْتُمْ وَلَصَدَّقْتُكُمْ، أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ، وَمَخْذُولاً فَنَصَرْنَاكَ، وَطَرِيْداً فَآوَيْنَاكَ، وَعَائِلاً فَوَاسَيْنَاكَ، أَوَجَدْتُمْ عَلَيَّ يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ فِيْ أَنْفُسِكُمْ فِيْ لُعَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا تَأَلَّفْتُ بِهَا قَوْماً لِيُسْلِمُوْا وَوَكَّلْتُكُمْ إِلَى إِسْلَامِكُمْ؟ أَلاَ تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الأَنْصَارِ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِيْرِ وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى رِحَالِكُمْ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَمَا تَنْقَلِبُوْنَ بِه خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُوْنَ بِه، وَلَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءً مِنَ الأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْباً وَوَادِياً وَسَلَكَتِ الأَنْصَارُ شِعْباً وَوَادِياً لَسَلَكْتُ شِعْبَ الأَنْصَارِ وَوَادِيَهَا، اَلأَنْصَارُ شِعَارٌ، وَالنَّاسُ دِثَارٌ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الأَنْصَارِ وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الأَنْصَارِ.

اے گروہ انصار! یہ کیسی چہ میگوئی ہے، جس کی خبر تمہاری طرف سے مجھ تک پہنچی ہے؟ یہ کیسی خفگی ہے جو تمہارے دلوں میں ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میں جب تمہارے پاس آیا تھا، تم گمراہ تھے، اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی، تم تہی دست تھے، اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مالدار بنایا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے، سنو: بخدا اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو، اور تم اپنے کہنے میں سچے ہوگے اور میں بھی تمہاری تصدیق کروں گا، تم کہہ سکتے ہو کہ آپ کو ہر طرف سے جھٹلا دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپ کی مدد کی، آپ کو وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، ہم نے آپ کو پناہ دی، آپ معاشی اعتبار سے پریشان تھے، ہم نے آپ کی غم گساری کی۔

اے گروہ انصار! کیا تم اپنے دلوں میں مجھ پر اس حقیر متاع دنیا کے لئے ناراض ہو رہے ہو جس کے ذریعہ میں نے نومسلموں کو اسلام پر جمانے کے لئے دلداری کی، اور تم کو تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا؟

اے گروہ انصار! کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ اور لوگ اونٹ اور بکری لیکر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لیکر اپنے گھروں کو لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، بلاشبہ جس ذات کو لیکر تم لوٹو گے وہ ان چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جو دوسرے لوگ لیکر جائیں گے۔

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، اگر دوسرے لوگ ایک گھاٹی اور ایک وادی پر چلیں، اور انصار دوسری گھاٹی اور دوسری وادی پر چلیں، تو میں انصار ہی کی وادی اور گھاٹی پر چلوں گا، انصار جسم سے

متصل کپڑے کی طرح مجھ سے قریب ہیں، اور دیگر لوگ اوپر کے کپڑے کی طرح ہیں، خدایا: انصار پر رحم فرمائیے، انصار کی اولاد پر رحمت نازل فرمائیے اور انصار کی اولاد کی اولاد پر ابر رحمت برسا دیجئے۔

اس خطاب کا منظر دیکھنے والے عینی شاہدین کا بیان ہے کہ خطاب اس قدر دل گداز تھا کہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشک بار نہ ہوگئی ہو، کوئی داڑھی ایسی نہ تھی جس نے آنسوؤں سے وضو نہ کیا ہو، کوئی دامن ایسا نہ تھا جو اشک ندامت سے تر نہ ہوا ہو، ایک گریۂ پیہم کی کیفیت طاری تھی، ہچکیاں بندھ گئی تھیں، ہر زبان پر یہی پکار تھی کہ:

ہمیں کچھ نہیں چاہئے، ہمیں صرف اللہ کا رسول مطلوب ہے، ہم اس تقسیم پر دل وجان سے راضی ہیں۔(پورے واقعہ کے لئے دیکھئے:مسلم: الزکوۃ: باب عطاء المؤلفة قلوبهم، مسند احمد:۳/۷٦ الخ، مختارات من ادب العرب:۱/۲۹ الخ)

خطاب نبوی ﷺ کا روح پرور پیغام

حضراتِ گرامی! اس واقعہ سے ایک طرف تو نازک اور حساس موقعوں پر سحر آفریں خطابت کی جادو بیانی اور تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام کمالاتِ علمی وعملی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطیبانہ کمال بھی مکمل طور پر عطا فرمایا تھا، خطباتِ نبوی میں یہ خطبہ اپنی بلاغت اور تاثیر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔

دوسری طرف اس سے یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ دوسروں کی کارکردگی، قربانی اور خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے؛ بلکہ کسی ذہنی تحفظ کے بغیر کھلے دل سے اس کا اقرار واعتراف کیا جانا چاہئے، انصارِ مدینہ کی قربانیوں کا تذکرہ زبانِ نبوت سے انتہائی بلند الفاظ میں ہو رہا ہے، یہ اسوۂ نبوی معاشرتی زندگی میں الفتوں کے رشتے مستحکم بنانے، باہمی وحدت و

اجتماعیت کوفروغ دینے اور حوصلوں کو بڑھانے کا بہت مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

ساتھ ہی اس خطبے کے مندرجات نے امت کے سامنے یہ حقیقت بھی آشکارا کی ہے کہ مؤمن کا اصلی ہدف اللہ ورسول کی رضا ہونی چاہئے، متاعِ دنیا بے قیمت اور قرآن کی زبان میں ''متاع قلیل'' اور ''متاع الغرور'' (دھوکے کا سامان) اور حدیث کی زبان میں مکھی اور مچھر کے پر سے بھی زیادہ بے وقعت ہے، کاش امت اس حقیقت کو سمجھ لے، اور مال کے اس فتنے سے محفوظ ہو جائے، جس نے چوطرفہ امت کو اپنی تباہی کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

عمرۂ جعرانہ

غزوۂ حنین وطائف سے فراغت کے بعد آقا ﷺ نے مقام جعرانہ سے ۱۸/ذی قعدہ ۸/ہجری کو احرام باندھا، مکۃ المکرّمہ تشریف لے گئے، عمرہ ادا کیا، اس کے فوراً بعد مدینہ منورہ واپسی کا سفر شروع ہوا، اس طرح وہ سفر جو ۱۰/رمضان المبارک ۸/ہجری کو مدینہ سے شروع ہوا تھا، ۲۷/ذی قعدہ ۸/ہجری کو مدینہ منورہ پہنچ کر ختم ہوا۔(شرح الزرقانی:۳/۴۱)

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ایک حج ادا کیا ہے، جو ''حجۃ الوداع'' کہلاتا ہے، اور کل ۴/عمرے فرمائے، ایک تو عمرہ حدیبیہ اور دوسرا عمرۃ القضاء، تیسرا عمرۂ جعرانہ اور چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ ادا ہوا۔(بخاری:الحج: باب کم اعتمر النبی، البدایة والنهاية:٤/٧٦٦)

صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی ولادت

اسی سال ذی الحجہ ۸/ہجری میں آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے تیسرے صاحب زادے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی، آپ ﷺ نے ساتویں دن کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح فرمائے، پیدائش کے ۱۸/ماہ کے بعد شیرخواری کی

مدت ہی میں ۱۰ رہجری میں حضرت ابراہیم کی وفات ہوگئی تھی۔(سیرت النبی:۱/۳۲۸، سیرت احمد مجتبیٰ:۳/۲۸۲)

حضرت زینبؓ بنت الرسول کی وفات

اسی سال آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ زوجہ ابوالعاصؓ کی وفات کا الم ناک واقعہ بھی پیش آیا، آپ ﷺ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی اور اَشک بار آنکھوں اور غمزدہ دل کے ساتھ انہیں قبر میں اتارا، اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔(ایضاً)

کعب بن زہیر کی غلامانہ حاضری

عمرۂ جعرانہ سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں عرب کے عظیم شاعر کعب بن زہیر کو لایا گیا، یہ نامی گرامی شاعر تھے، مگر انہوں نے اپنی اس شعری صلاحیت کا استعمال اسلام دشمنی اور ہجو رسول ﷺ کے لئے کر رکھا تھا، یہ ان مجرموں کی فہرست میں تھے جن کے متعلق آپ ﷺ کا یہ حکم فتح مکہ کے موقع پر جاری ہوا تھا کہ اگر وہ خانۂ کعبہ کا پردہ بھی پکڑے ہوئے ہوں تو بھی ان کی گردن ماردی جائے، اعلانِ قتل سن کر کعب جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بالآخر

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

کعب آقا ﷺ کے دامن رحمت میں حاضر ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول: کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہوگیا ہے، آپ سے امن کا خواست گار ہے، اس کے لئے معافی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ کعب نے عرض کیا: وہ غلام میں ہی ہوں، اس کے بعد کعب نے آپ ﷺ کی شان اور منقبت میں اپنا معروف قصیدہ پڑھا، جسے ''قصیدۂ بانت سعاد'' کہا جاتا ہے، یہ قصیدہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری کا اعلیٰ نمونہ اور قصیدہ

نگاری کی بہت مستند مثال ہے، اس کے ہر ہر شعر سے آپ ﷺ کی عظمت، شاعر کی عقیدت اور محبت عیاں ہے، آقا ﷺ نے قدر افزائی کرتے ہوئے اکراماً اپنی چادر کعب کو عطا فرمادی، اسی لئے اسے قصیدۂ بردہ کہا جاتا ہے۔

اسی قصیدہ کا یہ شعر بھی ہے:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

یقیناً رسول ﷺ ایک نور ہیں، جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی کاٹ دار تلوار ہیں۔ (دیکھئے: البداية والنهاية: ٤/ ٧٧٠، قصیدہ بردہ: ٣٥، مختار من الشعر العربی)

ہجرت کا نواں سال

غزوہ تبوک

اب ہم ہجرت کے نویں سال میں ہیں، اس سال کا سب سے اہم واقعہ غزوۂ تبوک ہے، یہ غزوہ رجب ۹ رہجری میں پیش آیا ہے۔

رومن امپائر کی تشویش اور حملے کی تیاری

غزوۂ خیبر سے یہودیوں کا زور توڑا جاچکا تھا، فتح مکہ نے قریش کی کمر توڑ دی تھی، غزوۂ حنین نے قریش کے بعد عربوں کی دوسری بڑی طاقت ہوازن کی ہمت توڑ ڈالی، بلکہ حنین کا غزوہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عربوں کی آخری معرکہ آرائی تھی، اس کے بعد ان کے حوصلے بالکل ٹوٹ گئے، بلکہ اللہ نے ان کے دلوں کو اسلام کے لئے کھول دیا، جزیرۃ العرب کے بیشتر علاقوں میں اسلام اپنا نفوذ قائم کر چکا تھا، اسلام کی عظمت کے پرچم ہر طرف لہرا رہے تھے، یہ صورتِ حال رومن امپائر کے لئے بے حد تشویش ناک تھی، انہیں اپنی حکومت کی چولیں ہلتی نظر آرہی تھیں، مدینہ منورہ کے منافقین بھی قیصر روم سے خفیہ رابطے میں تھے اور اسے مدینہ منورہ پر حملے کے لئے اکسا رہے تھے، بالآخر قیصر نے مسلمانوں کے خلاف فوجیں اکٹھا کرنے کا حکم دے دیا۔(طبقات ابن سعد:۲/۱۶۵، مجمع الزوائد:۶/۱۹۱)

آپ ﷺ کو اطلاع اور تیاری

آپ ﷺ کو اپنے وسیع مخابراتی نظام کے ذریعہ اس مہم کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے

ضروری سمجھا کہ رومیوں کو حملہ کرنے میں پہل کا موقع نہ دیا جائے اور نہ انہیں عرب کی سرحد میں آنے دیا جائے، قیصر روم کی حکومت اس دور کی سپر پاور تھی، آپ ﷺ نے اس کا رعب مسلمانوں کے دلوں سے ختم کردینے کے مقصد سے اقدامی جہاد کا فیصلہ فرمایا اور دیگر جہاد کے مواقع پر جنگی حکمت عملی کے تحت اختیار کئے جانے "توریہ" (جنگی مقام اور دیگر حساس امور کو صیغۂ راز میں رکھنے) کے طریقے کے بجائے اس موقع پر سب کچھ واضح طور پر بیان فرمادیا کہ مسلمانوں کو تبوک جیسے دور دراز مقام تک جانا ہے، اور مقابلہ ایسی طاقت سے ہے جس کی حکومت آدھی دنیا پر ہے۔(بخاری:المغازی:باب حدیث کعب بن مالك)

لازمی فوجی بھرتی کا اعلان

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں " نفیر عام" (لازمی فوجی بھرتی اور جنگی شرکت) کا اعلان فرمادیا اور واضح کردیا کہ جو مسلمان شرعاً معذور نہیں ہے اور اس جنگ میں شریک ہوسکتا ہے وہ تیاری کرلے، بس اس اعلان نے گویا بجلی دوڑادی، مدینہ اور اطراف کے اہل ایمان پورے جذبۂ ایمانی اور شوقِ جہاد سے معمور ہوکر تیار ہوگئے۔

اس وقت کی موجودہ صورت حال

غور فرمایئے! جس وقت اس غزوہ کا اعلان ہوا ہے، اس وقت کی صورتِ حال کیا ہے؟ گرمی کی شدت، دھوپ کی تمازت، موسم کی ناسازگاری، معاشی بحران، باغات میں کھجور تیار ہے، اور مدینہ کی پوری تجارت اسی کھجور کی فروخت پر منحصر ہے، مزید سات سو میل کا طویل اور پر مشقت سفر درپیش ہے، ہر مجاہد کے پاس سواری بھی نہیں ہے، ایک سواری میں کئی لوگ شریک ہیں، مقابلہ وقت کی سب سے بڑی طاقت سے ہے۔

ایک طرف یہ حالات ہیں، اور جذبۂ ایمان کمزور ہو، طبیعت بہانہ جو ہو، مزاج حیلہ ساز ہو تو ان میں سے ہر چیز رک جانے کا بہانہ بن سکتی ہے، مگر قربان جایئے صحابہ کے کاروان

تقدس وشوق پر، انہوں نے تمام خطرات اور وسوسے پس پشت ڈال دیئے ہیں، دنیا اور معاش کی ہر فکر سے دامن جھاڑ لیا ہے، انہوں نے اپنے دلوں سے کھجور کے تیار باغات، ان کے پھل توڑنے کے انتظامات، ان کی دیکھ ریکھ ہر فکر اللہ ورسول ﷺ کے حکم پر قربان کردی ہے، اور روایات کے مطابق **۳۰** ؍ ہزار سے زائد صحابہ نے اپنے نام درج کرالئے ہیں۔ (شرح الزرقانی: ۳/۶۳)

مالی تعاون کی ترغیب

معاشی بحران کے ان حالات میں **۳۰** ؍ ہزار مجاہدین کے رسد اور ضروریات کی فراہمی ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے ہے، آقا ﷺ اپنے مؤثر خطاب میں مسلمانوں سے تعاون اور چندہ کی پرزور اپیل کررہے ہیں، فقر وفاقہ کے حالات کی وجہ سے اس غزوہ کو ''**غزوة العسر**'' اور اس لشکر کو ''**جیش العسرة**'' بھی کہا جاتا ہے۔ (مغازی الرسول: واقدی: ۲/۳۴۵)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

کون خوش نصیب ہے جو عالم تنگ دستی میں شوقِ جہاد رکھنے والے اس لشکر کے لئے ضروری اسباب فراہم کرنے کی سعادت حاصل کرے اور پھر اسے جنت عطا ہو جائے۔ (بخاری: الوصایا: باب اذا وقف الخ)

صحابہ کا جذبۂ انفاق

یہ اعلان سن کر راہِ خیر میں مسابقت کا جذبہ صحابہ میں ابھر آیا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ اپنا کل اثاثہ بارگاہِ نبوی میں لے آئے ہیں، آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر عرض کیا ہے کہ میرے لئے اللہ ورسول کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر کا نصف اثاثہ لے کر حاضر ہوئے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ آج شاید اس کار خیر میں مجھے ابو بکر پر سبقت حاصل ہو جائے گی، مگر جب یہ معلوم ہوا ہے کہ ابو بکر تو کل اثاثہ نذر کر چکے ہیں، تو بے اختیار کہنے لگتے ہیں: ابو بکر! آپ سے آگے کوئی نہیں جا سکتا ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

(ابو داؤد: الزکوۃ: باب فی الرخصة فی ذالك)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۰۰/اوقیہ سونا اور ۲۰۰/اوقیہ چاندی کا گراں قدر تعاون پیش کر رہے ہیں، حضرت عاصم بن عدی ۱۰۰/وسق کھجوریں دے رہے ہیں۔ (المغازی: للواقدی: ۲/ ۳۸۰)

اور ذوالنورین سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو تو من جانب اللہ "مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ" (اس لشکر کو تیار کرنے والے جیالے) کا اعزاز عطا ہونا تھا، انہوں نے اپنی دولت کے دہانے کھول دئے، پہلے مرحلے میں دوسو اونٹ اور دوسو اوقیہ چاندی حاضر کی، پھر دوسرے مرحلے میں مزید ۱۰۰/اونٹ مع ساز وسامان حاضر کر دئے، پھر اس کے بعد مزید ۱۰۰۰/دینار نذر کر دئے، اور پھر مختلف قسطوں میں اپنا تعاون پیش کرتے رہے۔ (شرح الزرقانی: ٣/ ٦٤، عثمان ذو النورين: مولانا سعید اکبرآبادی: ٨)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس فیاضی نے آقا ﷺ کے دل میں مسرت کی لہر دوڑا دی ہے، اور آقا ﷺ نے فرما دیا ہے کہ:

اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہو گیا، آپ بھی راضی ہو جایئے۔

مزید فرمایا کہ اب اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا، انہوں نے ایسا کردار پیش کیا ہے کہ اب تا دم مرگ کوئی اور کام نہ کریں تب بھی بخشش کے لئے بس ہے۔

(مسند احمد: ٥/ ٦٣)

روایات بتاتی ہیں کہ عجیب وغریب جذبۂ سخاوت تھا، انفاق فی سبیل اللہ کا انتہائی مثالی نمونہ صحابہ پیش کررہے تھے، جس کے پاس جو تھا بخوشی نذر کررہا تھا، مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر لگ گیا تھا۔

غرباء کا کردار

دربار رسالت کے غرباء کا کردار بھی اس موقع پر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، حضرت ابوعقیل انصاریؓ غریب صحابی ہیں، ان کے پاس تعاون پیش کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، مگر دل مانتا نہیں، رات بھر ایک یہودی کے کھیت میں پانی پہنچانے کی مزدوری کرتے رہے، صبح کو ۴ رسیر کھجور اجرت ملی، دوسیر گھر والوں کو دے کر باقی دوسیر کی پوٹلی آقا ﷺ کی خدمت میں لائے ہیں، صحن مسجد میں عطیات کا ڈھیر دیکھ کر ان کے قدم رک گئے ہیں، کہاں یہ گراں قدر عطیات اور کہاں یہ بے حقیقت پوٹلی؟

آقا ﷺ بھانپ جاتے ہیں، ابوعقیل کو آگے بلاتے ہیں، ابوعقیل پوری داستان عرض کرتے ہیں، آقا ﷺ ابوعقیل کی پیٹھ تھپتھپاتے ہیں، ان کے جذبۂ ایثار کی قدر کرتے ہیں، حکم فرماتے ہیں کہ ابوعقیل کی کھجوریں تمام عطیات کے ڈھیر پر بکھیر دو۔ (سیرت احمد مجتبی: ۳/ ۳۰۰)

اس طرح آپ ﷺ نے یہ پیغام دیا ہے کہ لوگو! اللہ کے دربار میں اصل قیمت مقدار، کمیت اور کوانٹٹی کی نہیں؛ بلکہ معیار، کیفیت، کوالٹی، جذبۂ دل، نیت باطن اور خلوصِ قلب کی ہے، اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جانے والا ایک معمولی سامان بھی سیم وزر کے اس گنجینے پر بھاری ہے جس کی پشت پر ریا اور نمود کے جذبے کارفرما ہوں۔

منافقین کا خبث اور قرآن کی صراحت

مارِ آستین منافقین اس موقع پر اپنے خبث باطن کا اظہار بھی خوب خوب کررہے تھے، جو مسلمان زیادہ مال لارہا تھا اسے ریاکار ہونے کا طعنہ دیتے اور جو مسلمان کم مال لاتا اسے یہ

کہتے کہ اللہ اس کے تعاون سے بے نیاز ہے، اللہ نے ان کم ظرفوں کی اس حرکت کا نوٹس لیا اور فرمادیا:

الَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ، سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ. (التوبة: ۷۹)

یہ وہی منافق ہیں جو خوشی سے دل کھول کر صدقہ کرنے والے اہل ایمان کو بھی طعنہ دیتے ہیں، اوران کو بھی طعنہ دیتے ہیں، جنہیں اپنی محنت کی آمدنی کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے، اس لئے یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑاتا ہے اوران کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

بکائین کا مقدس گروہ

اسی موقع پر جذبۂ جہاد سے معمور ومخمور سات مسلمان حاضر خدمت ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! جہاد کا شوق بے تاب کررہا ہے، سواری کا انتظام نہیں، آپ ﷺ انتظام فرمادیجئے، آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے پاس سواری کا بندوبست نہیں ہے، بس یہ سن کر گویا ان کے دلوں پر آرے چل جاتے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا ہے۔(شرح الزرقانی:۳/۶۶)

غور فرمایئے! یہ ''بَکَّائِیْن'' (رونے والوں) کا وہ مقدس گروہ ہے جن کی آنکھوں کے اشک اللہ کے دربار کرم میں موتی قرار پائے ہیں، اللہ ان کے آنسوؤں کا ذکر کرتا ہے:

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَا اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ، تَوَلَّوْا وَاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ. (التوبة/۹۲)

جنگ میں شرکت نہ کر سکنے کی صورت میں ان لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں جنہوں نے آپ سے سواریاں بہم پہنچانے کی درخواست کی تھی، آپ نے کہا تھا کہ میرے پاس تو تمہاری سواریوں کا انتظام نہیں ہے، وہ اس حالت میں مجبوراً واپس ہوئے تھے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور انہیں اس کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔ (سیرت احمد مجتبی: ۳/ ۳۰۲)

حضرت علیہ بن یزیدؓ کی عجیب دعا

جماعت صحابہ میں ایک جاں نثار حضرت علیّہ بن یزیدؓ بھی ہیں، دل جہاد کے لئے تڑپ رہا ہے، سواری نہیں ہے، وہ دیکھ رہے ہیں کہ سواری مانگنے والے آقا ﷺ کے دربار سے نامراد لوٹ رہے ہیں، ان سے رہا نہیں جاتا، تہجد کا وقت ہے، نورانی فضا ہے، علیّہ اپنے رب کی بارگاہ میں دست دعا دراز کئے ہوئے بہتے آنسوؤں کے ساتھ عرض گذار ہیں:

الٰہ العالمین! آپ کی راہ میں نکلنے کی ساعت آچکی ہے، جہاد کا وقت قریب ہے، آپ کے رسول ﷺ جہاد کی ترغیب دے رہے ہیں، مگر آقا: میں بالکل خالی ہاتھ ہوں، رسولِ خدا ﷺ کے پاس بھی کچھ نہیں ہے، خداوندا! اس بے بسی میں ع

میں تہی دست ہوں کیا پیش کروں تیرے حضور

میرے پاس تو بس میری عزت ہے، میری جان ہے، میں اسی کو تیری راہ میں قربان کرتا ہوں۔

فجر کی نماز ہو چکی ہے، آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ صدقہ کرنے والا کھڑا ہو جائے، علیّہ کھڑے ہو گئے ہیں، اور کانپ رہے ہیں، آقا ﷺ فرماتے ہیں:

علیّہ! خوش ہوجاؤ، اس رب کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہارا صدقہ بارگاہِ حق میں قبول کیا جاچکا ہے۔ (زاد المعاد:۳/ ٣٤)

یہ بڑی پرلطف داستان ہے، کیا بیان کیا جائے، کیا چھوڑا جائے، ایثار، قربانی، فدائیت، سخاوت، کریم النفسی، اطاعت، تسلیم ورضا، اور توکل واعتماد علی اللہ کے ان گنت نمونے صحابہ کی مقدس جماعت نے اس موقع پر امت کے لئے پیش کئے ہیں۔

منافقین کی تخریب کاریاں

ایک طرف یہ ہورہا تھا، دوسری طرف منافقین اپنی تخریب کاریوں میں زور وشور سے لگے ہوئے تھے، ان کا مشن یہ تھا کہ یہ مہم ناکام بنادی جائے، وہ مخلص مسلمانوں کو جہاد سے روک رہے تھے، خطرات سے ڈرارہے تھے، موسم کی تمازت سے خوف زدہ کررہے تھے، قرآن کہتا ہے:

وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ. (التوبة/ ٨١)

وہ کہہ رہے تھے کہ اس گرمی میں نہ نکلو، آپ فرمادیجئے کہ جہنم کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے، کاش ان کو سمجھ ہوتی۔

اس موقع پر منافقوں کی ایک خفیہ سازشی میٹنگ ''سویلم'' نامی شخص کے گھر پر ہورہی تھی، آپ ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت طلحہ کو حکم دیا کہ اس گھر کو جلادیا جائے، بالآخر گھر جلادیا گیا، اور میٹنگ میں شریک لوگ چھت سے کود کر بھاگے۔ (سیرت ابن هشام:۲/ ٥٢٠)

مسجد ضرار

اس واقعہ کے بعد منافقوں نے اپنی پالیسی بدلی، اور اپنی تخریب کاری کو عبادت وتقدس کے لبادے میں چھپایا، اور ایک میٹنگ ہال متعین کرکے اسے مسجد کا نام دیا، وہاں جمع

ہونے لگے، مقصد یہ تھا کہ مسجد کی آڑ میں ہم اپنی سازشی کارروائیاں کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو شبہ بھی نہ ہوگا، انہوں نے آپ ﷺ سے بطور برکت وہاں نماز ادا کرنے کی پیشکش بھی رکھی، مگر آپ ﷺ نے اس کو تبوک سے واپسی پر ٹال دیا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تمام سرگرمیاں بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بتادیں، اور بالآخر تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے اس مسجد نما تخریب کے اڈے کو آگ لگوادی، قرآن میں فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ مِنْ قَبْلُ، وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ.

(التوبۃ/ ۱۰۷)

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، اہل ایمان میں پھوٹ ڈالیں، اور اس شخص کو ایک اڈہ فراہم کریں، جس کی پہلے سے اللہ ورسول کے ساتھ جنگ ہے، اور یہ لوگ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں۔(دیکھئے: سیرت ابن ہشام:۲/ ۵۲۱، زاد المعاد:۳/ ۲۵۱)

منافقین کی بہانہ بازی

سفر جہاد شروع ہونے سے پہلے منافقوں نے مختلف بہانوں سے چھٹی چاہی، آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ بہانہ باز اور جھوٹے ہیں، مگر آپ ﷺ نے ان فتنہ پروروں کو دور رکھنا ہی بہتر سمجھا اور چشم پوشی سے کام لیا۔

لشکر کی روانگی اور حضرت علیؓ کا مدینہ میں قیام

رجب ۹ھ ہجری میں لشکر اسلامی روانہ ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی انتظامی ذمہ داری حضرت محمد بن مسلمہ کے سپرد کی ہے۔ (سیرت المصطفی: ۳/۸۸)

اور خصوصی نگرانی کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرمایا ہے، حضرت علی نے شرکت جہاد کی آرزو ظاہر کی، مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُوْنَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ إِلَّا أَنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِيْ. (بخاری: المغازی: باب غزوة تبوك)

تم اس وقت میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے، ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

یہ اعزاز حضرت علیؓ کو عطا ہوا، اور یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ منافقوں کی موجودگی میں مدینہ منورہ کی داخلی نگرانی کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسی قد آور اور صاحب بصیرت وفراست شخصیت کا قیام ضروری ہے۔

قافلۂ جہاد: دورانِ سفر

قافلۂ جہاد تبوک کی طرف محوسفر ہے، ایسا لگتا ہے کہ سفر کی تمام صعوبتیں اور مشقتیں ان مجاہدین حق کے لئے سہل بنادی گئی ہوں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قافلے سے اِکا دُکا لوگ پھر جاتے، آپ ﷺ کو خبر ملتی تو فرماتے کہ:

اگر اس میں کچھ بھی خیر ہوگی تو وہ ہم سے آملے گا، ورنہ بہتر ہوا کہ اس سے نجات مل گئی۔ (سیرت احمد مجتبی: ۳/۳۰۵)

اس طرح یہ سفر اہل ایمان اور منافقوں کے درمیان کسوٹی اور فاصل بھی ثابت ہوا۔

حضرت ابوذرؓ

اسی دوران ایک مرحلہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی بچھڑ گئے، ان کی اونٹنی انہیں پریشان کرنے لگی، تنگ آ کر سامان لے کر پیدل ہی چل پڑے، آپ ﷺ کو ابوذر کے بچھڑنے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سکوت فرمالیا، اگلی منزل پر قافلہ رکا، دور سے ایک سایہ سا ابھرا، لوگوں نے عرض کیا کہ کوئی آ رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوذر ہوں گے، پھر وہ واقعی ابوذر ہی نکلے، آقا ﷺ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ أَبَا ذَرٍّ يَمْشِیْ وَحْدَہُ وَيَمُوْتُ وَحْدَہُ وَيُبْعَثُ وَحْدَہُ.

اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے، تنہا چلے گا، تنہا اسے موت آئے گی، قیامت میں تنہا اٹھایا جائے گا۔ (زاد المعاد: ۳/ ۳۸)

حضرت ابوخیثمہؓ

حضرات! اس موقع پر داستان حضرت ابوخیثمہ کے عشق رسول ﷺ کا ذکر کئے بغیر کیسے مکمل ہوسکتی ہے؟ ابوخیثمہ اس سفر جہاد میں آقا ﷺ کے ساتھ نہیں جا سکے ہیں، خوش حال صحابی ہیں، دو بیویاں ہیں، گھر پہنچے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ گھر آراستہ ہے، دسترخوان سجا ہوا ہے، خوشبو معطر کر رہی ہے، یہ دیکھ کر ان کا ضمیر انہیں کچوکے لگاتا ہے:

تم اس آرام میں، اور آقا ﷺ صعوبتوں کے سفر میں۔

غیرت جوش میں آئی، فوراً سفر جہاد پر نکل کھڑے ہوتے ہیں، قریب پہنچتے ہیں، قافلۂ اسلام کے مجاہدین دور سے دیکھتے ہیں کہ کوئی آ رہا ہے، آقا ﷺ فرماتے ہیں:

كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ.

یہ تو ابوخیثمہ معلوم ہوتے ہیں۔

بالآخر وہ ابوخیثمہ ہی نکلے، آقا ﷺ کو ان کی آمد سے دلی مسرت ہوتی ہے۔(ایضاً)

مدائن صالح سے گذر اور نبوی تنبیہ

اسی سفر میں ہلاک شدہ قوم ثمود کی معذب بستی ''حجر'' (مدائن صالح) سے بھی قافلہ گذرا تھا، آپ ﷺ نے حکم فرمادیا کہ اس علاقے سے تیزی سے گذرو، روتے ہوئے، عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہوئے، پچھلوں کے انجام بد سے سبق لیتے ہوئے گذرو، آپ ﷺ نے خود چادر سے سر اور چہرہ ڈھک لیا اور تیزی سے سواری گذاردی، کچھ صحابہ نے وہاں سے پانی لیا تھا، آپ ﷺ نے وہ پانی پھنکوادیا۔(بخاری:احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالیٰ: والی ثمود الخ)

اس طرح یہ پیغام دیا کہ یہ معذب بستیاں عبرت گاہ ہیں، نہ کہ تفریح گاہ، سیرتِ نبوی کا یہ باب موجودہ دل دادگانِ سیر وسیاحت کے لئے کھلا پیغام ہے۔

تبوک آمد، قیام اور واپسی

ایک ماہ کی مسافت طے کرکے یہ قافلہ تبوک پہنچا ہے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا ہے کہ رومن فوجیں سرحد سے دور ہیں، ان پر آپ ﷺ اور مسلمانوں کی دھاک جمی ہوئی ہے، وہ ٹکرانے کے موڈ میں نہیں ہیں، آقا ﷺ کے اس سفر کا مقصد رومیوں کو مرعوب ہی کرنا تھا، اور اللہ کے فضل سے بغیر جنگ کے یہ مقصد حاصل ہوگیا تھا، ۲۰/دن قیام کے بعد آپ ﷺ نے واپسی فرمائی اور بعافیت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔(طبقات: ۱/۴۵۷)

اس غزوہ نے جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کے استحکام پر آخری مہر لگادی، اور سب کو یقین ہوگیا کہ جزیرۃ العرب میں اب صرف اسلام کی طاقت ہی غالب وزندہ رہے گی، اس غزوہ نے منافقوں کو بھی بالکل بے نقاب کردیا، ان کے حوصلے بالکل پست ہوگئے اور حالات نے انہیں بالکل ننگا کردیا۔

خطبۂ تبوک

تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک مثالی اور بلیغ خطبہ دیا تھا، ۵۰؍ سے زائد فقروں پر مشتمل اس خطبہ کا ہر ہر جملہ گوہر یکتا اور ہر ہر لفظ فصاحت کا شاہکار ہے، یہ آقا ﷺ کے جوامع الکلم کا روشن نمونہ بھی ہے، اور حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں کو اپنے دامن میں بے حد خوب صورتی سے سموئے ہوئے بھی ہے، اور اس کا ایک ایک فقرہ لوح دل پر نقش کرنے اور آبِ زر سے رقم کرنے کے قابل ہے۔

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ.

سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے۔

وَأَوْثَقُ الْعُرَىٰ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ.

سب سے مضبوط حلقۂ زنجیر تقوی کی بات ہے۔

وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيْمَ.

سب سے بہترین ملت حضرت ابراہیم کی ملت ہے۔

وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ.

سب سے بہترین سنت محمد ﷺ کی سنت ہے۔

وَأَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ.

سب سے باعظمت بات اللہ کا ذکر ہے۔

وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْآنُ.

سب سے بہترین بیان یہ قرآن ہے۔

وَخَيْرُ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا.

سب سے بہتر کام صحیح طور پر توجہ اور پختگی کے ساتھ کئے جانے والے کام ہیں۔

وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا.

سب سے بدترین چیز بدعتیں ہیں۔

وَأَحْسَنُ الْهُدٰی هَدْيُ الْأَنْبِيَاءِ.

سب سے بہتر راہ زندگی انبیاء کا طریقہ ہے۔

وَأَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ.

سب سے باعزت موت شہداء کی ہے۔

وَأَعْمَی الْعَمٰی الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰی.

سب سے بڑی بے بصری سیدھی راہ پانے کے بعد گمراہی ہے۔

وَخَيْرُ الْعِلْمِ مَا نَفَعَ.

سب سے بہتر علم وہ ہے جو نفع بخش ہو۔

وَخَيْرُ الْهُدٰي مَا اتُّبِعَ.

سب سے بہتر طریقہ وہ ہے جس کی اتباع کی جائے۔

وَشَرُّ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ.

سب سے بدتر نابینائی قلب کی نابینائی ہے۔

وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰی.

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔

وَمَا قَلَّ وَكَفٰی خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰی.

جو مال کم اور کافی ہو وہ غافل کردینے والے زیادہ مال سے بہتر ہے۔

وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِيْنَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ.

انتہائی بری عذرخواہی (توبہ) موت کے وقت کی عذرخواہی ہے۔

وَشَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

سب سے بری ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لا يَأْتِي الصَّلاةَ إِلَّا دُبُرًا.

کچھ لوگ نماز میں بہت دیر ہی سے آتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ إِلَّا هُجْراً.

کچھ لوگ اللہ کا ذکر برائے نام ہی کرتے ہیں۔

وَأَعْظَمُ الْخَطَايَا اللِسَانُ الْكَذُوبُ.

سب سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔

وَخَيْرُ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ.

سب سے بہتر مالداری نفس کا غنا ہے۔

وَخَيْرُ الزَادِ التَّقْوىٰ.

سب سے بہتر توشہ تقوی ہے۔

وَرَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ.

دانائی کا اونچا درجہ خوف خدا ہے۔

وَخَيْرُ مَا وَقَرَ فِيْ الْقُلُوْبِ الْيَقِيْنُ.

دلوں میں جاگزیں ہونے والی سب سے بہتر چیز یقین ہے۔

وَالارْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ.

شک کفر کی ایک قسم ہے۔

وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ.

نوحہ خوانی جاہلیت کا عمل ہے۔

وَالْغُلُوْلُ مِنْ جُثَاءِ جَهَنَّمَ.

مال غنیمت میں خیانت جہنم کی تپش کا سبب ہے۔

وَالْكَنزُ كَيٌّ مِنَ النَّارِ.

(ناجائز) خزانہ جہنم کی آگ سے داغ ہے۔

وَالشِّعْرُ مِنْ مَزَامِيرِ إِبْلِيسَ.

(برا) شعر ابلیس کی بانسری ہے۔

وَالْخَمْرُ جُمَّاعُ الإِثْمِ.

شراب مجموعۂ گناہ ہے۔

وَالنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّيْطَانِ.

عورتیں شیطان کا جال ہیں۔

وَالشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِنَ الْجُنُوْنِ.

نوجوانی جنون کی ایک قسم ہے۔

وَشَرُّ الْمَكَاسِبِ كَسْبُ الرِّبَا.

سب سے بدتر کمائی سود کی کمائی ہے۔

وَشَرُّ الْمَأْكَلِ مَالُ الْيَتِيمِ.

سب سے بدتر خوراک یتیم کا مال ناحق کھانا ہے۔

وَالسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ.

خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

وَالشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ.

سب سے بڑا بدنصیب وہ ہے جو پیدائشی بدنصیب ہو۔

وَإِنَّمَا يَصِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى مَوْضِعِ أَرْبَعِ أَذْرُعٍ.

تم میں سے ہر ایک کو بس چار ہاتھ زمین (قبر) تک پہنچنا ہے۔

وَالْأَمْرُ بِآخِرَتِهِ.

معاملہ آخرت کے سپرد ہو جانا ہے۔

وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهُ.

عمل کی اصل حقیقت خاتمہ ہے۔

وَشَرُّ الرَّوَايَا رَوَايَا الْكَذِبِ.

نقل کی جانے والی باتوں میں سب سے بدتر جھوٹی باتیں ہیں۔

وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيبٌ.

ہر آنے والی چیز قریب ہے۔

وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ.

مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

وَقِتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ.

مومن سے جنگ کرنا کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ.

مسلمان کا گوشت کھانا (غیبت) اللہ کی نافرمانی ہے۔

وَحُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ.

مسلمان کے مال کی عظمت جان کی عظمت کی طرح ہے۔

وَمَنْ يَتَأَلَّ عَلَى اللّٰهِ يُكَذِّبْهُ.

جو جھوٹی قسم کھاتا ہے اللہ اسے جھوٹا ثابت کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يَغْفِرْ يَغْفِرِ اللّٰهُ لَهُ.

جو دوسروں سے درگزر کرتا ہے، اللہ اس سے درگزر فرمائے گا۔

وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ.

جو دوسرے کو معاف کر دیتا ہے، اللہ اسے معاف فرمادے گا۔

وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ.

جو غصہ پی جاتا ہے، اللہ اسے اجر عطا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ.

جو مصیبت اور حق تلفی پر صبر کرتا ہے، اللہ اسے بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ.

جو شہرت کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اللہ اسے بدنام کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يَصْبِرْ يُضَعِّفِ اللّٰهُ لَهُ.

جو ثابت قدم رہتا ہے، اللہ اسے دوگنا عطا فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ.

جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ اس کو عذاب دیتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَلِأُمَّتِي.

خدایا: مجھے اور میری امت کو معاف فرمادیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَلِأُمَّتِي.

اے اللہ: میری اور میری امت کی مغفرت فرمادیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَلِأُمَّتِي.

بارالٰہا: مجھ سے اور میری امت سے درگزر فرمادیجئے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ.

میں اللہ سے اپنے لئے اور تم سب کے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں۔

(البیهقي فی الدلائل:۲۶۲/۵، زاد المعاد:۴۷/۳، خطبۂ تبوك: محمد میاں صدیقی)

حضرت ذوالبجادینؓ کی داستان عزیمت

قبیلہ مزینہ کا نوجوان ''عبدالعزیٰ'' فتح مکہ کے بعد قبولِ اسلام کا شرف حاصل کرتا ہے، اپنے چچا سے کہہ رہا ہے کہ میں مدینہ جا رہا ہوں، چچا نے کہا کہ سب چیزوں سے دست بردار ہونا پڑے گا، وہ جوان عرض کرتا ہے کہ سب کچھ حاضر ہے، چچا نے کپڑے بھی اتروا لئے ہیں، ماں نے کمبل دیا ہے، اس نے کمبل کے دو ٹکڑے کئے ہیں، ایک ٹکڑا تہہ بند کے طور پر باندھا اور دوسرا اوڑھ لیا ہے۔

ایک بے خودی کے عالم میں وہ جوان مدینہ منورہ پہنچتا ہے، فجر کی نماز کے بعد آقا ﷺ کے حضور حاضر ہوتا ہے، آقا ﷺ نے داستان سنی ہے، یہ وہ خوش نصیب ہے جس نے حق کے لئے وطن چھوڑ دیا ہے، گھر بار چھوڑ دیا ہے، اہل وعیال چھوڑ دیئے ہیں، حد یہ ہے کہ اپنا لباس بھی چھوڑ دیا ہے، آقا ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نام عبداللہ ہے، اور لقب ''**ذُوْ الْبِجَادَیْنِ**'' (دو کپڑوں والا) ہے۔

مجاہدین تبوک کے قافلے میں یہ عبداللہ بھی شامل ہیں، آقا ﷺ سے عرض کرتے ہیں:

دعا فرمادیجئے کہ مجھے شہادت کا اعزاز نصیب ہو جائے۔

آقا ﷺ نے دعا کی:

اے اللہ! میں اس کا خون دشمنوں پر حرام کرتا ہوں۔

عبداللہ بولے:

یارسول اللہ! میں تو شہادت کی تمنا لے کر آیا ہوں۔

آقا ﷺ نے فرمایا:

انسان جہاد کی راہ میں طبعی موت بھی مرجائے تو شہید ہوتا ہے۔

ابھی قافلہ راستے ہی میں ہے کہ عبداللہ کو بخار نے آگھیرا ہے، اور تبوک پہنچ کر عبداللہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے ہیں، رات کے اندھیرے میں قبر تیار ہوتی ہے، آقا ﷺ خود قبر میں اترے ہیں، اپنے ہاتھوں سے عبداللہ کو دفن کیا ہے، اور پھر اپنے ہاتھ اپنے رب کے دربار میں اٹھادئے ہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَمُسَیُتُ رَاضِیاً عَنُهُ فَارُضَ عَنُهُ.

اے اللہ! میں آج شام تک اس سے خوش تھا، آپ بھی اس سے راضی ہوجایئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ دعا سنی تو بے اختیار تمنا ہوئی: کاش اس قبر میں لٹایا جانے والا میں ہوتا۔(اسد الغابة:لابن الاثیر:۵/۱٦۷)

منافقوں کی سازش اور ناکامی

تبوک سے واپسی کے سفر میں ایک مقام پر ایک گھاٹی کے پاس ۱۲/منافقوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی ناپاک کوشش کی، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عمار و حذیفہ رضی اللہ عنہما تھے، باقی صحابہ وادی کے نشیب میں تھے، آپ ﷺ کے اشارہ پر حضرت حذیفہ نے ان کا تعاقب کیا، بالآخر وہ بھاگ کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو ان کے نام بتائے، اسی لئے حضرت حذیفہ کو ’’صَاحِبُ سِرِّ الرَّسُوُلِ‘‘ (رسول ﷺ کا رازدار) کہا جاتا ہے۔(دلائل النبوة: للبیهقی:۵/۲٦۰، الدرالمنثور:للسیوطی:۴/۲۴۴، زاد المعاد:۳/۴۹)

لیکن آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

تبوک میں بلا عذر شریک نہ ہونے والے صحابہ کا عام مقاطعہ

تبوک سے واپسی پر ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ من جانب اللہ آپ ﷺ کے حکم پر بغیر کسی عذر کے تبوک میں شریک نہ ہونے والے تین صحابہ کا اجتماعی مقاطعہ کیا گیا۔

حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ، یہ تین صحابہ کسی معذوری کے بغیر بس سستی اور کوتاہی اور آج کل کے چکر کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے، آپ ﷺ کی واپسی پر ان حضرات نے اپنے قصور کا اقرار کیا، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ شیطان میرے دل میں جھوٹے بہانے ڈالتا رہا، مگر اللہ نے حفاظت کی، مجھے یقین تھا کہ میں جھوٹ بولوں گا، تو وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو خبر کر دی جائے گی اور میں کہیں کا نہ رہ جاؤں گا، اس لئے میں نے بلا تردد اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

آقا ﷺ نے حکم جاری کر دیا کہ ان تینوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے، یہ ان مخلصین کی آزمائش تھی، ہر مسلمان آقا ﷺ کے اس حکم پر عمل کر رہا ہے، کوئی ان سے بات کرنے کو روادار نہیں، اپنے بیگانے ہو گئے، اسی دوران شاہ غسان نے حضرت کعب کے نام خط بھیجا کہ تم کو رسوا کیا جا رہا ہے، ہم سے آملو، ہم تم کو اعزاز دیں گے، حضرت کعب نے اس کو اپنے ایمان کی خطرناک آزمائش سمجھا، اور خط کو آگ کے حوالے کر دیا، چالیس دنوں کے بعد بیویوں سے بھی الگ ہونے کا حکم آیا۔

بالآخر ۵۰/دن گذرنے کے بعد اللہ کی طرف سے وحی اتری، توبہ قبول کی گئی، بشارت سنائی گئی، حضرت کعب خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کا رخِ انور چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا، آقا ﷺ نے فرمایا: کعب! جب سے تم پیدا ہوئے ہو اس وقت سے آج تک اس سے بہتر دن تمہاری زندگی میں نہیں آیا، حضرت کعب نے پورا مال صدقہ کرنے کی آرزو ظاہر کی، آقا ﷺ نے فرمایا کہ سب نہیں، کچھ صدقہ کرو، اور کچھ اپنے لئے رکھو، اس

کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے تا زندگی صداقت شعار رہنے کا عہد بھی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کرنے سے پہلے اپنے نبی ﷺ اور انصار ومہاجرین کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ، اِنَّهُ بِهِمْ رَؤُفٌ رَحِيْمٌ. (التوبة: ۱۱۷)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین وانصار پر جنھوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جب کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔

پھر اس کے بعد ان تینوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر آیا ہے:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا اَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (التوبة: ۱۱۸)

اور ان تینوں پر بھی اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی پکڑ سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا تا کہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں، یقین جانو اللہ بہت

معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔(تفصیل کے لئے دیکھئے:بخاری: المغازی: باب حدیث کعب بن مالك)

اللہ نے یہ ترتیب اس لئے اختیار کی کہ اگر صرف ان تینوں کی توبہ ہی کا ذکر ہوتا تو یہ احساس کم تری کا شکار ہو سکتے تھے، اللہ نے اپنے ان مخلص بندوں کو تنہائی اور کمتری کے احساس سے نکالنے کے لئے نبی اکرم ﷺ اور انصار ومہاجرین کو بھی شامل فرمایا، یہ اللہ کی طرف سے ان کی عزت افزائی اور ان کی تسکین خاطر ہے۔

یہ واقعہ اپنے دامن میں ایک طرف تو یہ سبق رکھتا ہے کہ کسی بھی اجتماعی کام میں بغیر کسی معقول عذر کے امت کے کسی فرد کو پیچھے رہنے کی گنجائش نہیں ہوتی، اجتماعی مشن میں ہدفِ مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہر فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے سر گرم عمل نہ ہو۔

دوسری طرف انسان کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں صداقت اور راست بازی کی اہمیت بھی اس سے آشکارا ہوتی ہے، اسی لئے قرآن وحدیث کی تعلیمات صداقت اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی واضح تلقینات سے لبریز ہیں۔

۹ ؍ہجری کا حج

راجح قول کے مطابق ۹ ؍ہجری میں حج بیت اللہ کی فرضیت کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلاً.

(ال عمران/ ۹۷)

لوگوں میں سے جو لوگ بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔

ذی قعدہ ۹ ؍ہجری میں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا اور تین سو صحابہ کو ان کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا۔

یہ حج مشترک تھا، اس میں کچھ مشرک بھی تھے، سفر شروع ہونے کے بعد سورۃ التوبہ کی آیات نازل ہوئیں، آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حج کے موقع پر وہی آیات سنانے اور کچھ ضروری اعلانات کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔

چناں چہ پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کردیا گیا کہ آئندہ سے کسی غیر مسلم کو سرزمین حرم میں داخلے کی اجازت نہیں ہوگی، کسی کو برہنہ طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، آپ ﷺ نے جس سے کوئی معاہدہ کیا ہے وہ معاہدہ اپنی متعینہ مدت تک باقی رہے گا، باقی دیگر لوگوں کو چار ماہ کی مہلت ہے، اس دوران دین حق میں داخل ہوجائیں یا کہیں اور سکونت اختیار کرلیں۔(طبقات:۲/۱۶۸، مسند احمد:۱/۷۹، سیرت احمد مجتبی:۳/۳۲۹)

اس حج میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت درحقیقت یہ اشارہ تھا کہ آئندہ خلافت کا منصب اولین طور پر انہیں کے حصہ میں آنا ہے، اوران سے بڑھ کر کوئی اس کے لئے موزوں نہیں ہے، یہ حج آئندہ سال ہونے والے حجۃ الوداع کی تمہید بھی تھا اور مسلمانوں کی بالادستی اور حق کی سربلندی اور بت پرستی کے خاتمے کا نمایاں اعلان بھی تھا۔

اہل بیت نبوی کے مجاہدات

سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذاتی زندگی اور آپ ﷺ کے اہل بیت کی زندگی سراپا زہد ومجاہدہ زندگی تھی، قربانی کے ہرموقع پر آپ ﷺ اور اہل بیت آگے رہتے تھے اور منافع کے ہرموقع پر پیچھے رہتے تھے، روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو خادم عطا فرمائے، مگر اپنی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ضرورت کے باوجود نہیں دیا؛ بلکہ انہیں تسبیحات واذکار کی پابندی کا حکم دیتے ہوئے اسے خادم سے بہتر بتایا۔(بخاری: فرض الخمس:باب الدلیل الخ)

ایلاء اور تخییر

آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات بے انتہا قناعت پسند اور صبر شعار خواتین تھیں، اکثر فقر

وفاقہ کا عالم رہتا تھا، ایک موقع پر کچھ ازواج نے نان ونفقہ ولباس اور گھر کے اخراجات کے لئے کچھ وسعت کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ کو یہ مطالبہ ناگوار ہوا، بعض روایات میں کچھ اور واقعات کا بھی ذکر آیا ہے، آپ ﷺ نے ازواج کی تادیب کے لئے ایک ماہ ان سے علاحدگی کا قصد فرمایا، جسے شریعت کی اصطلاح میں ''ایلاء'' کہا جاتا ہے۔ (بخاری: الطلاق: باب قول الله: للذين يولون الخ)

یہ مدت آپ ﷺ نے مسجد سے اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے اوپری کمرے میں گذاری۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شور ہو گیا کہ آپ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے، افراتفری کا عالم تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہیں گیا، آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کئی مرتبہ کی درخواست کے بعد باریابی کی اجازت ملی، پہنچے تو دیکھا کہ آقا ﷺ غم زدہ ہیں، ایک چٹائی پر تہہ بند میں لیٹے ہیں، جسم اقدس پر بوریے کے نشان پڑ گئے ہیں، سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے، ایک طرف مٹی کے برتن میں جو کے کچھ دانے ہیں، دوسری طرف پانی کا ایک مشکیزہ ہے، یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے قابو ہو جاتے ہیں، اور زاروقطار رونے لگتے ہیں، آپ ﷺ نے رونے کا سبب دریافت کیا، عمر عرض کرتے ہیں: آقا ﷺ! اللہ کے دشمن قیصر وکسریٰ ریشم ودیبا کے بستروں میں ہیں، اور آپ حبیب اللہ ہو کر اس حال میں ہیں، آپ اللہ سے اپنے لئے اور امت کے لئے کشادگی کی دعا فرمایئے۔

آقا ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ابن خطاب! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے عقبیٰ، وہ دنیا کے مزے لوٹ لیں اور ہمارا نصیب آخرت کی ابدی نعمتیں ہوں۔ (مسلم: الطلاق: باب فی الایلاء)

اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا، تاآں کہ آقا ﷺ کا ملال دور ہو گیا، بالآخر

۲۹؍دن کے بعد ازواج کے پاس آئے، دریافت کرنے پر بتایا کہ یہ مہینہ ۲۹؍دن کا تھا۔

(بخاری: الطلاق: باب قول الله: للذين يولون الخ)

اور سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور پھر باری باری تمام ازواجِ مطہرات کے سامنے آیت تخییر سنا کر فرمایا کہ تم اچھی طرح غور وفکر اور مشورہ کے بعد فیصلہ کرلو۔

ارشادِ ربانی ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيْلاً، وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ الدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجراً عَظِيْماً. (الأحزاب: ۲۸-۲۹)

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دیکر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کی طلب گار ہو تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کسی مشورے کی ضرورت نہیں، میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں، پھر تمام ازواج کا یہی جواب تھا کہ ہمیں صرف آپ ﷺ مطلوب ہیں، دنیا مطلوب نہیں ہے۔ (مسلم: الطلاق: باب بيان ان تخييره الخ)

یہ واقعہ ازواجِ مطہرات کے زہد واتقاء، عشق رسول ﷺ اور ایمان کامل کا بہت واضح نمونہ ہے۔

رئیس المنافقین کی موت اور آپ ﷺ کا کردار

شوال ۹ رہجری کے آخر میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت ہوئی، اس کے مخلص مسلمان عبداللہ نامی بیٹے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ میرے والد کے کفن کے لئے برائے برکت اپنا کرتا عنایت فرما دیجئے، غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں میں شامل آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس کو عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتا دیا تھا، اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے اور اس کے بیٹے کی دل داری کے مقصد سے آپ ﷺ نے اپنا کرتا عنایت فرما دیا، پھر آپ ﷺ نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، نماز سے پہلے حضرت عمر نے نماز نہ پڑھانے کی التجا کی، مگر آپ ﷺ نے خلق عظیم کا اظہار فرماتے ہوئے پڑھا دی، لیکن اس کے بعد قرآن میں ممانعت آ گئی اور فرما دیا گیا:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَداً وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ، اِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ.

(التوبة: ٨٤)

اے پیغمبر! ان منافقین میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر کبھی نماز جنازہ مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔ (شرح نووی مع صحیح مسلم: ٩٦/٦، معارف القرآن: ٤٣٤/٤)

حضرت ام کلثومؓ کی وفات

۹ رہجری ہی میں بنت الرسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کا سانحہ پیش آیا، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں، آپ ﷺ نے نماز جنازہ ادا کرائی،

آپ ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان پر یہ جملہ تھا کہ اگر میری کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اس کا بھی نکاح عثمان سے کر دیتا۔(معرفة الصحابة: لابی نعیم:۲۲/۲۲۸)

نجاشی کا سانحہ وفات

۹ر ہجری کے واقعات میں ایک واقعہ شاہِ حبش نجاشی (اصحمہ) کی وفات ہے، انہوں نے صدق قلب سے آپ ﷺ پر ایمان قبول کرلیا تھا، آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو ان کے انتقال کی خبر سنائی اور پھر غائبانہ نماز جنازہ ادا کرائی۔(بخاری:الجنائز: باب الرجل ینعی الخ)

سود کی حرمت

اسی سال سود کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا، جس کا واضح اعلان آئندہ سال حج الوداع میں کیا گیا۔(سیرت المصطفی:۳/۱۰۲)

زنا کی سزا کا نفاذ

اور اسی سال ایک مسلمان خاتون ''غامدیہ'' نے آپ ﷺ کی خدمت میں بدکاری کا اعتراف کیا، وہ حاملہ تھیں، بچے کی ولادت اور شیر خوارگی کی مدت پوری ہونے کے بعد انہیں شرعی حکم کے مطابق رجم کی سزا دی گئی، پھر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، کسی صحابی نے اس پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدُ تَابَتُ تَوُبَةً لَوُ قُسِمَتُ بَيُنَ سَبُعِيُنَ مِنُ أَهُلِ الُمَدِيُنَةِ لَوَسِعَتُهُمُ. (مسلم شریف، کتاب الحدود)

اس خاتون نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اسے مدینہ کے ستر گنہگاروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے۔

عام الوفود

آیت قرآنی "وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً" (تم دیکھو گے کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوں گے) کے مطابق فتح مکہ کے بعد ہی سے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرب کے وفود آنے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے تھے، مگر تبوک سے واپسی کے بعد تو جیسے تانتا بندھ گیا ہو، ۸ ؍ہجری کے اواخر سے ۱۰ ؍ہجری تک مسلسل وفود مدینہ آتے رہے، ۹ ؍ہجری میں تو ایسا لگتا تھا کہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، گویا ؎

مشرق سے تا بہ مغرب گونجی اذاں ہماری
رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اسی لئے ۹ ؍ہجری کو عام الوفود کے نام سے شہرت حاصل ہے۔ (سیرت ابن هشام: ٤/ ١٨٤)

وفود کی آمد اور ان کا اکرام

خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہونے والے وفود کی اصل تعداد تو ۱۰۰ سے بھی متجاوز ہے۔

(وفود عرب بارگاہ نبوی میں: طالب هاشمی)

یہ وفود قبول اسلام کے لئے یا قبول اسلام کے بعد احکام دین سیکھنے کے لئے یا آپ ﷺ کی بیعت وزیارت کا شرف پانے کے لئے یا صلح وامن کے معاہدات کے لئے حاضر ہوئے۔

یہ وفود معزز مہمان کی حیثیت سے اچھے مقام پر ٹھہرائے جاتے تھے، ان میں سے بعض کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں خیمے بھی لگوائے گئے، تاکہ وہ براہِ راست عبادت کے روح پرور مناظر دیکھ کر قرآن کی معجزانہ تاثیر سے اسلام کی طرف آئیں، آپ ﷺ مسجد نبوی

میں جس مقام پر وفود سے ملاقات کرتے تھے، وہ مقام ''اُسْطُوَانَۃُ الْوُفُوْدِ'' کے نام سے اب بھی موجود ہے۔(ایضاً، زادالمعاد:۳/۸۸، مدارج النبوۃ:۵۲۷)

وفد صداء

روایات میں یمن کے مقام ''صُدَاءُ'' کے وفد کا بھی ذکر آیا ہے، اس وفد کے سربراہ ''زیاد بن حارث صدائی'' تھے، ایک سفر میں آپ ﷺ نے ان سے اذان بھی دلوائی، انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہمارے یہاں ایک کنواں ہے جو گرمیوں میں سوکھ جاتا ہے، آپ ﷺ دعا فرمادیں کہ وہ خشک نہ ہو، آپ ﷺ نے سات کنکریاں منگوائیں، اپنے دست اقدس میں ان کو ملا، اور حکم فرمایا کہ ایک ایک کرکے یہ کنکری کنوئیں میں ڈال دینا، حضرت زیاد کا بیان ہے کہ ہم نے ایسا ہی کیا، اللہ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج تک پھر وہ کنواں خشک نہ ہوا اور نہ ہی اس کی گہرائی معلوم ہوسکی۔(زاد المعاد:۳/۱۵۹)

وفد نجران

نجران کے نصاریٰ کا وفد بھی ۹ر ہجری میں آیا ہے، آپ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام پیش کی، مگر انہوں نے عناد و تکبر کا رویہ اپنایا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے آپ ﷺ کا ان سے مکالمہ ہوا، اس موقع پر سورۂ آل عمران کی آیات ۵۹ تا ۶۱ نازل ہوئیں، جن میں مباہلہ (بحث کے دونوں فریقوں کا اللہ سے یہ دعا کرنا کہ ہم میں سے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہوجائے) کا ذکر ہے، آپ ﷺ مباہلہ کے لئے تیار ہوگئے، مگر یہ نصاریٰ گھبرا گئے، بالآخر صلح پر آمادہ ہوئے، اور جزیہ دینے کا عہد کیا، پھر ان کے مطالبے پر کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے کسی امانت دار شخص کو بھیجا جائے، آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا انتخاب فرمایا اور یہ اعلان بھی کیا کہ:

ہر امت میں ایک امین ہوتا ہے، میری امت کے امین ''ابوعبیدہ''

ہیں۔(زاد المعاد:۳/ ۱۷۰، البداية والنهاية:۵/ ۱۱۵،الخصائص: للسیوطی:۲/ ۶۹)

وفدعبدالقیس

احادیث شریفہ میں وفدعبدالقیس کا ذکر بھی جگہ جگہ ملتا ہے، آپ ﷺ نے انہیں اسلام کے بنیادی ارکان کی تعلیم دی اور انہیں حکم فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر اس تعلیم کو عام کریں۔(مشکوۃ المصابیح: الایمان)

ان وفود نے حق کا پیغام جزیرۃ العرب کے ہر فرد تک بلکہ بیرونی خطوں تک پہنچا دیا، اور دعوتی نقطہ نظر سے اس کے بہت دوررس اور دیرپا اثرات ظاہر ہوئے۔

ہجرت کا دسواں سال

اب ہمارا سفر ہجرت کے دسویں سال تک آ پہنچا ہے۔

وفد بجیلہ کی آمد

یہ سال بھی وفودِ عرب کی آمد کا سال رہا ہے، اسی سال رمضان المبارک میں حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل وفد بجیلہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا ہے، آقا ﷺ نے اس وفد کے آنے سے کچھ پہلے ہی آنے کی بشارت صحابہ کو سنادی ہے، وفد آیا تو آپ ﷺ نے حضرت جریر سے آنے کا مقصد دریافت کیا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا مقصد آپ ﷺ کے دست حق پرست پر قبول ایمان کا شرف پانا ہے، آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنی مبارک چادر ان کے لئے بچھادی ہے، اور صحابہ کو حکم فرمایا ہے:

اِذَا جَاءَ کُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ، فَاَکْرِمُوْہُ.

جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو۔

حضرت جریر سمیت پورے وفد نے قبول اسلام کیا ہے، انہیں "یُوْسُفُ ھٰذِہِ الاُمَّۃِ" کا لقب ملا ہے، خود ان کا بیان ہے کہ جب بھی آقا ﷺ مجھے دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۵۴/۵، بخاری: المناقب: باب ذکر جریر)

ذوالخلصہ کا انہدام

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ذوالخلصہ (بنو بجیلہ کے بڑے بت خانے) کو منہدم کرنے کی ذمہ داری تمہاری ہے، چناں چہ حضرت جریر ۱۵۰/ سواروں

کے ساتھ دعائے نبوی ﷺ کے سائے میں یہ مہم سر کر آئے، پورے بت خانہ کو آگ لگا دی۔

(بخاری: الجهاد: باب حرق الدور)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالخلصہ کوٹھکانے لگانے کا یہ کام محرم ۱۱ر ہجری میں انجام پایا ہے۔

بنوحنیفہ کا وفد اور مسیلمہ کذاب

۱۰ر ہجری میں ہی آقا ﷺ کی خدمت میں بنوحنیفہ کا وفد بھی آیا، وفد میں مسیلمہ بھی شامل تھا، جو بعد میں مدعیٔ نبوت بنا، وفد نے اسلام قبول کرلیا، مگر واپسی کے سفر میں منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کردیا، پھر اس نے اپنے اس دعویٰ پر مشتمل مکتوب آپ ﷺ کے پاس بھیجا، آپ ﷺ نے اسے سخت جواب دیا، بعض روایات میں ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا قائم مقام بنادیں، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک میں موجود کھجور کی چھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم یہ بھی مانگو تو نہیں ملے گی۔

آپ ﷺ نے اسے کذاب کا لقب دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں سونے کے دو کنگن اپنے ہاتھوں میں دیکھے، پھر یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کو پھونک مارنے کا حکم ہوا، اور آپ ﷺ کی پھونک سے وہ کنگن اڑ گئے، اس کی تعبیر آپ ﷺ کے سامنے نبوت کے دو جھوٹے دعوے داروں کا ظہور تھا، ایک تو یہی مسیلمہ جو عہد صدیقی میں حضرت وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا، دوسرا مدعی نبوت ''اسود عنسی'' تھا، جسے آپ ﷺ کے حکم پر آپ ﷺ کی حیات کے آخری مرحلے میں حضرت فیروز دیلمی نے کیفر کردار تک پہنچایا اور جہنم رسید کیا۔(بخاری: المغازی:باب وفد بنی حنیفة الخ، زاد المعاد:۳: ۱۰۰،اسد الغابة:۱/ ۲۲۷)

یمن کا نظم ونسق

یمن کے ایرانی گورنر باذان بن سامان ۶ رہجری میں اسلام لا چکے تھے، آپ ﷺ نے انہیں امارت پر باقی رکھا تھا، ۱۰ رہجری میں ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے انتظامی مصالح سے یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے متعدد حکام مقرر فرمائے، ایک حصہ باذان کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا، ایک حصے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو، ایک پر حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کو، ایک پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔ (فتوح البلدان: للبلاذری: ١١٤ الخ، دائرۂ معارف اسلامیہ اردو: ٣١٣/٢٣)

حضرت معاذؓ اور آپ ﷺ

امارت پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجے جانے کے وقت کا منظر بہت ہی دل گداز اور سیرت میں پورے طور پر ریکارڈ ہے، آپ ﷺ کی جدائی حضرت معاذ پر بہت شاق ہے، مگر حکم کی تعمیل کے سوا چارہ بھی کوئی نہیں، مختصر سامان لے کر حاضر ہیں، حکم نبوی ﷺ پر سواری کا اونٹ لایا جاتا ہے، آپ ﷺ کے حکم پر حضرت معاذ سوار ہیں، آقا ﷺ پیدل چل رہے ہیں، اسی دوران یہ مکالمہ بھی ہوا کہ:

كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ يَا مُعَاذُ! قَالَ: أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، قَالَ: أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي وَلاَ آلُوْ، فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ، وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا: میں قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا، آقا ﷺ نے فرمایا: اگر قرآن میں نہ ملے تو؟ معاذ نے عرض کیا: پھر سنت نبوی کے مطابق فیصلہ کروں گا، آقا ﷺ نے فرمایا: اگر سنت میں بھی نہ ملے تو؟ معاذ نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا، اس پر آقا ﷺ نے حضرت معاذ کا سینہ تھپتھپایا اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اسی طریق پر چلنے کی توفیق بخشی جو رسول اللہ کو پسند ہے۔ (طبقات ابن سعد: ٢/٤٦٤)

پھر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

إِنَّکَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكٰوةً تُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَاءِ هِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا فَخُذْمِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (بخاری: الزکوة: باب لا توخذ کرائم: الخ وباب أخذ الصدقة من ا الاغنياء)

اے معاذ: تم اہل کتاب کے پاس جارہے ہو، ان کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا، مان لیں تو بتانا کہ اللہ نے ان پر رات و دن میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، مان لیں تو بتانا کہ ان کے مالوں میں اللہ نے زکوۃ فرض کی ہے، جو فقراء میں تقسیم ہوتی ہے، مان لیں تو ان کی زکوۃ لینا، اور

صرف بہتر ہی مال کا انتخاب کرنے سے بچنا، اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

پھر آپ ﷺ نے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اب شاید تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے، اب جب تم مدینہ آؤ گے تو میرے بجائے میری قبر کی زیارت کرو گے، بس یہ سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاروقطار رونے لگے، آپ ﷺ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ یہ پیغام یاد رکھو:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا.

قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب متقی بندے ہوں گے، وہ چاہے جو ہوں اور چاہے جہاں کے ہوں۔ (کنز العمال: ۴۲/۳)

فرزند رسول حضرت ابراہیمؓ کی وفات اور سورج گرہن

۱۰ر ہجری میں حضور اکرم ﷺ کے تیسرے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اسی دن سورج گرہن کا واقعہ پیش آیا، کچھ افراد کی زبانوں پر جاہلانہ تصورات کے مطابق یہ بات آئی تھی کہ اس واقعہ کا تعلق حضرت ابراہیم کی وفات سے ہے، آپ ﷺ نے سورج گرہن کی طویل نماز باجماعت ادا کرائی، اور اس کے بعد مؤثر خطبہ دیا، جس میں دورانِ نماز دیوارِ قبلہ پر من جانب اللہ جنت کے شوق انگیز نظارے اور جہنم کے خوفناک مناظر دکھائے جانے کا ذکر فرمایا، اور اس جاہلانہ رسم کی اصلاح بھی فرمادی اور واضح کردیا کہ:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لاَ يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلاَ لِحَيَاتِهِ...

بلاشبہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے یا پیدا

ہونے سے گرہن زدہ نہیں ہوتے، لہٰذا اس نشانی کے ظہور پر اللہ سے ڈرنا اور صدقہ وعبادت میں لگ جانا چاہئے۔(مشکوۃ المصابیح: باب صلاۃ الخوف)

دو عشروں کا اعتکاف اور دو مرتبہ قرآن کا دور

رمضان المبارک ۱۰/ہجری میں آپ ﷺ نے غیر محسوس طور پر سفر آخرت کی تیاری شروع فرماتے ہوئے سابق ایک عشرہ کے معمولِ اعتکاف کے بجائے ۲۰/دن (دوعشرہ) کا اعتکاف فرمایا اور سالانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے رمضان میں قرآن کے ایک دور کے معمول کے بجائے دو مرتبہ دور کا عمل انجام دیا، اسی طرح امت کو اعتکاف اور قرآن کی تلاوت کی عظمت واہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی۔(مشکوۃ المصابیح: باب الاعتکاف)

حجۃ الوداع

یادگار حج

۱۰ھ ہجری کا سب سے اہم واقعہ سفر حجۃ الوداع ہے، یہ انتہائی یادگار حج ہے، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرما دیا تھا کہ مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، شاید میں آئندہ حج نہ کرسکوں۔

(کنز العمال:۵/۴۵، مسلم: الحج: باب استحباب رمی الجمرۃ الخ)

اسی لئے اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، اس حج میں آیت اتمام واکمال دین نازل ہوئی تھی، اسی لئے اسے حجۃ التمام والکمال بھی کہا گیا ہے، آپ ﷺ نے حق کا پیغام پہنچانے کی تصدیق حاضرین سے چاہی تھی، اس لئے اسے حجۃ البلاغ کا نام بھی دیا جاتا ہے، پھر یہ آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج فرض تھا، اس لئے اسے حجۃ الاسلام کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔(سیرت احمد مجتبی:۴۱۳/۳ الخ)

حج تو ۹ھ ہجری میں فرض ہوگیا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے ۱۰ھ ہجری میں حج کا فرض ادا کیا؛ کیوں کہ ۱۰ھ ہجری سے پہلے جاہلیت کے طریقے کے مطابق سال میں دنوں کے اضافے اور کمی کی وجہ سے حج وقت سے پہلے ہورہا تھا، اب یہ پہلا سال تھا جس میں حج صحیح وقت پر ہورہا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس سال کا انتخاب فرمایا۔

اللہ کے علم کے مطابق وہ وقت آچکا تھا کہ تکمیل دین کردی جائے، حجت تمام کردی جائے، جاہلیت کی مکمل بیخ کنی کردی جائے، حقائق آشکارا کردئے جائیں، اور تمام حلقہ بگوشانِ حق سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوجائے، اس کے لئے حجۃ الوداع کی مناسبت سے زیادہ موزوں اور کونسی مناسبت ہوسکتی تھی؟

سفرِ حج

آ قا ﷺ کی سر براہی میں کاروانِ حج ۲۵؍ذی قعدہ ۱۰؍ہجری کو نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا کر کے نکل رہا ہے، عصر میقات ذو الحلیفہ پر ہو رہی ہے، شب کا قیام وہیں ہے، صبح فجر کے بعد تلبیہ و تکبیر کی روح پرور صداؤں کے ساتھ ایمان و تقدس سے لبریز ماحول میں انتہائی نورانی اور پر کیف فضا میں یہ قافلہ جانب مکہ عازم سفر ہے، ۴؍ذی الحجہ ۱۰؍ہجری کو مکہ پہنچا ہے۔

(بخاری: الحج: باب مایلبس المحرم)

طواف

طواف کی عبادت ادا ہو رہی ہے، سوا لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہیں، ایک لباس، ایک انداز، ایک صدا، ایک جذبہ، ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے، ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے، ایک ہی مرکز و محور کے گرد گھومتے ہوئے، ایک ہی محبوب نبی ﷺ کے عشق میں ڈوبے ہوئے، ایک ہی رب کا نام دہراتے ہوئے، عبدیت اور مساوات، عقیدت و محبت کا عجب ایمان افروز منظر ہے۔

نماز و سعی

اب طواف کے بعد آ قا ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام زائرین بارگاہِ رب العزت میں نماز ''واجب الطّواف'' ادا کر رہے ہیں، نماز کے بعد سعی ہونی ہے، قافلہ صفا پہاڑی پہنچا ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں آ قا ﷺ نے آج کے دن سے تقریباً ۲۰؍سال قبل اپنی نبوت کے ۳؍سال گذرنے کے بعد علانیہ دعوت کا آغاز کرتے ہوئے سردارانِ مکہ کو آ گاہی دی تھی اور پورا مکہ آپ ﷺ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا، مگر آج یہی پہاڑی ہے جہاں مشتاقانِ دید آ قا ﷺ کو دیکھ کر اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔

اسی سعی کے دوران عاشقانِ رسول دیدار رسول ﷺ کے شوق میں ہجوم لگاتے جا رہے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو گئے ہیں؛ تاکہ کوئی آنکھ ایسی نہ بچے جسے دیدارِ رسول ﷺ کی سعادت نصیب نہ ہو جائے۔

منیٰ اور عرفات آمد

۸/ذی الحجہ کو یہ قافلہ حج کے احرام میں منیٰ پہنچتا ہے، ظہر سے لے کر اگلے دن فجر تک وہیں قیام ہوتا ہے، اب ۹/ذی الحجہ کی صبح ہے، یومِ عرفہ ہے، حسن اتفاق کہ جمعہ کا دن ہے، کاروان شوق عرفات پہنچتا ہے، ظہر وعصر کی نماز امامت نبوی میں ظہر کے وقت میں ایک ساتھ ادا ہوئی ہے۔

عرفات کا جامع خطبہ

اس کے بعد آقا ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، اسلام کی تاریخ میں پہلی بار اتنا بڑا مجمع سامنے ہے، توحید کے پرچم کے زیر سایہ نبوی قیادت میں اتنا بڑا یہ پہلا اجتماع ہے۔

یہ خطبہ اسلامی زندگی کا پورا نقشہ کھینچتا ہے، اس کے ذریعہ اسلام کی بنیادیں واضح اور شرک وجہالت کی بنیادیں منہدم کی جا رہی ہیں، آپ پورا خطبہ پڑھیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ مؤمنانہ نظامِ زندگی کا انتہائی جامع مرتب اصولی منشور ہے، اور دریا کو بڑی خوب صورتی اور سلیقے سے کوزے میں سمیٹ دیا گیا ہے، قیامت تک آنے والی پوری امت کے لئے یہ خطبہ مشعل راہ ہے، رسوم جاہلیت کی نفی کے ساتھ حیاتِ انسانی کے انفرادی واجتماعی، معاشرتی ومعاشی، فکری وعملی اور سیاسی وعمرانی گوشوں کو معجزانہ اجمال کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱) اس خطبہ میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا کہ لوگو! میرا خیال ہے کہ آئندہ میں اور تم اس مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکیں گے، گویا آپ ﷺ نے اپنے فراق کی پیش گوئی فرما دی تھی، اور جو اسے سمجھ رہے تھے ان کے دلوں پر قیامت گذر رہی تھی۔ (سیرت ابن هشام: ۲/ ۶۰۳)

(۲) دوسری بات آپ ﷺ نے انسانی جان ومال وآبرو کی حرمت وعظمت کے تعلق سے فرمائی، انسانی بنیادوں پر جان ومال وآبرو کا احترام انسانیت کے نام محسن انسانیت ﷺ کا بہت بنیادی پیغام ہے۔(مسلم: الحج: باب حجة النبی)

(۳) تیسری بات یہ تھی:

كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ. (مسلم: الحج: باب حجة النبی)

میں جاہلیت کی ہر بات کو ختم کرتا ہوں، جاہلیت کی ہر رسم وعلامت ختم، جاہلیت کے تمام جھگڑے ختم، انتقام درانتقام کی ہر روش ختم، جاہلیت کے سارے سود ختم، یہ سب باطل ہیں۔

(۴) چوتھی بات:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ. (ایضاً)

خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کے حقوق ادا کرو۔

حقوقِ نسواں کے باب میں یہ پیغمبرانہ تلقین اور پھر آپ ﷺ کا مکمل اسوہ ان تمام گستاخوں کے لئے منہ توڑ جواب ہے جو اسلام کو عورتوں کے حقوق کا غاصب اوران کی ترقی میں رکاوٹ کہتے ہیں۔

(۵) پانچواں پیغام:

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللّٰهِ.

قرآن کو مضبوطی سے تھام لو، گمراہی سے محفوظ رہوگے۔(مسلم: الحج: باب حجة النبی)

بعض روایات میں قرآن وسنت دونوں کا ذکر ہے، امت کے لئے عزت وسعادت کی راہ قرآن کو اپنانے میں ہے، آج اسی صحیفۂ ہدایت کو پس پشت ڈالنے کے خمیازے میں امت گمراہی اور ذلت کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔

(۶) چھٹا پیغام:

إِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِیْ وَلاَ أُمَّةَ بَعْدَكُمْ.

میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔(کنز العمال:۵/۱۱۶)

تم آخری امت ہو، خیر امت ہو، اب دین اور خیر کی اشاعت اور شر سے روکنا تمہارا منصب ہے، یہی تمہاری شناخت ہے، میں آخری نبی ہوں، اب جو بھی دعوائے نبوت کرے گا وہ جھوٹا ہوگا، وہ ناموسِ رسول ﷺ پر حملہ کرنے والا مجرم ہوگا، تم کو ایسے ہر مجرم کو سبق سکھانا ہے۔

(۷) ساتویں بات:

وَأَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّي فَمَاذَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟(مسلم: الحج: باب حجة النبی)

تم سے قیامت کے دن میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے اللہ کا دین تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟ تمہارا کیا جواب ہوگا؟

تمام حاضرین بیک زبان بول اٹھے:

نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ. (ایضاً)

ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے دین پہنچا دیا، حق نبوت ادا کر دیا، خیر خواہی کر دی، فرض نبھا دیا۔

اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور ۳ رمرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ.

خدایا! آپ گواہ رہیے۔(مسلم: الحج: باب حجة النبی، مسند احمد:۵/۲۶۲)

پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہ پیغام ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، اور واقعی صحابہ نے حق ادا کردیا، اور مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک کونسا خطہ ہے جہاں وہ پیغام حق لے کر نہ پہنچے ہوں، آج جو کچھ دین ہے انہیں کی محنتوں کا صدقہ اور انہیں کی کوششوں کا فیض ہے۔

عظیم الشان آیت کا نزول

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد قرآنِ مجید کی آیت نازل ہوتی ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدۃ/ ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر ہمیشہ کے لئے پسند کرلیا۔(رحمۃ للعالمین: ۱/ ۲۶۵)

اس آیت میں دین کی تکمیل اور نعمت کے اتمام کے ساتھ قیامت تک دین اسلام کو بحیثیت دین منتخب و پسند کئے جانے کا اعلان بھی ہے، اور ضمناً یہ اشارہ بھی ہے کہ اب آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بھی قریب آچکا ہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ اشارہ سمجھ کر رونے لگتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک یہودی نے عرض کیا تھا کہ تمہاری کتاب میں ایسی آیت ہے کہ ہم یہودیوں پر اترتی تو اس دن کو جشن کا دن بنا لیتے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا، وہ کونسی آیت ہے؟ یہودی بولا: **"الیوم اکملت لکم الخ"** حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن دوپہر کے بعد عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقع پر اتری ہے، یہ ہمارے لئے دوہری خوشی کا دن تھا، ایک تو عرفہ کا دن، دوسرے جمعہ کا دن۔(بخاری: الایمان: باب زیادۃ الایمان و نقصانہ)

دعا ومناجات

اس کے بعد آقا ﷺ جبل رحمت کے قریب دعا ومناجات میں مشغول ہوگئے ہیں، غروب تک یہی مشغلہ ہے، امت کے لئے کیا کچھ آپ ﷺ نے نہیں مانگا ہوگا، آپ ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جس کا ایک ایک فقرہ آپ ﷺ کی عبدیت اور انابت کا شاہکار ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلاَمِیْ، وَتَرٰی مَکَانِیْ، وَتَعلَمُ سِرِّيْ وَعَلانِیَتِيْ، لا یَخْفَی عَلَیْکَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِيْ، أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ، الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ، الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ، الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِيْ، أَسْئَلُکَ مَسْئَلَةَ الْمِسْکِیْنِ، وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ ابْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ، وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ، دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُهُ، وَفَاضَتْ لَکَ عَیْنَاهُ، وَذَلَّ لَکَ جِسْمُهُ، وَرَغِمَ لَکَ أَنْفُهُ، اَللّٰھُمَّ لا تَجْعَلْنِي بِدُعَائِکَ شَقِیّاً، وَکُنْ بِيْ رَؤُوْفاً رَحِیْماً، یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیاَ خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ. (کنز العمال: ۲/۷۷)

خدایا: آپ میری بات سن رہے ہیں، آپ میری جگہ دیکھ رہے ہیں، آپ میرے ظاہر وباطن کو جانتے ہیں، میری کوئی چیز آپ پر مخفی نہیں ہے، میں مصیبت زدہ، محتاج، فریادی، پناہ جو، پریشان، ہراساں، اپنے گناہوں کا اعتراف واقرار کرنیوالا ہوں، بے کس کے مانگنے کی طرح آپ سے مانگتا ہوں، ذلیل وخوار گنہگار کے گڑگڑانے کی طرح آپ کے دربار میں گڑگڑا رہا ہوں، خوف زدہ اور آفت رسیدہ شخص کے مانگنے کی طرح آپ سے مانگتا ہوں، اس شخص کے مانگنے کی طرح جس کی گردن آپ کے سامنے

خم ہے، جس کی آنکھیں آپ کے سامنے اشک بار ہیں، جو تن بدن سے آپ کے آگے فروتنی کیئے ہوئے ہے، اپنی ناک آپ کے سامنے رگڑ رہا ہے، بار الہا: مجھے دعا مانگنے میں ناکام ومحروم نہ فرما، اور مجھ پر مہربان اور رحم کرنے والا بن جا، اے سب مانگنے والوں سے بہتر! اے سب دینے والوں سے اچھے!

مزدلفہ آمد

مغرب کا وقت ہو چکا ہے، قافلہ مزدلفہ کو روانہ ہو رہا ہے، تلبیہ وتکبیر زبانوں پر ہے، مجمع بہت ہے، شور ہو رہا ہے، آقا ﷺ سکون وسکوت کی تلقین فرما رہے ہیں، مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ ادا ہو رہی ہیں، صبح اول وقت میں فجر پڑھی گئی ہے، پورا مجمع دعا اور گریہ میں مصروف ہے، روشنی پھیل چکی ہے، اب منیٰ کوچ کرنے کا حکم ہو گیا ہے، سفر شروع ہوتا ہے۔

رمی اور قربانی

منیٰ میں جمرۂ عقبہ کی رمی کی جارہی ہے، اب آقا ﷺ قربان گاہ میں پہنچ رہے ہیں، ۶۳/اونٹ اپنی زندگی کے سالوں کے حساب سے اپنے دست مبارک سے اللہ کے نام پر قربان کرتے ہیں، باقی ۳۷/قربانیاں آپ ﷺ کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی ہیں۔

(اصح السیر: ۵۳۲ الخ)

منیٰ کا خطاب

اس کے بعد آپ ﷺ نے امت کے سامنے دوسرا خطبہ دیا ہے۔

آپ ﷺ نے مجمع کو خطاب کر کے فرمایا ہے:

(۱) اَيُّهَا النَّاسُ! هَلْ تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ فَقَالُوْا: فِيْ يَوْمٍ حَرَامٍ وَبَلَدٍ حَرَامٍ وَشَهْرٍ حَرَامٍ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، اِلَى يَوْمَ تَلْقَوْنَهُ. (کنز العمال:۵/۵۱، نبی رحمت:۵۲۴، بحوالہ مسنداحمد)

اے لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ تم کس مہینے میں ہو؟ کس تاریخ میں ہو؟ کس شہر میں ہو؟ بعض صحابہ نے عرض کیا: ہم محترم تاریخ میں، محترم مہینہ میں اور محترم شہر میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جس طرح یہ دن، مہینہ اور شہر محترم ہے اسی طرح قیامت کے دن تک تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں بھی محترم ہیں۔

(۲) پھر فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلاَ: لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. (الترغیب والترھیب:۳/۶۱۲)

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے، اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، سنو: کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، بلاشبہ اللہ کی نگاہ میں تم میں سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے بڑھ کر تقوی والا ہو۔

(۳) أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ، أَلَا لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّاراً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (ابن ماجه: المناسك: باب الخطبة يوم النحر، بخاري:الحج: باب الخطبة ايام منى)

سنو: جو مجرم بھی جرم کرتا ہے، اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے، سنو: میرے بعد کافر مت بن جانا، ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔

(٤) أَلَا إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ.

سنو: شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ اہل ایمان اس کی پرستش کریں گے، مگر وہ ان کے درمیان فتنہ و فساد بھڑکانے میں لگا ہوا ہے۔

(مشکوة المصابيح:باب الوسوسة)

(٥) إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، فَلَا تُسَوِّدُوْا وَجْهِيْ، إِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ. (ابن ماجه:المناسك:باب الخطبة يوم النحر)

میں آخرت میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو اور منتظر رہوں گا، تم اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر کے مجھے وہاں رسوا مت کرنا، میں تمہارے ذریعہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ دین میں نئی باتیں نکالنے والوں کو حوضِ کوثر سے دھتکار دیا جائے گا، فرشتوں کے ذریعہ آقا ﷺ کو ان کی حرکت معلوم ہوگی تو فرمائیں گے:

سُحْقاً سُحْقاً لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ وَلِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِيْ.

(مسلم: الفضائل: باب اثبات حوض نبينا محمد)

بربادی، تباہی اور دوری ہو ان لوگوں کے لئے جنھوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔

یہ جملے پوری امت کے نام کھلا ہوا پیغام ہیں، ہمیں اپنا کردار اس آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے دین کی شکل ہی بدل ڈالی ہے، رسوم وروایات نے ہم کو اپنا اسیر بنالیا ہے، نفس کی خواہشات کے ہم غلام بن گئے ہیں، اس طرح ہم اپنے لئے کتنی محرومی کا سامان کررہے ہیں، آقا ﷺ نے ہم کو توجہ دلائی ہے کہ ہم کل قیامت کے دن رسوائی کا سامان نہ بنیں، نیک نامی کا ذریعہ بنیں، اس کے لئے ہم کو زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کے اسوہ اور طریقے کو مکمل طور پر اپنانا ہوگا۔

(٦) اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَطِيْعُوا ذَا أَمْرِكُمْ: تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ. (مسند احمد: ٥/٢٥١)

اپنے رب کی عبادت کرو، پنج وقتہ نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے حاکم (سیاسی ومذہبی) کی اطاعت کرو: تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

بہر حال ان مختلف نصائح اور ان جیسے متعدد پیغامات کے بعد آقا ﷺ مجمع سے فرماتے ہیں:

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟

سنو: کیا میں نے پیغام حق پہنچا دیا؟

سب نے بیک زبان کہا:

بخدا! آپ نے پورا پیغام پہنچا دیا۔

آقا ﷺ نے انگشت شہادت اٹھائی اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ.

خدایا: آپ گواہ رہیئے۔ (ابن ماجه: المناسك: باب الخطبة يوم النحر)

حلق

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت معمر بن عبداللہ سے اپنے بال منڈ وائے اور مشتاق حاضرین میں اپنے بال تقسیم فرمادیئے۔

طواف زیارت اور منی کا قیام

پھر آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ آ کر طوافِ زیارت کا فرض ادا کیا ہے، پھر ۱۱/اور ۱۲/ ذی الحجہ دونوں دن منیٰ میں قیام رہا ہے اور تینوں جمروں کی رمی فرمائی ہے، اور حسب موقع مختلف نصیحتیں اہل ایمان کو فرمائی ہیں، بعض روایات کے مطابق سورۂ نصر اس موقع پر نازل ہوئی ہے، جس میں آپ ﷺ کا وقتِ وفات قریب آنے کی طرف اشارہ بھی ہے۔(شعب الایمان: للبیهقی:۵/ ۱۵۲ کنزالعمال:۳۳۷ ،طبع:بیت الافکار)

منی سے روانگی، محصب میں قیام اور طواف وداع

۱۳/ ذی الحجہ زوال کے بعد آپ ﷺ رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہوئے ہیں، محصب نامی مقام پر پہنچے ہیں، یہ وہی مقام ہے جہاں مکی عہد میں دشمنوں نے آپ ﷺ کے مقاطعہ کا معاہدہ کیا تھا، آج آپ ﷺ اپنے قافلے کے ساتھ وہیں جلوہ افروز ہیں۔(بخاری:الحج: باب نزول النبی بمکۃ)

نمازیں وہیں ادا ہوئی ہیں، وقت سحر آپ ﷺ حرم تشریف لائے ہیں، طوافِ وداع فرمایا ہے، ملتزم پر دعا مانگی ہے، زمزم سے سیراب ہوئے ہیں۔

مدینہ واپسی کا سفر

اس کے بعد کوچ کا اعلان ہوا ہے، ۱۴/ ذی الحجہ کو صبح آپ ﷺ روانہ ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ آب دیدہ ہیں، یہ مکہ سے دائمی فراق تھا، مقام ذی طویٰ پر رکتے ہیں، اگلے دن صبح

وہاں بہت سے زائرین کو رخصت کر کے مدینہ منورہ کی طرف سفر شروع کر دیتے ہیں۔

غدیر خم کا خطاب

سفر میں ایک مقام ''غدیر خم'' پر پہنچتے ہیں، تو امت کو خطاب فرماتے ہیں:

لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ کا فرشتہ آ جائے اور میں بلا لیا جاؤں، میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں، ایک تو قرآن دوسرے میری سنت، ان کے حقوق ادا کرتے رہنا، کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر امت کو اپنے اہل بیت کے حقوق ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔(مسلم: الفضائل:باب من فضائل علی)

پھر فرمایا کہ میں اہل ایمان کے نزدیک ان کی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ:

میں جس کا محبوب ہوں علی اس کے محبوب ہیں، اے اللہ جو علی کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو اسے رسوا کرے تو اسے رسوا فرما۔(مشکوۃ المصابیح: المناقب: باب مناقب علی)

اس موقع پر خاص طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کو کچھ لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ ان کو بلا وجہ حضرت علی سے تکدر ہے، آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمادی۔(سیرت المصطفیٰ:۳/۱۵۱)

مدینہ آمد

اس کے بعد سفر شروع ہوا اور ۲۱/ذی الحجہ کو آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے، ایک شب وہاں

مقیم رہے، اگلی صبح مدینہ منورہ پہنچنا ہوا، زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے، اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹ آئے ہیں، توبہ کررہے ہیں، عبادت کررہے ہیں، سجدہ کررہے ہیں، اپنے رب کی حمد کررہے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کردکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اور تنہا تمام دشمنوں کو شکست دی۔ (زاد المعاد: ۲ ٤ ۳)

حدیث جبریلؑ

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ مسلسل تعلیماتِ اسلامی کی تکمیل وتشریح میں منہمک ہوگئے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسی دوران جب صحابہ کا ایک گروہ خدمت نبوی میں حاضر تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک اجنبی انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں:

بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ، قَالَ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ

مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَ تُقِيمَ الصَّلاةَ، وَتُوْتِيَ الزَّكوٰةَ، وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً، قَالَ صَدَقْتَ، فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ: اَلإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ، ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، فَقَالَ: يَا عُمَرُ! أَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: إِنَّهُ جِبْرَئِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ. (متفق علیه)

اسی درمیان کہ ہم خدمت نبوی میں حاضر تھے، اچانک ہمارے سامنے انتہائی سفید کپڑوں میں ملبوس، انتہائی سیاہ بالوں والا ایک شخص نمودار ہوا، اس پر سفر کا اثر معلوم نہیں ہوتا تھا، ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا، پھر اس نے اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے ٹیک دیئے، اپنی ہتھیلیاں پہلے اپنی پھر آپ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیں، پھر اس نے کہا: اے محمد! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت

اللہ کا حج کرو اگر وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتے ہو، اس پر اس نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں، ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ وہ آپ سے سوال بھی کر رہا ہے، اور آپ کی تصدیق بھی کر رہا ہے، پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر کو دل سے سچا جانو اور مانو، اس نے کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس احساس کے ساتھ کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو بلاشبہ وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے، اس نے کہا: مجھے قیامت کا متعین بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس بارے میں میرا علم تم سے زیادہ نہیں ہے، اس نے کہا: مجھے قیامت کی علامتوں کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی علامت یہ ہے کہ باندی اپنی مالکن کو جنے (والدین کی نافرمانی عام ہو جائے) اور تم یہ دیکھو کہ ننگے پیر، ننگے بدن، محتاج، بکریوں کے چرواہے (سماج کے بے حیثیت لوگ) بڑی بڑی عمارتوں میں ایک دوسرے پر اکڑ رہے ہیں (دولت اور اقتدار پر ان کا قبضہ ہے) پھر وہ چلا گیا، میں کچھ دنوں رکا رہا، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عمر! تمہیں معلوم ہے کہ وہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور رسول کو زیادہ علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے، تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عِلْمُ قِيَامِ السَّاعَةِ فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ.

قیامت کا وقت متعین ان پانچ امور غیب میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَافِي الاَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَداً، وَمَاتَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (لقمان/٣٤)

یقیناً قیامت کی گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی متنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا؟ اور نہ کسی متنفس کو یہ پتا ہے کہ کون سی زمین میں اسے موت آئے گی، بے شک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں یہ انتہائی جامع حدیث ہے، یہ حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے، اسے ”اُمُّ الاَحَادِیْثِ“ بھی کہا جاتا ہے، جس طرح سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا خلاصہ ہے، یہ حدیث بھی تمام احادیث کا خلاصہ وعطر ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ١/کتاب الایمان)

ہجرت کا گیارہواں سال

آقا ﷺ کا سفر جاودانی

اب ہم اپنے سفر کی آخری منزل پر گویا لب بام پہنچ رہے ہیں، ہجرت کا گیارہواں سال شروع ہو چکا ہے، آقا ﷺ کا سفر جاودانی بالکل قریب آچکا ہے۔

قرآنی اشارے

حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہونے والی آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ'' نے اور مکمل ''سورۂ نصر'' نے اشارۃً واضح کر دیا تھا کہ آپ ﷺ نے اپنا مشن پورا کر دیا ہے، اور اب مالک حقیقی سے وصال کی ساعت آنے کو ہے۔ (معارف القرآن: ۸/۸۳۵، تفهيم القرآن: ٦/٥١٢)

زیارت احد

صفر ۱۱ھ ہجری میں آپ ﷺ ایک دن شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے ہیں، ان کے حق میں دعائیں کر رہے ہیں، اور ایسی باتیں فرما رہے ہیں جیسے رخصت کرنے والا کرتا ہے، اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

إِنَّا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ.

ہم بھی عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔

واپس آکر لوگوں کو خطاب فرماتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ:

لوگو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں، حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی، میں

یہیں سے حوض دیکھ رہا ہوں، مجھے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں، مجھے تم پر شرک کا نہیں دنیا کی ریس میں لگ کر اپنے کو تباہ کرڈالنے کا خدشہ ہو رہا ہے۔(بخاری:المغازی:باب غزوۃ احد)

لشکر اسامہ کی روانگی

صفر کے اواخر میں (یا ایک قول کے مطابق ربیع الاول کے آغاز میں) آپ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت اسامہ اس وقت صرف ۱۸ ربرس کے تھے، منافقین نے حضرت اسامہ کی کم عمری پر اعتراض کیا تھا، آپ ﷺ نے اس پر سخت ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا:

> تم نے اس سے پہلے موتہ کے معرکہ میں اسامہ کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، وہ بھی امارت کے حق دار تھے، اور اسامہ بھی امارت کے حق دار ہیں، میں اسامہ سے بھی محبت کرتا ہوں اور مجھے ان کے باپ سے بھی محبت تھی۔(بخاری:المغازی: باب بعث النبی اسامۃ بن زید الخ)

اس طرح یہ سبق دیا گیا ہے کہ اسلام میں خاندانی وجاہت کی نہیں، صلاح اور صلاحیت کی اہمیت ہے۔

شدت مرض اور حضرت عائشہؓ کے مکان میں مستقل قیام

۲۹ رصفر ۱۱ رہجری کی تاریخ ہے، آقا ﷺ ایک صحابی کے دفن سے جنت البقیع سے واپس ہو رہے ہیں، واپسی پر سر میں درد شروع ہوا ہے، یہ مرض الوفات کا آغاز ہے۔ (الوفا: لابن الجوزی:۷۸۲)

تکلیف لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی ہے، وفات سے سات دن پہلے آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں منتقل ہوئے ہیں، ازواجِ مطہرات کے سامنے آپ

ﷺ نے اشارۃً حجرۂ عائشہ میں قیام کرنے کی بات کہی تھی، ازواجِ مطہرات نے برضا ورغبت اجازت دے دی تھی۔ (بخاری:المغازی:باب مرض النبی، شرح الزرقانی:۲۵۱/۸ الخ)

عالم بالا کے سفر کی تیاری

مرض کے دوران آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

"اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيُ لاَ شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَماً"

(اے انسانوں کے رب: تکلیف کو دور فرما دیجئے، شفا بخش دیجئے، آپ ہی شفا عطا فرمانے والے ہیں، آپ کی شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا عطا فرمائیے جو بیماری کا کوئی نشان نہ چھوڑے۔)

کے کلمات پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں پر دم کیا۔ (بخاری:المغازی:باب مرض النبی ووفاته)

اور پھر آپ ﷺ کے ہاتھ آپ ﷺ ہی پر پھیرنے کی کوشش کی، مگر آپ ﷺ نے ہاتھ ہٹا لئے، اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَأَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلَى.

خدایا: میری مغفرت فرمائیے اور رفیق اعلی سے مجھے ملائیے۔ (ابن ماجه، الجنائز:باب ماجاء فی ذکر مرض رسول الله)

خیبر کی زہر آلود بکری کا اثر

اسی دوران آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی فرمایا:

خیبر میں زہر آلود کھانے کا جو ایک لقمہ میں نے کھایا تھا اس کی تکلیف اب تک محسوس ہو رہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس زہر سے اس وقت میری رگ کٹی جا رہی ہے۔ (بخاری:المغازی:باب مرض النبی ووفاته)

حضرت ابوبکرؓ کا امامت نماز کے لئے انتخاب

۷؍ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کی تاریخ ہے، آقا ﷺ کا مرض بڑھا ہوا ہے، عشاء کی نماز کے لئے کئی بار بدن پر مشکیزوں سے پانی ڈلوایا ہے، مگر رہ رہ کر بے ہوشی ہو جاتی ہے۔ (بخاری: المغازی: باب مرض النبی)

لوگ مسجد میں منتظر ہیں، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا:

مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ.

ابوبکر کو حکم دو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر رقیق القلب ہیں، ان کے لئے امامت دشوار ہوگی، آپ عمر کو حکم دے دیں، آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا، اور سختی سے حکم فرمادیا کہ ابوبکر ہی امام ہوں گے۔ (بخاری: الصلوة: باب حد المريض أن يشهد الجماعة)

اس طرح یہ واضح کر دیا گیا کہ اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی کی امامت پر راضی نہ ہوں گے، آپ ﷺ کی طرف سے امامت صغریٰ کے لئے صدیق اکبر کے انتخاب نے یہ بھی گویا طے کر دیا کہ آپ ﷺ کے بعد امامت کبریٰ وخلافت کے لئے اولین مستحق اور موزوں شخصیت انہیں کی ہے، بالآخر ایسا ہی ہوا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حیاتِ نبوی میں ۷؍ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کی عشاء سے ۱۲؍ربیع الاول کی فجر تک کل ۲۱؍نمازیں پڑھائیں۔ (اصح السیر: ۵۷۷)

آپ ﷺ امام اور حضرت ابوبکرؓ مکبر

۸؍ربیع الاول جمعرات کو ظہر کی نماز میں آپ ﷺ مسجد نبوی میں دو آدمیوں کے سہارے سے آتے ہیں، صورتِ حال یہ ہے کہ چلا نہیں جاتا، پیر زمین پر گھسٹ رہے ہیں، صدیق اکبر امامت کر رہے تھے، آپ ﷺ کی آمد پر وہ مکبر بن جاتے ہیں۔ (بخاری: الصلوة: باب حد المريض الخ)

اور آپ ﷺ کی امامت میں یہ آخری نماز صحابہ نے ادا کی ہے، اس معذوری میں نماز باجماعت کی حاضری امت کو نماز و جماعت کی اہمیت کا سبق دیتی ہے، آخری درجہ کی معذوری کے باوجود آپ ﷺ نے جماعت میں شرکت کی اور امت کو سبق دے دیا۔

حقوق العباد کی اہمیت

نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطاب فرمایا ہے، اس خطاب کے الفاظ آقا ﷺ کی وصیتوں کا مقام رکھتے ہیں، فرمایا:

> مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، میں نے کسی کی پیٹھ پر مارا ہو تو پیٹھ حاضر ہے، انتقام لے لے، کسی کی عزت کے خلاف کچھ کہا ہو وہ مجھے کہہ لے، کسی کا مال لیا ہو آکر وصول کر لے، میرا سینہ کینہ سے پاک ہے، جو مجھ سے اپنا حق لے گا وہ مجھے محبوب ہوگا، میں اپنے رب سے پاک صاف ہو کر ملوں گا۔ (الرحیق المختوم: ۷۲۷، الوفا: لابن الجوزی: ۷۹۴)

غور کیجئے: ان جملوں سے حقوق العباد کی اہمیت کس درجہ اجاگر کی جا رہی ہے، اور یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ انسان دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو کہ اس کے دامن پر حق تلفی اور ظلم کا کوئی دھبہ نہ ہو۔

ایمان افروز وصیتیں

مقام صدیقی

علالت کے ان ایام میں آپ ﷺ نے امت کو مختلف مرحلوں میں انتہائی بیش قیمت وصیتیں فرمائی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

ہر نبی کے لئے اس کی امت میں ایک خلیل ہوتا ہے، میرے خلیل ابوبکر ہیں، اور میں اللہ کا خلیل ہوں، میں نے ابوبکر کے سوا سب کے احسانات چکا دئے ہیں، مسجد نبوی کی طرف صحابہ کے گھروں کے جتنے دروازے کھلے ہوئے ہیں، سب بند کردئے جائیں، صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔(بخاری:المناقب: مناقب ابی بکر)

ان جملوں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت اور امت میں ان کو سب سے بلند مقام حاصل ہونے کی وضاحت ملتی ہے۔

قبر پرستی کی لعنت

یہ بھی فرمایا کہ:

تم سے پہلی امتوں یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا، خدا کی ان پر لعنت ہو، مسلمانو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ و جشن گاہ مت بنانا۔(مسند احمد:۲/۲۴۶، بخاری: الجنائز:باب ما جاء فی قبر النبی الخ)

غور فرمایا جائے، ان جملوں سے شرک اور بدعقیدگی کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، آپ

ﷺ نے امت کو ہر حال میں اپنے عقیدے کے تحفظ اور اس کو ہر قسم کی مشرکانہ دست برد سے محفوظ رکھنے کی تلقین کی ہے اور امت کے ہر ہر فرد کو اس حوالے سے بے حد حساس، محتاط اور چوکنا رہنے کی تاکید بھی فرمائی ہے، موجودہ حالات میں جب شرک و بدعقیدگی کی چوطرفہ یلغار ہے، مسلمانوں کو اس حکم نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

ماتحتوں کا خیال

آپ ﷺ نے خطاب فرمایا:

مسلمانو! اپنی بیویوں اور ماتحتوں (غلاموں، لونڈیوں، خادموں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، درشتی اور بدخلقی کے بجائے ان سے نرمی اور ملاطفت کا سلوک کرو۔ (ابن ماجه:الجنائز: باب ما جاء فی ذکر مرض رسول الله)

یہ بہت روشن نبوی تعلیم ہے، سماج کے کمزور طبقات کے ساتھ حسن سلوک کا یہ حکم دنیا کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کے نمایاں عطیات میں سے ہے۔

جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے پاک کیا جائے

صحابہ کو آپ ﷺ نے یہ پیغام بھی دیا کہ:

جزیرۃ العرب کو یہود، نصاریٰ و مشرکین سے پاک کر دیا جائے۔

(الرحیق المختوم:۷۲۹، بخاری: المغازی:باب مرض النبی)

نماز کی تاکید

اسی طرح آپ ﷺ نے بار بار نماز کی تاکید بھی فرمائی، اسی طرح جاتے جاتے آپ ﷺ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی پابندی اور ادائیگی کا سبق امت کو دیا ہے۔

انبیاء کی مالی میراث تقسیم نہیں ہوتی، اصل میراث علم وعمل ہے

یہ بھی فرمایا کہ:

میرا ترکہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوگا، انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔(بخاری:الفرائض: باب قول النبی: لانورث، ماترکنا صدقة)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا اور انبیاء کا ورثہ درہم ودینار نہیں؛ بلکہ عقیدہ وایمان، علم وتقویٰ کو قرار دیا ہے۔(مشکوۃ: العلم)

امت کو آپ ﷺ کی یہی میراث ملی ہے، اور امت کو اسی امانت کا امین بنایا گیا ہے، اور امت کو انہیں بنیادوں پر زندگی بسر کرنے کی تاکید بھی ہے۔

انصار کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

انصار مدینہ آقا ﷺ کی بیماری سے بے حد غم زدہ ہیں، ان پر گریہ طاری ہے، آقا ﷺ کو خبر ملتی ہے، آپ ﷺ کو پیار آتا ہے، مسلمانوں سے خطاب فرماتے ہیں:

میں تم کو انصار کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، انصار میرے راز دار ہیں، وہ میرے جسم وجان کی مانند ہیں، انہوں نے اپنے حقوق ادا کردئے ہیں، تم کو ان کے حقوق ادا کرنے ہیں، ان کی کوتاہیوں کو درگذر کرنا اور ان کا خاص خیال رکھنا۔(بخاری:المناقب:باب قول النبی: اقبلوا من محسنهم الخ)

اللہ کے بلاوے کو قبول کرنے کا اعلان

اس موقع پر آپ ﷺ یہ بھی فرماتے ہیں:

إِنَّ عَبْداً مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا

عِندَهُ فَاخْتَارَ مَا عِندَ اللّٰهِ.

بلا شبہ اللہ کے ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کو منتخب کر لے یا اللہ کے پاس موجود نعمتوں کو، لیکن اس بندے نے اللہ کے پاس موجود نعمتوں کو منتخب کر لیا۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگتے ہیں، اور عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہماری جانیں اور اولاد سب آپ پر قربان ہیں۔(بخاری:المناقب:باب قول النبی: سدوا الابواب الخ)

حضرت فاطمہؓ سے خفیہ گفتگو

آخری دن جگر گوشہ رسول حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا آتی ہیں، آپ ﷺ کی حالت دیکھ کر گریہ طاری ہو جاتا ہے، کہتی ہیں:

وَاکَرْبَ أَبَاهُ.

ہائے میرے ابا کی تکلیف۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

لَيْسَ عَلَى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ.

تمہارے باپ پر آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔(بخاری: المغازی: باب مرض النبی ووفاته)

اس موقع پر آپ ﷺ نے ان سے کچھ سرگوشی کی، وہ رونے لگیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں، بعد میں انھوں نے بتایا تھا کہ پہلی بار آقا ﷺ نے مجھے بتایا تھا کہ اسی مرض میں ان کی وفات ہو جائے گی، اسی لئے میں رو پڑی تھی، دوبارہ آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے میں آپ ﷺ سے جاملوں گی، چناں چہ مجھے ہنسی آئی۔

(بخاری: المغازی: باب مرض النبی ووفاته)

بالآخر ایسا ہی ہوا، آپ ﷺ کی وفات کے ۶/ ماہ بعد ہی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی وفات ہوگئی تھی۔

زہد نبوی

وفات سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے تمام غلام آزاد فرما دیئے، سارے دینار صدقہ کر دیئے، اسلحہ مسلمانوں کو عطا کر دیئے۔(مسند احمد:٦/٤٩)

کاشانۂ نبوت کی آخری رات ہے، اور ایسی گذری ہے کہ زرہ ایک یہودی کے پاس گروی ہے۔(بخاری: المغازی: باب وفاة النبی)

گھر میں چراغ کے لئے تیل نہیں ہے، پڑوسی سے تیل مانگا گیا ہے، آخری مرحلہ میں اس کردار کے ذریعہ امت کو زہد کا پیغام دیا گیا ہے، آقا ﷺ نے فرمایا تھا:

مَا لِيْ وَلِلدُّنْيَا، وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ: مَا مَثَلِي وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ سَارَ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ فَاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.

مجھے دنیا سے کیا غرض، قسم بخدا اس دنیا میں میری مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی مسافر ہو جو گرمی کے دن میں سفر کر رہا ہو، وہ کچھ دیر کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھے پھر وہاں سے چل دے۔ (کنز العمال:٣/٨٠، ابن ماجه: الزهد: باب مثل الدنيا)

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حیات نبوی کا آخری دن

دوشنبہ کا دن ہے، ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کی بارہویں تاریخ ہے، تاریخ انسانیت کا انتہائی الم ناک اور روح فرسا دن ہے، فضا سوگوار ہے، محبوب رب العالمین ﷺ کا بلاوا آچکا ہے۔

نماز فجر

فجر کی نماز مسجد نبوی میں ہورہی ہے، حضرت ابوبکر مصلیٰ پر ہیں، اچانک آقا ﷺ اپنے کمرے کا پردہ ہٹاتے ہیں، صحابہ کا آخری دیدار کررہے ہیں، ابوبکر کی نگاہ پڑی تو پیچھے ہٹنے لگے ہیں، آقا ﷺ نے اشارے سے روک دیا، صحابہ شوق وجذب کے عالم میں آقا ﷺ کے رخِ انور کو دیکھ رہے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت آقا ﷺ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح دمک رہا ہے، اس میں چمک بھی تھی، عجیب کشش بھی تھی، نورانی تقدس بھی تھا، بیماری کے اثر سے زردی بھی تھی، صحابہ کے جذبات متلاطم ہیں، قریب ہے کہ صفیں درہم برہم ہوجائیں، آقا ﷺ نے پردہ گرادیا ہے، صحابہ نے جمالِ نبوت کی یہ آخری بار زیارت کی ہے۔(بخاری: المغازی: باب مرض النبی)

اپنے مانجھے ہوئے، اپنے تیار کئے ہوئے صحابہ کو عبادت اور مالک حقیقی سے مربوط ہونے کی اس حالت میں دیکھ کر آقا ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں، دل کو سرور ہوا ہے، محنت وصول ہوتی نظر آئی ہے، ۲۳ رسالہ محنت کا خوش گوار نتیجہ نظر کے سامنے ہے، آقا ﷺ اس حال میں اللہ کے دربار میں پہنچ رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا دل اپنے صحابہ سے خوش اور مطمئن ہے۔

نمازِ فجر کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ دربار میں حاضر ہوئے ہیں، قدرے سکون محسوس کیا، اجازت لے کر مدینہ سے دو میل پر واقع اپنے مکان ''سُنُح'' چلے گئے ہیں۔

مرض کی شدت اور مسواک

تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ کی طبیعت پھر بگڑ گئی ہے، حضرت عائشہؓ کی گود میں آپ ﷺ کا سر مبارک ہے، آپ ﷺ لیٹے ہوئے ہیں، اسی دوران حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ مسواک لے کر آئے، آپ ﷺ نے مسواک پر نظر ڈالی، حضرت عائشہؓ منشاء سمجھ جاتی ہیں، مسواک چبا کر نرم کرتی ہیں، اور آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی ہیں، آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے اہتمام سے مسواک کی سنت ادا کرتے ہیں۔(بخاری: المغازی: باب مرض النبی)

اس عمل سے آپ ﷺ نے امت کو مسواک کی اہمیت اور جسمانی نظافت کی اہمیت کی طرف توجہ دلا دی ہے۔

حضرت عائشہؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ آقا ﷺ اپنے رب کے حضور اس حال میں پہنچے ہیں کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک میں حضرت عائشہؓ کا آبِ دہن تھا۔(ایضاً)

وہ دن حضرت عائشہؓ کی باری کا تھا، آقا ﷺ کا سر حضرت عائشہؓ کی گردن اور کندھے کے درمیان تھا۔(ایضاً) پھر آقا ﷺ کا مدفن بھی انہیں کا حجرہ بنا تھا۔

آخری مرحلہ

آخری مرحلہ آ چکا ہے، چاشت کا وقت ہے، آقا ﷺ کی زبان پر الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ، مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيْقِ الأَعْلَى. (مسند احمد:٦/٤٦)

خدایا: موت کی شدتوں پر میری مدد فرمایئے، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی اس جماعت کے ساتھ جس پر آپ کا انعام ہوا، اے اللہ: میری مغفرت فرما دیجئے، مجھ پر رحم فرما دیجئے، رفیق اعلیٰ سے مجھے ملا دیجئے۔

پھر ۳؍مرتبہ فرمایا:

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الأَعْلَىٰ.

اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں۔ (بخاری: المغازی: باب مرض النبی، و باب ما آخر ما تکلم به النبی)

یہ کہنا تھا کہ روحِ مقدس قفسِ عنصری سے آزاد ہوگئی، اور حبیب اپنے محبّ کے حضور حاضر ہوگیا، ۲۲؍ہزار ۳۳۰؍دن اور ۶؍گھنٹے اس دنیا میں گذار کر سرکار دو عالم ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

کہرام مچ گیا

مدینہ منورہ میں کہرام مچا ہوا ہے، گریۂ پیہم طاری ہے، سب کے حواس معطل ہیں، جوق در جوق صحابہ مسجد نبوی میں اکٹھا ہو رہے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

مَا رَأَيْتُ يَوْماً قَطُّ كَانَ أَحْسَنَ وَ أَضْوَأَ مِنْ يَوْمٍ دَخَلَ عَلَيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَارَأَيْتُ يَوْمًا كَانَ أَقْبَحَ وَ لَا أَظْلَمَ فِيْ يَوْمٍ مَاتَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مسند احمد: ۳/۲۸۷)

جس دن آقا مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مدینہ کی ہر ہر چیز روشن ہوگئی تھی، اور جس دن آپ کی وفات ہوئی، مدینہ کی ہر ہر چیز تاریک ہوگئی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حالت بالکل دگرگوں ہے، انہیں آپ ﷺ کی

وفات کا یقین ہی نہیں آتا ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ گویا سکتہ کے عالم میں ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل خاموش اور سوگوار ہیں، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس حادثے کی تاب نہ لا کر دنیا سے چل بسے ہیں، حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ روتے روتے بینائی کھو چکے ہیں، ازواجِ مطہرات پر تو گویا غم والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، انصار گریہ کناں ہیں، مہاجرین زار و قطار رو رہے ہیں۔(اصح السیر:٥٨، سیرت احمد مجتبیٰ:٣/ ٤٧١)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا عجب عالم اضطراب میں ہیں، اور کہہ رہی ہیں:

يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ، يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ، يَا أَبَتَاهُ إِلَى جِبْرَئِيلَ نَنْعَاهُ. (بخاری: المغازی: باب مرض النبی)

ہائے ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہہ دیا، ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہائے ابا جان! ہم جبرئیل کو آپ کی وفات کی خبر دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی بے خودی اور حضرت ابوبکرؓ کی عزیمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے خودی کے عالم میں ہیں، اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے، وہ اللہ سے ملنے گئے ہیں، ضرور واپس آئیں گے، جو یہ کہے گا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، میں اسے قتل کر دوں گا، عجیب حالات ہیں، اتنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آ پہنچے ہیں، حجرۂ اقدس میں جاتے ہیں، لرزتے ہونٹوں سے آقا ﷺ کے ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں:

بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّي: طِبْتَ حَيًّا وَ مَيِّتًا، وَانْقَطَعَ لِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ لِمَوْتِ اَحَدٍ مِنَ الاَنْبِيَاءِ مِنَ النُّبُوَّةِ، فَعَظُمْتَ عَنْ

الصِّفَةِ، وَخُصِّصْتَ حَتَّى صِرْتَ مَسْلَاةً، وَعُمِّمْتَ حَتّٰى صِرْنَا فِيكَ سَوَاءً، وَلَوْلَا أَنَّ مَوْتَكَ كَانَ اِخْتِيَاراً مِنَّا لَجُدْنَا مَوْتَكَ بِالنُّفُوسِ، بِأَبِيْ أَنْتَ وَ اُمِّيْ: وَاللّٰهِ لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْمَوْتَتَيْنِ، اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے پاکیزہ زندگی بھی پائی اور پاکیزہ طور پر رخصت بھی ہوئے، آپ کی وفات سے وہ چیز منقطع ہوگئی جو پہلے کسی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھی، وحی کا سلسلہ بند ہوگیا، آقا: آپ کی ذات عالی مدح وتوصیف سے بالاتر ہے، آپ ہمارے لئے سامانِ تسلی تھے، آپ کی رحمت ہر امیر وغریب پر یکساں تھی، ہمارا بس چلتا تو آپ کے بدلے ہزار جانیں ہم لٹا دیتے، مگر جو موت آپ کو آنی تھی آ گئی، اب کوئی اور موت نہیں آئے گی۔ (بخاری: المغازی: باب مرض النبی، الجنائز: باب الدخول علی المیت، المناقب: باب فضل ابی بکر، الروض الانف، ۲/۳۷۶)

یہ کہہ کر صدیق اکبرؓ چادر جسد اقدس پر اوڑھا دیتے ہیں، باہر آتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پورا مدینہ یتیم ہوگیا ہے، اجتماعی یتیمی کی لرزہ خیر کیفیت ہے، اس نازک موقع پر وہی صدیق اکبر آگے آتے ہیں، جن کو رقیق القلب کہا جاتا تھا، جن پر غلبۂ بکاء رہتا تھا، جن کو ارحم الامۃ سمجھا جاتا تھا، مگر اب انہوں نے استقامت اور ثبات کا جو کردار ادا کیا ہے، وہ تاریخ اسلام میں زریں حروف سے نقش ہے۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو بٹھا رہے ہیں، مگر حضرت عمرؓ بے خودی کے اس مرحلے میں ہیں کہ بیٹھنے کو تیار نہیں، حضرت ابوبکر کا خطاب شروع ہوتا ہے:

أَلاَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّداً قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى اَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئاً، وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ (ال عمران: ۱۴۴)

اے لوگو: سنو! جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی وفات ہوچکی ہے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے، اسے موت نہیں آ سکتی، اللہ فرما چکا ہے: محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہوجائے یا وہ شہید کردیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل ایمان سے پلٹ جاؤ گے، جو ایمان سے پلٹے گا وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا، اللہ شکر گزار بندوں کو ثواب عطا فرمائے گا۔ (بخاری:المناقب: مناقب ابی بکر، سیرت ابن ھشام:۴/۳۱۰)

یہ آیت سنتے ہی ایسا لگتا تھا کہ صحابہ نے نے آج پہلی بار یہ آیت سنی ہے، حضرت عمرؓ چوکنا ہوجاتے ہیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سمیت سب کو یقین آ ہی گیا ہے کہ آقا ﷺ رحلت فرما چکے ہیں، ہم آقا ﷺ کے وجود سے محروم ہوچکے ہیں، بس پھر میں اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا، پیر جواب دے گئے، اور میں گر گیا۔ (القرطبی: ۴/۲۲۳)

خلیفہ کی نامزدگی

اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفۃ المسلمین کے تقرر کا مرحلہ سامنے آیا، مذاکرات ومباحثات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو نامزد کیا گیا، اور سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت اطاعت کی۔ (بخاری:المناقب: مناقب ابی بکر)

غسل، تجہیز، تکفین، نماز جنازہ اور تدفین

اس کے بعد آقا ﷺ کی تدفین کا مرحلہ آتا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نبی کی جہاں وفات ہوتی ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے، اس پر آقا ﷺ کی تدفین حجرۂ عائشہ میں طے ہوئی۔ (ترمذی:الجنائز: ۱۰۰۱، تحفة الالمعی:۳/۴۲۲، شمائل ترمذی: باب ما جاء فی وفاة رسول الله)

منگل ۱۳/ربیع الاول کی صبح ہے، کپڑے اتارے بغیر آقا ﷺ کو غسل دیا جارہا ہے، (سیرت احمد مجتبی:۳/۴۸۰)

حضرت عباس، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ، حضرت اوس رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقرانؓ غسل دے رہے ہیں۔ (البداية والنهاية:۵/۲۶۰)

۳/سفید یمنی چادروں میں کفن دیا گیا ہے۔ (بخاری:الجنائز: باب الثياب البيض للكفن)

اب تدفین کا مرحلہ ہے، حضرت ابوطلحہؓ نے بغلی قبر کھودی ہے۔ (شرح الزرقانی:۸/۲۸۹ الخ)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آقا ﷺ زندگی میں ہمارے امام تھے، اب بھی وہی امام ہیں، جماعت نہیں ہوگی، کمرے کی گنجائش کے اعتبار سے دس دس افراد آتے رہیں، نماز پڑھتے رہیں، پہلے مرد، پھر بچے، پھر عورتیں، باری باری نماز پڑھی جاتی رہی۔ (البداية والنهاية: ۵/۲۶۵، شرح المواهب:۸/۲۹۱)

ابن دحیہ کے بقول ۳۰/ہزار افراد نے نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت پائی۔ (سیرت احمد مجتبی:۳/۴۸۱)

اس عمل میں منگل کا دن ختم ہوگیا، بدھ کی رات بھی ختم ہونے کو ہے، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت قثم رضی اللہ عنہم قبر مبارک میں اترے ہیں۔ (طبقات ابن سعد:۲/۷۶، جوامع السيرة:۲۹۱)

حضرت شقرانؓ نے ایک سرخ دھاری دار چادر بچھادی تھی، پھر اسے اٹھالیا گیا۔

(مدارج النبوۃ:٦٥٩)

اب کائنات کا سب سے مبارک وجود آغوشِ قبر میں لٹادیا گیا ہے، کتنا مبارک تھا وہ وجود، اور کتنا بابرکت ہے وہ خطۂ زمین جسے اس سراپا کو اپنے دامن میں سمیٹنے کا شرف عطا ہوا، اور کتنی بابرکت ہے وہ قبر، حضرت حسانؓ کہے بغیر نہیں رہ سکے:

فَبُورِكْتَ يَا قَبْرَ الرَّسُوْلِ وَبُوْرِكَتْ

بِلَادٌ ثَوىٰ فِيْهَاا الرَّشِيْدُ الْمُسَدَّدُ

لَقَدْ غَيَّبُوا حِلْمًا وَ عِلْمًا وَ رَحْمَةً

عَشِيَّةَ عَلَوْهُ الثَّرَىٰ لَايُوَسَّدُ

وَهَلْ عَدَلَتْ يَوْماً رَزِيَّةُ هَالِكٍ

رَزِيَّةَ يَوْمَ مَاتَ فِيْهِ مُحَمَّدُ

وَمَا فَقَدَ الْمَاضُوْنَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ

وَلَا مِثْلُهُ حَتَّى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ

اے قبر رسول ﷺ! تجھ پر برکتیں نازل ہوں، وہ خطۂ زمین بابرکت رہے جہاں یہ نبی ہادی وبرحق مقیم ہے، لوگوں نے حلم وبردباری، علم و معرفت اور رحمت وبرکت کو اس رات کھو دیا جب لوگوں نے آپ ﷺ پر مٹی کا ڈھیر چڑھایا، جس میں کوئی فرش تک بچھایا نہیں گیا تھا، کیا کسی بھی جانے والے کا صدمہ آقا ﷺ کی رحلت کے اس صدمے کی ہم سری کرسکتا ہے؟ اب تک ہمارے آقا ﷺ جیسا عظیم کوئی انسان اس دنیا سے رخصت نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک ان سے زیادہ عظمتوں کا حامل کوئی اس دنیا سے پردہ فرمائے گا۔ (سیرت ابن هشام:٣١٣/٤، مختصر سيرة الرسول:٤٧١)

بہر حال آقا ﷺ کو قبر میں اتار دیا گیا، حضرت قثمؓ سب سے آخر میں قبر سے نکلے ہیں، ۹/اینٹیں بچھادی گئی ہیں، مٹی ڈالنے کا عمل شروع ہوا، دیر تک چلتا رہا، لوگ بے تابانہ آتے رہے، بادیدۂ نم جاتے رہے۔

سوگوار ماحول: ویراں ہے میکدہ، خم وساغر اداس ہیں

صحابہ تدفین کے بعد نڈھال وغم زدہ لوٹ رہے ہیں، حضرت انسؓ بھی آزردہ ہیں، حضرت فاطمہؓ کے حجرے کے پاس سے گذرے تو حضرت فاطمہؓ نے شدتِ غم سے فرمایا ہے:

أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوْا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ؟ (بخاری: المغازی: باب مرض النبی ووفاته)

انس! تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ آقا ﷺ کے جسد اقدس پر مٹی ڈال کر چلے آؤ۔

بس اس جملے نے گویا دل پر آرے چلا دیئے ہوں، گریہ وزاری کا ناقابل بیان عالم شروع ہوگیا۔

حضرت فاطمہؓ کا اظہار غم

حضرت فاطمہؓ نے قبر مبارک سے مٹی اٹھائی اور یوں عرض کیا۔

مَـــاذَا عَـلَـــىٰ مَـــنْ شَـــمَّ تُـــرْبَةَ أَحْـمَـدَ

اَنْ لَا يَشُـــمَّ مَـدَىٰ الـــزَّمَـــانِ غَـوَالِـيَـــا

صُبَّـــتْ عَـلَـــيَّ مَـصَـــائِـبُ لَـوْ أَنَّـهَـــا

صُبَّـــتْ عَـلَـــى الْأَيَّـــامِ صِـــرْنَ لَـيَـــالِـيَـــا

جس نے آقا ﷺ کے روضے کی مٹی سونگھ لی پھر وہ زندگی بھر کچھ اور

سونگھ نہ سکے تو بجا ہے، مجھ پر مصیبتوں کا ایسا کوہِ گراں آیا ہے کہ اگر دنوں پر یہ کوہ گرتا تو وہ دن دن نہ رہتے؛ بلکہ اپنی روشنی کھو بیٹھتے۔(رسول رحمت:٦٥٨)

حضرت ام سلمہؓ کا درد دل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دردِ دل یوں بیان کیا تھا:

يَـا لَهَا مِنْ مُصِيْبَةٍ، مَا أَصَبْنَا بَعْدَهَا بِمُصِيْبَةٍ إِلَّا هَانَتْ، إِذَا ذَكَرْنَا مُصِيْبَتَنَا بِهِ.

ہائے یہ صدمہ و مصیبت، اس کے سامنے تو ہر مصیبت ہلکی ہوگئی، کوئی صدمہ اس کے سامنے صدمہ نہ رہا۔(سیرت ابن کثیر:٤/٥٣٨)

حضرت بلالؓ: یارائے ضبط نہ رہا

آقا ﷺ کی تدفین کے بعد صبح ہوتی ہے، حضرت بلال فجر کی اذان کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ پر پہنچتے ہیں تو جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں، ضبط کا یارا نہیں رہتا، چیخ نکل جاتی ہے۔(نبی رحمت:٥٥٠)

تاریخ انسانی کے سب سے تاب ناک دور کا خاتمہ

اس طرح تاریخ انسانی کا سب سے تاب ناک دور ختم ہوگیا ہے، روضۂ رسول ﷺ آج بھی ہے، عاشقانِ رسول ﷺ دھڑکتے دل، لرزتے پاؤں اور برستی آنکھوں کے ساتھ تب سے اب تک وہاں حاضر ہوتے ہیں، سکینت و احترام کا مقدس ہالہ سب کو احاطے میں لئے رہتا ہے، یہ وہی مقام ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبا یزید ایں جا

زائرین روضے پر حاضر ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ آقا ﷺ اپنی قبر میں حیات ہیں، ہمارا اسلام سنتے ہیں، جواب عطا فرماتے ہیں، انہیں جذبات کے ساتھ وہ حاضر ہوتے ہیں، جذبات شوق میں تلاطم ہوتا ہے، گویا وہ کہتے ہیں ؎

يَـا خَيْـرَ مَـنْ دُفِـنَـتْ فِـيْ التُّـرْبِ اَعْظُمُـهُ
فَـطَـابَ مِـنْ طِيْبِهِـنَّ الْقَـاعُ وَالْأَكَـمُ
نَـفْسِـى الْـفِـدَاءُ لِقَبْـرٍ أَنْـتَ سَـاكِـنُـهُ
فِيْـهِ الْعَـفَـافُ وَفِيْـهِ الْـجُـوْدُ وَ الْـكَـرَمُ

اے ان سب سے بہتر جن کے جسم پیوند خاک بنے اور ان کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک اٹھے، میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ ﷺ آرام فرما ہیں، اس قبر میں عفت، پاکیزگی، جود وسخا اور کرم ورحمت کے خزینے چھپے ہوئے ہیں۔ (سيرت حلبيه: ٢/ ٤٨٩)

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

ہماری گفتگو بس اسی پر ختم ہوتی ہے، کہنے کو تو بہت کچھ کہا، مگر سچ یہ ہے کہ کچھ بھی نہ کہا، آقا ﷺ کی سیرت بحر ذخار ہے، گلستانِ پرُ بہار ہے، بولنے والے بولتے رہیں گے، لکھنے والے لکھتے رہیں گے، آقا ﷺ کی سیرت کے کسی ایک پہلو کا بھی حق ادا نہ ہو سکے گا۔

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے
سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

بقول شاعر ؎

محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
محمد وہ حریمِ قدس کا شمع شبستانی
وہ فاتح جس کا پرچم اطلسِ زنگارئی گردوں
وہ امی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی
وہ شاہِ بوریا مسند، سکھایا جس نے دنیا کو
یہ اندازِ جہاں گیری، یہ آئینِ جہاں بانی
وہ کشافِ سرائر جس نے کھولا چند اشاروں پر
علومِ اولین و آخریں کا گنجِ پنہانی

کی محمد سے وفا تو نے ہم تیرے ہیں

حضرات گرامی! آپ نے پوری سیرت کا اجمالی خاکہ سمجھ لیا، اب آپ اس کے پیغام کو سینوں میں اتارنے کا عہد کیجئے، یاد رکھئے کہ آقا ﷺ کی سیرت صرف سننے کی چیز نہیں ہے، یہ کردار میں برتنے کی، زندگی میں اتارنے کی، اور عمل میں برپا کرنے کی چیز ہے، انسانیت کے لئے نجات اور فلاح، عزت اور بقاء کی کوئی راہ اگر ہوسکتی ہے تو وہ آقا ﷺ کی سیرت اور اسوہ ہی ہے۔

آقا ﷺ کے حقوق سمجھئے، ادا کیجئے، ان کی عقیدت دل و دماغ، حواس و اعصاب میں، پور پور میں، ریشے ریشے میں پیوست ہو، ان کی عظمت قلب و قالب، شعور و سراپا سب پر حاوی ہو، ان کی اطاعت ہمارا شعار اور مزاج بن جائے۔

ہم آقا ﷺ کے غلام ہیں، ہمارے پاس آقا ﷺ کے لائے ہوئے نورِ قرآن وسنت کی ضوفشاں شمع ہے، ہمیں اس شمع سے باطل کی بادِ صرصر کا مقابلہ کرنا ہے۔

ہم غلامانِ محمد ہیں، اجالوں کے سفیر
ہم نے ہر دور میں ظلمت سے بغاوت کی ہے

دوستو یوں تو مسلمان ہو، تم بھی ہم بھی
بات پابندیٔ آئین شریعت کی ہے

بس وہ معیارِ محبت پہ کھرا اترا ہے
جس نے سرتاجِ رسالت کی اطاعت کی ہے

معتبر دین ہی اس کا ہے نہ ایماں زاہد
جس نے فرمانِ محمد سے بغاوت کی ہے

سیرت کے اس اجلاس میں آپ کو یہ طے کرنا ہے کہ اب ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ، ہر ہر پل اور ہر ہر ساعت آقا ﷺ کے مقدس کردار کے رنگ سے رنگین ہوگا، آقا ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کے سانچے میں ڈھل کر رہے گا۔

حالات بہت نازک ہیں، شرارِ بولہبی، چراغِ مصطفوی کے مقابلے میں پہلے سے کہیں زیادہ تیاریوں اور سازشوں کے ساتھ آیا ہے، عالم انسانیت کی صورتِ حال یہ ہے۔

در عجم گردیدم و ہم در عرب
مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

حق کے لئے مر مٹنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں، ہوا وہوس کے غلام بڑھتے جارہے ہیں، ہماری استقامت کا امتحان ہے، آزمائش کی گھڑی ہے، آقا ﷺ کی سیرت مجھے اور آپ کو آواز دے رہی ہے، سننے والے کان ہوں تو یہ صدا آج بھی سنائی دیتی ہے:

اے مسلماں! تجھے خواجۂ بطحا کی قسم
شام کعبہ کی قسم صبح مدینہ کی قسم
چودہ صدیوں کی روایاتِ عظیمہ کی قسم
جذبِ صدیق کی، تاب و تبِ حمزہ کی قسم
تھام لے دامنِ سرکار کو تکتا کیا ہے
راہ ہے سامنے در در پہ بھٹکتا کیا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ.

سلام

الٰہی! محبوب کل جہاں کو، دل و جگر کا سلام پہنچے
نفَس نفَس کا درود پہنچے، نظر نظر کا سلام پہنچے

بساطِ عالَم کی وسعتوں سے، جہانِ بالا کی رِفعتوں سے
مَلک مَلک کا درود اترے، بشر بشر کا سلام پہنچے

حضور کی شام شام مہکے، حضور کی رات رات جاگے
ملائکہ کے حسیں جلو میں، سحر سحر کا سلام پہنچے

زبان فطرت ہے اس پہ ناطق، ببارگاہِ نبیِ صادق
شجر شجر کا درود جائے، حجر حجر کا سلام پہنچے

رسولِ رحمت کا بارِ احساں، تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسن کو بستی بستی، نگر نگر کا سلام پہنچے

مرا قلم بھی ہے ان کا صدقہ، مرے ہنر پر ہے ان کا سایہ
حضورِ خواجہ، مرے قلم کا، مرے ہنر کا سلام پہنچے

یہ التجا ہے کہ روز محشر، گناہگاروں پہ بھی نظر ہو
شفیع امت کو ہم غریبوں کی چشم تر کا سلام پہنچے

نفیس کی بس دعا یہی ہے، فقیر کی اب صدا یہی ہے
سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عمر بھر کا سلام پہنچے

(کلام: حضرت سید نفیس الحسینیؒ: ماخوذ از: کرنیں: ابن الحسن عباسی:۲۹۷)

کتابیات

(۱)	القرآن الکریم	
(۲)	آسان ترجمۂ قرآن	مولانا محمد تقی عثمانی
(۳)	معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
(۴)	تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۵)	تفسیر القرطبی	علامہ قرطبیؒ
(۶)	فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ
(۷)	ترجمان القرآن	مولانا آزادؒ
(۸)	الدرالمنثور	علامہ سیوطیؒ
(۹)	الجامع الصحیح	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
(۱۰)	صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیریؒ
(۱۱)	جامع الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
(۱۲)	سنن ابی داؤد	امام سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
(۱۳)	سنن النسائی	امام نسائیؒ
(۱۴)	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید قزوینیؒ
(۱۵)	کنز العمال	علامہ متقی ہندیؒ
(۱۶)	مشکوۃ المصابیح	خطیب تبریزیؒ
(۱۷)	مسند الامام احمد	امام احمد ابن حنبلؒ
(۱۸)	شعب الایمان	امام بیہقیؒ

(۱۹)	الترغیب والترہیب	علامہ منذریؒ
(۲۰)	فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
(۲۱)	مجمع الزوائد	امام ہیثمیؒ
(۲۲)	المعجم الکبیر	امام طبرانیؒ
(۲۳)	المستدرک	امام حاکمؒ
(۲۴)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح	ملا علی قاریؒ
(۲۵)	عمدۃ القاری شرح بخاری	علامہ بدرالدین عینیؒ
(۲۶)	ارشاد الساری شرح بخاری	علامہ قسطلانیؒ
(۲۷)	کشف الباری شرح بخاری	حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہ
(۲۸)	الاکمال فی اسماء الرجال	خطیب تبریزیؒ
(۲۹)	شمائل ترمذی	امام ترمذیؒ
(۳۰)	تحفۃ الالمعی شرح ترمذی	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
(۳۱)	شرح معانی الآثار	امام طحاویؒ
(۳۲)	شرح النووی مع صحیح مسلم	امام نوویؒ
(۳۳)	طبقات ابن سعد	امام ابن سعدؒ
(۳۴)	سیرۃ ابن کثیر	امام ابن کثیرؒ
(۳۵)	سیرت ابن ہشام	امام ابن ہشامؒ
(۳۶)	المواہب اللدنیۃ	علامہ قسطلانیؒ
(۳۷)	شرح المواہب	علامہ الزرقانیؒ
(۳۸)	الوفاء	علامہ ابن الجوزیؒ
(۳۹)	مختصر السیرۃ	الشیخ عبداللہؒ
(۴۰)	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق دہلویؒ
(۴۱)	الشفاء	قاضی عیاضؒ

(۴۲)	دلائل النبوۃ	علامہ بیہقیؒ
(۴۳)	دلائل النبوۃ	علامہ ابی نعیمؒ
(۴۴)	سیرت ابن اسحاق	امام ابن اسحاقؒ
(۴۵)	زادالمعاد	علامہ ابن القیمؒ
(۴۶)	اسدالغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علامہ ابن الاثیرؒ
(۴۷)	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
(۴۸)	الاستیعاب	علامہ ابن عبدالبرؒ
(۴۹)	الروض الانف	علامہ ابوالقاسم سہیلیؒ
(۵۰)	البدایۃ والنہایۃ	علامہ ابن کثیرؒ
(۵۱)	تاریخ طبری	علامہ طبریؒ
(۵۲)	تاریخ ابن خلدون	علامہ ابن خلدونؒ
(۵۳)	وفاءالوفاء	علامہ سمہودیؒ
(۵۴)	الکامل فی التاریخ	علامہ ابن الاثیرؒ
(۵۵)	مغازی الرسول	علامہ واقدیؒ
(۵۶)	جوامع السیرۃ	علامہ ابن حزمؒ
(۵۷)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
(۵۸)	ہذاالحبیب یامحبّ	علامہ ابوبکرالجزائری
(۵۹)	السیرۃالنبویۃ واخبارالخلفاء	علامہ ابن حبانؒ
(۶۰)	الصارم المسلول	علامہ ابن تیمیہؒ
(۶۱)	الخصائص	علامہ سیوطیؒ
(۶۲)	رحمۃ للعالمین	ڈا/ عائض القرنی
(۶۳)	السیرۃالحلبیۃ	علامہ حلبیؒ
(۶۴)	المعاہدات فی الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الدولی	ڈا/ محمد دیک
(۶۵)	فتوح البلدان	علامہ بلاذریؒ

(۶۶)	السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ	ڈ/ اکرم ضیاء العمری
(۶۷)	سیر اعلام النبلاء	علامہ ذہبیؒ
(۶۸)	السیرۃ النبویۃ	ڈ/ صلابی
(۶۹)	معرفۃ الصحابۃ	علامہ ابی نعیمؒ
(۷۰)	مختارات من ادب العرب	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
(۷۱)	مختار من الشعر العرب	مولانا سید محمد رابع ندوی
(۷۲)	نضرۃ النعیم	صالح بن حمید ولجنۃ من العلماء
(۷۳)	السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ	محمد بن محمد ابوشہبہ
(۷۴)	مع المصطفیٰ	ڈ/ سلمان العودہ
(۷۵)	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۷۶)	خطبات مدراس	علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۷۷)	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۷۸)	سفر در سفر	مولانا محمد تقی عثمانی
(۷۹)	نبیٔ رحمت	مولانا سید ابوالحسن ندویؒ
(۸۰)	النبی الخاتم	مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۸۱)	رحمۃ للعالمین	علامہ سید سلیمان منصور پوریؒ
(۸۲)	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ
(۸۳)	سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۸۴)	عکس سیرت	مترجم: خلیل الرحمٰن
(۸۵)	اصح السیر	مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ
(۸۶)	صدیق اکبر	مولانا سعید اکبر آبادیؒ
(۸۷)	سیرت خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ	طالب ہاشمی
(۸۸)	محسن انسانیت	نعیم صدیقیؒ
(۸۹)	سیرت احمد مجتبیٰ	شاہ مصباح الدین شکیل

(۹۰)	خطبات بنگلور	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
(۹۱)	خطبات سیرت	مولانا سید سلمان حسینی ندوی
(۹۲)	ذکر جمیل	ماہر القادریؒ
(۹۳)	کرنیں	ابن الحسن عباسی
(۹۴)	کلیات زاہد	ابوالمجاہد زاہد
(۹۵)	یہ قدم قدم بلائیں	عامر عثمانیؒ
(۹۶)	الفاروق	علامہ شبلی نعمانیؒ
(۹۷)	تقویم تاریخی	عبدالقدوس ہاشمی
(۹۸)	رسول اکرم کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر حمید اللہؒ
(۹۹)	سیر الصحابۃ	محققین دار المصنفین
(۱۰۰)	نشر الطیب	حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۱۰۱)	پیغمبر اعظم و آخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
(۱۰۲)	پیام سیرت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۱۰۳)	نقوش	رسول نمبر
(۱۰۴)	عہد نبوت کے ماہ و سال	محمد ہاشم سندھی
(۱۰۵)	ردائے رحمت شرح قصیدہ بردہ	مولانا عبداللہ عباس ندویؒ
(۱۰۶)	خطبۂ تبوک	محمد میاں صدیقی
(۱۰۷)	دائرہ معارف اسلامیہ (اردو)	طبع لاہور
(۱۰۸)	سنہری سیرت	عبدالمالک مجاہد
(۱۰۹)	سنہری شعاعیں	عبدالمالک مجاہد
(۱۱۰)	سیرت نبویہ قرآن مجید کے آئینے میں	محمد اسجد قاسمی ندوی
(۱۱۱)	اسوۂ رسول کے روشن عناوین	محمد اسجد قاسمی ندوی

○●○

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اور اہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اور نصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک وبیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو

فاضلانہ اور عالمانہ مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجودہ معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر ''قصۃ حیاۃ عمر'' کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وعبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

● گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● گلہائے رنگارنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس

ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

● مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

● اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے، جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن و اسلامتی، اخوت و وحدت، مساوات و اجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

● دیگر کتب:

اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)
والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
شیخ الہند: حیات، خدمات و امتیازات
مقام صحابہ اور غیر مقلدین
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
سچ اور جھوٹ کتاب و سنت کی روشنی میں ایک جائزہ
اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
اسلام اور دہشت گردی
بنیادی دینی اور تاریخی معلومات (اردو، ہندی)

● عربی کتب:

علوم القرآن الکریم
وان المساجد للّٰہ
لمعات من الاعجاز القرآني البدیع
اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الکتاب والسنة......
نظرة عابرة علی القضاء والقضاة فی الاسلام
بحوث علمیة فقهیة

نوٹ: یہ کتابیں مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

(۱) اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی (۲) فرید بک ڈپو دہلی (۳) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (۴) جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد